بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

گنجینۂ احساس

ماہنامہ ''نورولایت'' حیدرآباد میں شائع شدہ مضامین

کا

مجموعہ

سید یوسف (بنگلور)

کے قلم سے

syedyusufsam92@gmail.com

فہرست مضامین :

003

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

بارگاہِ رب العزت میں......

زندگی ایک عذاب ہے یارب — ظلمتوں کی کتاب ہے یارب
کوئی آتا نہیں مصیبت میں — قلب خانہ خراب ہے یارب
کیسے اپنا پرایہ پہچانوں — سارا عالم سراب ہے یارب
کیا یہ جینا ہے صرف پل دو پل؟ — ایک لمبا، عذاب ہے یارب
تیرے 'دیدار' کی طلب بھی ہے — آنکھ غرق حجاب ہے یارب
چھایا چاروں طرف اندھیرا ہے — گہن بر آفتاب ہے یارب
آزمائش ہے زندگی لیکن! — امتحاں بے نصاب ہے یارب
تپش گردش زمانہ سے — تن سراپا کباب ہے یارب

تیری رحمت کے بل پہ آج یوسفؔ
آیا تیری جناب ہے یارب

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

ثناء خوانِ رحمت عالم ﷺ

سرور کائنات ختم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تقدس، عظمت اور رحمت عالم کی تعریف وتوصیف اور رطبُ السانی سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ تعریف بیان ہوتی رہی ہے قیامت تک بیان ہوتی رہے گی۔

لیکن سب سے بڑی ثناء خوانی خالق کائنات نے قرآن کریم میں فرمائی ہے۔ جو ازل سے ابد تک کے تمام زمانوں، تاریخوں اور نعت خوانوں کے کلاموں پر بھاری ہے۔ دیکھئے اپنے حبیبؐ کے مقام ومرتبہ کو بیان کرنے کے لئے خالق کائنات نے کیسا لطیف انداز بیان پیش کیا ہے۔ اور اندازہ لگائیے کیا ہے کوئی ایسا ثناء خواں جو حضورِ پرنور محمد ﷺ کی ثناء خوانی کا حق ادا کرسکتا ہے، سوائے خالق ارض وسما کے۔ سورۃ نور کی یہ آیات پڑھیئے اور غور کیجئے۔

(۱) اللہ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں اور زمینوں کا (۲) اس کے نور (ہدایت) کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے۔ اور (۳) اس میں ایک چراغ ہے اور (۴) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے اور (۵) وہ قندیل طاق میں رکھا ہے اور (۶) وہ قندیل ایسا شفاف ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو اور (۷) وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون کا درخت ہے (۸) جو نہ کسی آڑ کے پورب رُخ ہے نہ پچھّم رُخ (۹) اس قدر شفاف اور سلگنے والا (۱۰) اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اُٹھے گا اور جب (آگ بھی لگ گئی تو) نور اعلیٰ نور ہے (۱۱) اس کے نور (ہدایت) جس کو چاہتا ہے راہ دیتا ہے۔

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے اعمال اور اوصاف کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسے انسانوں کا حد سے متجاوز کر جانا۔ عورتوں اور مردوں کی بدکاریاں اور اس کی تعزیر بھی بتلائی ہے۔ اُم المومنین حضرتہ عائشہ صدیقہؓ پر بہتان تراشی اور مجرموں کی تعزیر اور مخلوقات میں بادلوں کا گرجنا، بجلی کا چمکنا، ابر کا برسنا، رات کا دن میں اور دن کا رات میں بدلنا، کچھ جانوروں کے چار پیروں پر چلنا اور کچھ کا پیٹ کے بل رینگنا، انسانوں کا بندگی سے بغاوت کرنا اور ایمان والوں کا ایمان لے آنا، انعام دیا جانا وغیرہ۔ لہذا

مخلوقات کے خلق اور اللہ تعالیٰ کے نور السمٰوٰت والعرض ہونے کا بیان ہے۔ ان سب کیفیتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی تعریف بیان فرمائی ہے اور بڑا لطیف اشارہ دیا ہے۔

چراغ، قندیل، طاق، چمکدار ستارہ، زیتون کا تیل یہ تو محدود ہیں اور علامات مقیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو لامحدود اور غیر مقید ہے تو پھر اپنے نور کو بیان کرنے کے لئے یہ علامات کیوں!

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضورﷺ کی ذات بابرکات انوار الٰہی کا مجموعہ تھی۔ حضرت جبرئیلؑ فرماتے ہیں میرے پیدا ہونے کے ستر ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے نور محمدﷺ کو پیدا کیا تھا اور حضور ختمی مرتبتﷺ نے فرمایا ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ گارے اور مٹی میں تھے، باوجود ان حقیقتوں کے آپﷺ بحیثیت انسان علامت مقیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا ذکر کرتے ہوئے نور محمدﷺ کی حقیقت کو آشکارا کیا ہے۔ بے شک اللہ نور السمٰوٰت والعرض ہے اور سب کا انتہی نور الانور وہی تو ہے اور اُسی نور کا پرتو نور مجسم محمدﷺ ہیں جس سے تمام انوار مجرہ و ماویہ یعنی ملائکہ، چاند، سورج، ستارے، کہکشاں ہوئے ہیں اور یہ وہ نورِ انسانی ہے جس سے خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا گیا۔ اب سورہ نور کی آیات پر غور کریں (۱) اللہ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں اور زمینوں کا (بے شک وہ ہدایت کا سرچشمہ ہے) اللہ تو ہے ہی لامحدود، بیکراں، انسان و ملائکہ یا کوئی اور مخلوق اس کی وسعت اور قدرت کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ اللہ کی قدرت کو سمجھنے کے لئے انسانی عقل و دانش کی بے بضاعتی اظہر المن الشمّس ہے۔ (۲) اس کے نور (ہدایت) کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (۳) اور اس میں ایک چراغ ہے (۴) اور وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (۵) اور وہ قندیل ایک طاق میں رکھا ہے۔

چراغ یعنی نور اور ہدایت حضور رحمت عالمﷺ کی روح اقدس قندیل حضور نور مجسم کی ذات اقدس، اور طاق (کعبۃ اللہ) مکہ مکرمہ یعنی اللہ تعالیٰ نے شان خلیفۃ اللہ فی الارض حضور کی روح محمدﷺ کے نور کے چراغ کو قندیل یعنی نور مجسم محمد صلعم کے جسم اطہر کے اندر ڈال کر طاق یعنی کعبۃ اللہ میں رکھا۔ تاکہ تمام خلائق عالم اللہ کے نور سے فیض یا ہدایت حاصل کرے اور وہ قندیل کیسی ہے! (۶) ''وہ قندیل ایسا شفاف ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو''۔ آج چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی تمام عالم اُس قندیل کی شفاف چمکدار روشنی سے فیضیاب ہورہی ہے (۷) اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے اور وہ زیتون کا درخت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زیتون کے درخت کی قسم کھائی

ہے۔ یہاں پر زیتون کے تیل کو فائدہ مند بتایا ہے کیونکہ زیتون کے درخت اور تیل کی بہت خصوصیات ہیں جو بیش بہا ہیں۔ یعنی حضورﷺ کے شجرِ رحمت کے سائے میں آنے والے آپﷺ کے چراغ ایمان ونور سے اپنے چراغِ ایمان روشن کرنے والے دین ودنیا میں بیش بہا فائدے حاصل کریں گے۔ اس چراغ کی روشنی سے مشرق، مغرب، شمال، جنوب سب طرف ایک جیسا اُجالا پھیلا ہے کوئی آڑ یا کوئی سایہ اور تاریکی اور اندھیرے کا شائبہ بھی نہیں (۸) جو نہ کسی آڑ کے پورب رُخ ہے نہ پچھّم رُخ۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضور صلعم کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ یعنی آپﷺ فطرت بشریہ کی اس کثافت سے پاک وصاف تھے۔ بالکل بے مکدّر شیشے کی طرح (۹) اس قدر شفاف اور سلگنے والا جیسے عدسہ یعنی لینس (Lens) میں سے سورج کی روشنی گذاری جائے تو تیز روشنی خود بخود بغیر جلائے آگ کی تمازت اختیار کر لیتی ہے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ آپﷺ کے سخت ترین مخالف اور معاندین بھی آپﷺ کے سامنے آ کر ایمان کی حرارت سے جل اُٹھتے اور تپے ہوئے کندن بن کر اُبھرتے۔ جیسے حضرت عمرؓ آئے تو تھے آپﷺ کا کام تمام کرنے لیکن اُن کا کفر جل کر ایمان کا کندن بن گیا۔ جیسے خالد صیف اللہؓ، ابوسفیانؓ، عکرمہؓ بن ابوجہل ایک ہی فہرست ہے۔ (۱۰) اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اُٹھے گا اور جب آگ بھی لگ گئی تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

اہل عرب کفر اور ضلالت کی ظلمتوں میں بھٹک رہے تھے۔ آپﷺ کے آس پاس روشنی اور ایمان کی ہلکی سی کرن یا چنگاری بھی نہیں تھی مگر غارِ حرا کی تنہائی اور اندھیری راتوں میں تن تنہا آپﷺ ایمان کی حرارت اور روشنی سے جل اُٹھے اور سارے عالم میں اس کی ایسی روشنی بکھیری، ایسا لگا کہ سارے عالم نورٌ علیٰ نور سے روشنی میں نہا گیا (۱۱) اس کے نور (ہدایت سے) جس کو چاہتا ہے راہ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے نور یعنی آپﷺ کو ہادیﷺ برحق بنایا اور بندگان توحید آپ کے طرف شرک وکفر کے اندھیروں سے نکل کر اُس قندیل کی روشنی کی طرف کشاں کشاں غول کے غول آنے لگے اور مانا کہ اللہ نور السموات والعرض ہے بلکہ نور ''اعلیٰ نور بھی جس میں حاضرات موجودات کا شائبہ نہیں وہ تجسم اور اوصاف خلق سے پاک اور مبرّا ہے اور یہ بھی مانا اللہ اُن عیبوں سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں اور اقرار کیا کہ **لیس کمثلہ شیٔ** یعنی اُس جیسی کوئی شئے نہیں اور **لا الہ الا اللہ** کہکر اس کی ربوبیت کا اقرار کیا اور ملائکہ، کتب انبیاء احکام شریعت کائنات حاضرات موجودات اور خلائق کے

ظہور کے اقرار میں جو نور محمد کا پرتو ہیں محمد الرسول اللہ کہا۔ یہی وہ مرحلہ تھا جس کے لئے اتنا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ تو ہوا سورۃ النور کی آیت ۳۵ کا بیان اب آگے آیات دیکھئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ حضورﷺ کا ادب ولحاظ کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ اور اُس طاق یعنی اللہ کے گھر کعبہ کا احترام بھی بتایا۔ وہ ایسے گھر میں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے اور اُن میں لوگ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

یہ اُس گھر کے ادب کرنے کی بات ہے جہاں پر طاق یعنی کعبہ ہے جس میں وہ قندیل ہے جس میں اللہ کے نور (مجسم) کا چراغ کی روشنی پھیل رہی ہے، جہاں پر دن رات اللہ کی پاکی بیان کی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کی کمال نبوت اور مقام ولایت کا بھی ذکر فرمایا ہے جیسے حضور صلعم نے فرمایا ''میری ولایت میری نبوت سے افضل ہے''

ایسے لوگ صبح وشام (آٹھوں پہر) اللہ کی پاکی (ذکر) بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے زکواۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے نہ فروخت، وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جن میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں لٹ جائیں گی، انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل وکرم سے اور زیادہ دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پہلے تو اپنی قدرت بزرگی بیان فرماتے ہیں پھر حضورﷺ کا مقام ومرتبہ دکھاتے ہیں۔ اللہ کے گھر کی طہارت اور اس کا ادب سکھاتے ہیں اس کے بعد رسول اکرمﷺ کے متبوع کی تعریف بیان کی ہے۔ وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جن میں سے بہت سے دل اور آنکھیں لٹ جائیں گی۔ یہاں پر خدائے عزوجل کا انداز بیان ملاحظہ کیجئے۔ ''انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور اُن کو اپنے فضل وکرم سے اور زیادہ دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار دیتا ہے'' یہاں پر ہمیں یہ روایت دیکھنی چاہیئے جو اللہ کے کلام سے میل کھاتی ہے۔ جنتیوں میں اعلان کیا جائے گا کہ وہ ایک باغ میں جمع ہو جائیں اور سب سے بڑا اور بہترین انعام دیا جائے گا۔ لہذا سبھی جنتی جمع ہو جائیں گے اور اللہ انہیں اپنی زیارت نصیب فرمائے گا۔ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا سب سے بڑا انعام دیدار الٰہی ہے یہ جنتیوں کی طلب ہے۔ یہ انعام اُن لوگوں کو دیا جائے گا جو ایسے دن سے ڈرتے

ہیں جن میں بہت سی آنکھیں لٹ جائیں گی۔

گروہ پاک تو دنیا میں ہی یہ مان کر چلا ہے کہ ذات باریٔ تعالیٰ غیر مقید ہے۔ اُنہیں زمان ومکان کی قید نہیں وہ دنیا میں ہی جنت کی نہیں جنتیوں کی طلب فرماتے ہیں اور یہی پر اپنی آنکھیں لٹادی تاکہ آخرت میں وہاں پر لٹنے نا پڑے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے بھی سنت خداوندی کو جاری کرتے ہوئے اُن لٹ جانے والوں کا حال بیان کیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''میں ایک ایسی قوم کو جانتا ہوں جو منزل ہی ہے، اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیونکر ممکن ہے جب کہ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ انبیاء تو نہیں ہیں لیکن اللہ سے اُن کا قرب اور مقام کی وجہ سے انبیاء اُن سے رشک کریں گے اور وہ سب اللہ سے محبت رکھنے والے ہوں گے۔

اس کے آگے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا ''انکار کرنے والوں'' کا حال بتایا ہے۔ اُن کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاس آیا بھی تو کچھ نہیں پایا اور قضاء الٰہی کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس کا حساب ''اُس کو برابر سرابر چکا دیا'' اور اللہ دم بھر میں حساب کر دیتا ہے۔

جو لوگ نور السمٰوٰت الارض اور حضور ﷺ کے مقام ومرتبہ سمجھ نہیں پاتے محدود ولامحدود میں تمیز نہیں کرتے مقید اور غیر مقید کو غلط ملط کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہیں پہچانتے جس طرح پہچانے جانے کا حق ہے تو اللہ انہیں چٹیل میدان میں پیاسے قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کچھ نہیں پائیں گے۔ معلوم ہوا کہ قضائے الٰہی کچھ اور ہے اس لئے ان کا حساب جو کچھ وہاں دنیا میں جو چاہتے تھے وہ ملے گا۔ جنت اور جہنم کے چکر میں پڑے رہے اصل مقصد بھول گئے کہ اللہ کو پہچاننا جیسے اُسے پہچاننے کا حق ہے اور اسکے پانے کے لئے خود کو لٹا دینا۔ اس لئے تم کو جو چاہا دے دیا جائے گا۔ اب آگے اور ''زیادہ'' تم کو نہیں دیا جائے گا ''جو بے شمار ہے'' یہ جو تم کو دیا جائے گا وہ کچھ بھی نہیں۔ اب آگے اس بے شمار کو پانے کے لئے کیا کرنا ہوگا! اس کے لئے بڑے گہرے اندھیرے سمندر سے گذرنا ہوگا۔ کیا ہے یہ گہرا اندھیرا سمندر! انا، خودی، طلب متاع قلیل یعنی دنیا کی محبت عیش وعشرت، حتیٰ کہ جنت اور حوریں مانگی جارہی ہیں کہ وہاں بھی عیش وعشرت رہے یہ بھی ایک قسم کی خود طلبی ہے جسے دنیا کی محبت ویسے جنت کی محبت اور اللہ کی محبت ندارد'' یا وہ ایسے ہیں کہ جسے بڑے گہرے سمندر میں اندرونی اندھیرے کہ اس کو ایک بڑی لہر نے

ڈھانک لیا ہو......اس لہر کہ اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل (غرض) اوپر تک بہت اندھیرا''

دنیا اور محبت دنیا سمندر کے گہرے اندھیرے کی طرح ہیں اس کے علاوہ حرص طمع، انا، خودی، یہ سب بڑی لہر ہیں جو انسان کے خیالات اور اس کی شخصیت پر بادلوں کی طرح چھا جاتی ہیں۔ جیسے بادلوں کے اندر سے کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ انسان کو ان لہروں کو چاک کر کے ان اندھیروں سے تیر کر نکلنا ہوگا۔ تبھی اللہ کو پایا جاسکتا ہے۔ اس اندھیرے سمندر سے تیر نکلنے کے لئے کیا کرنا ہے؟ ''اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ کی پا کی بیان کرتے ہیں سب کچھ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں مخلوقات ہیں اور (بالخصوص) پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں (اُڑتے پھرتے ہیں) اور سب کو اپنی دعا اور تسبیح معلوم ہے'' چرند پرند جانور حجر شجر ہوا پانی یعنی ہر مخلوق اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں سوائے انسانوں کے اور جنوں کے یہ دو ہی ایسے ہیں جو اللہ یعنی اپنے خالق کو بھول جاتے ہیں۔ فرشتے بھی ساری کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اُن کے ذمہ کئی اُمور ہیں پھر بھی وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کو نہیں بھولتے۔ انسان ناشکرا اور جھگڑالو ہے وہ فرشتوں والے اعمال کو چھوڑ کر شیطان کا رفیق بن جاتا ہے اسی لئے اس کی پرواز میں کوتاہی آجاتی ہے، وہ اندھیرے سمندر کی لہر کو چیر کر بادلوں کا سینہ چیر کر نفس کے قابو سے باہر نہیں آسکتا اور نفس کے اندھیرے سمندر میں ڈھکا ہوا پڑا رہتا ہے اور اللہ کے نور کو نہیں پاتا۔

اور اللہ کو پالینا اتنا آسان بھی نہیں جبکہ تم اللہ کو نہیں پہچانتے، رسول ﷺ کو نہیں پہچانتے تو کیا ادب واحترام کرو گے۔ اس لئے اللہ نے رسول ﷺ کے ادب کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ ''تم لوگ رسول (صلعم) کے بلاوے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم ایک دوسرے کو بلا لیتے ہو''

حضور صلعم کو اس طرح پہچانو جس طرح پہچانے جانے کا حق ہے۔ انہیں اپنے برابر مت سمجھو ورنہ ''انا و من اتبعنی'' کے مقام پر دھوکہ کھاؤ گے اور حضور ﷺ کو اپنے برابر سمجھو گے (نعوذ باللہ) رسول ﷺ کا مقام بڑے بلند مرتبے کا ہے تم نہیں سمجھ پاؤ گے اور وہ مقام اللہ نے انہیں (ﷺ) دیا ہے اور رسول ﷺ نے جسے یہ مقام دیا ہے یہ اُن کا حق ہے۔ نہ کہ ہرا یرے غیرے کا۔ غور کیجئے کرتے رہیئے ایک لمحہ کا غور و فکر ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

خاتم ولایت محمدیہ ﷺ

ختمی مرتبت رسالت مآب ﷺ سے پہلے کے نبیوں، رسولوں کے زمانوں میں جو تذکرے ملتے ہیں ان میں اللہ کے دوستوں اور ولیوں کے تذکرے بہت کم ملتے ہیں جبکہ حضور صلعم کی اُمت میں اللہ کے دوستوں اور ولیوں کی لمبی فہرست ہے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے خود اپنے صحابہؓ میں سے کئی کو اللہ کے مقرب اور محبوب ہونے کی گواہی دی ہے۔ حضرت عمرؓ کے لئے کہا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اگر کوئی ہوتے تو عمرؓ ہوتے۔ حضرت اویس قرنیؓ سے اپنی اُمت کی مغفرت کی دعا کروانے حضرت علیؑ اور عمرؓ کو ملنے کہا تھا اور حضرت بلالؓ سے پوچھا تھا کہ ایسا کونسا عمل ہے جو تم کرتے ہیں جس کی وجہ سے تمہارے نعلین کی آواز میں نے معراج میں سنی تھی وغیرہ وغیرہ مگر ایسی باتیں آپ ﷺ سے اگلے زمانے کے تذکروں اور نوشتوں میں نہیں ملتی اگر ملتی بھی ہے تو گنتی کے چند نفوس ہیں جبکہ حضور صلعم کے تذکرے اور توصیف تمام آسمانی صحائف میں ملتے ہیں۔

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ولایت اُمت محمدیہ صلعم کا خاص وصف ہے اسی لئے حضور صلعم نے اس کا ذکر فرمایا کہ ''میری ولایت میری نبوت سے افضل ہے'' یہ ولایت محمدیہ ﷺ کی طرف اہم اشارہ ہے۔ آپ ﷺ ہی کے زمانے میں ہی اللہ کے محبوب بندوں کی ایک کثیر تعداد ہوگئی تھی۔ بعد میں تابعین، تبع تابعین ان کے بعد اولائے کبّار کی ایک کثیر جماعت ہے جنہوں نے ولایت کے منصب اور مقام کو بام عروج پر پہنچایا۔ اللہ سے اپنی محبت اور بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے بڑی قربانیاں دیں مشقتیں اٹھائیں اور بندگان خدا کو اللہ تعالی کی عظمت اور کبریائی سے روشناس کروایا۔ اور جس طرح نبوت کا دروازہ بند ہوا اسی طرح ایک خاص مدت کے بعد ولایت محمدیہ ﷺ کے خاتم کے آنے اور ختم ولایت اور اس کے منصب کو واضح انداز میں بیان فرمایا۔ تمام پیغمبروں کے زمانے گذرنے کے بعد خاتم الانبیاء کی اُمت میں آپ ﷺ کی ولایت کو جاری کرنا اور عام کرنے میں مشیت خداوندی پوشیدہ تھی کہ اب وقت آ گیا کہ حضرت رب العزت کی پہچان کروائی جائے جیسے اس کے پہچانے جانے کا حق حدیث قدسی میں ہے کہ ''میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں''

تو کیا اس سے پہلے خدا کو نہیں پہچانا گیا؟ پہچانا بھی گیا، دیدار بھی کیا گیا مگر عام کرنے کا حکم نہیں تھا۔ وہ اس لئے کہ اس میں بڑی ذمہ داریاں اور مشقتیں اور شرائط کی پابندی ہے۔ اس بات کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ صرف اسم اعظم کو بتانے کے لئے بزرگان دین نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ یہ تو مسئلہ دیدار ہے یعنی حجابات بشری کے پردوں کو چاک کرنے کی بات ہے تمام خلائق جس کی متحمل نہ ہو اس مقام و مرتبہ کی بات ہے اس میں احتیاط ہی نہیں مشقتیں بڑی ہیں۔

ولایت محمدیہ ﷺ اُمت رسول ﷺ کا خاصہ کیوں؟ وہ اس لئے کہ اس عمل اور طریقے میں کٹھن راہیں اور ریاضتیں اور اعمال پوشیدہ ہیں جس سے کہ انسان چل کر فرشتوں جیسے اخلاق کا حاصل ہوسکتا ہے۔ فرشتے جو معصوم ہیں نافرمانی سے سفلی خصلتوں سے "اللہ کی فرمابرداری اور ذکر میں مشغول ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی سرتابی نہیں کرتے۔ نبوت کا دروازہ تو بند ہوگیا۔ انسان کی روحانی ترقی کی سبیل تو ہونی چاہیئے تھی جو اُسے مقام بشریت سے مقام عبدیت و بندگی کی معراج کی راہ دکھائے اس کے لئے ولایت محمدیہ ﷺ ہی مشعل راہ ہوسکتی تھی۔ اگلے زمانوں میں وقفہ وقفہ سے نبی و رسول ﷺ آتے رہے، بندگان خدا کی اصلاح ہوتی رہی، وقت زماں و مکاں کے لحاظ سے شریعتیں طے ہوتی رہیں۔ مگر ختم نبوت ﷺ کے بعد شریعت مطہرہ محمدیہ ﷺ کو جاری رہنا تھا۔ احکام خداوندی و اعمال شریعہ جیسے فرائض کی حفاظت کرنی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنی منشاء کے مطابق ولایت محمدیہ ﷺ کو جاری رکھا جس طرح نبوت کے سلسلوں کو حضرت رسالتمآب صلعم پر کامل کر دیا اسی طرح ولایت محمدیہ ﷺ کو خاتم ولایت پر ختم کیا۔ ختم نبوت کی طرح ختم ولایت کا طریقہ اور تعلیم ہی اصل دین اسلام ہے۔ باقی دیگر تسکین قلب اور خودنمائی ہے تکمیل دین نہیں۔

سنئے معرفت الٰہی یا دیدار الٰہی کے معاملات میں حضرت امام غزالیؒ کیا فرماتے ہیں۔ آدمی فرشتوں کے اخلاق حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ صفات کے لئے نہیں "وہ چار پایوں اور درندوں سے اشرف و کامل تر ہے اور وہی اس کا (آدمی) کا کمال ہے" صرف کھانے پینے، شادی بیاہ و دنیاداری کے لئے نہیں۔ شادی بیاہ کھانا سب کچھ آدمیت کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے ہے۔ اصل مقصد اور منزل دنیا میں بقید حیات جسمانی اس کی روحانی ترقی ہی ہے۔ بشریت کے جامے کے اندر جو روح ہے اس کی ترقی اور دنیاوی و بشری آلائش و کثافت سے پاک روحانیت اس کی منزل ہے جیسے کہ امامؒ فرماتے

ہیں ''آدمی کی حقیقت وہی ہے جس سے اس کا کمال ہے'' اس کی دوسری صنعتیں عارضی اور عاریۃً ہیں اور آدمیت کے کمال کے لئے پیدا کی گئی ہیں (کیمیائے سعادت)

خدا کے دوستوں اور محبوب بندوں کو جو علم حضور صلعم کی ولایت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ علم لدنی ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں ''نبوت کی راہ انبیاء واولیاء کے علم کی نسبت جو آدمیوں کے سکھائے بغیر رب العزت کی درگاہ سے حاصل ہوتا ہے'' نبوت وولایت کے متعلق فرماتے ہیں ''یہ راہ (نبوت کی) جس شخص پر کھلتی ہے اُسے لوگوں کی صلاحیت کی ساری باتیں بتائی ہیں اور وہ ان باتوں کی ہدایت کرتا ہے تو اس بتائے ہوئے طریقے کا نام شریعت ہے اور خود اس شخص کو پیغمبر اور اس کے خرق عادات کو معجزات کہتے ہیں اگر وہ شخص مخلوق کو ہدایت دینے میں مصروف نہ ہو تو اسے ولی کہتے ہیں اور اس کے حالات کو کرامات اور یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کا یہ حال لازماً خلق کو دعوت بھی دے اور ہدایت میں بھی مشغول ہو''

اور جو شخصیت اپنے نبی ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہوئے اُن کی شریعت پر بے خطا عمل کرتے ہوئے ولایت محمد ﷺ کی تکمیل پر معمور کی گئی ہو وہ ذات خلیفۃ اللہ معمور من اللہ کی ہے۔ آپؑ کی خرق عادت تعلیم احسان کے ذریعہ دیدار الٰہی ہے۔

آگے چل کر معرفت کے باب میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سب چیزوں سے اشرف وافضل ہے اس لئے کہ سب چیزوں کو اُسی کے سبب سے شرف وعزت ہے، وہی تمام عالم کا بادشاہ ہے، تمام عالم کے عجائبات اسی کی صفات کی نشانیاں ہیں تو کوئی معرفت بھی اس کی معرفت سے زیادہ عمدہ اور مزیدار نہیں اور ''حضرت ربوبیت کے دیدار سے بہتر کوئی دیدار نہیں'' اور دل کی طبیعت اس دیدار کو چاہتی ہے اس لئے کہ ہر چیز کی طبیعت اسی خاصیت کو چاہتی ہے جس کے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے خلائق کو پیدا کیا ہے تو اُس خالق کو دیکھنے کی تمنا انسان کی خصوصیت ہے) اگر کوئی حل ایسا ہو جس سے اس کی معرفت کی خواہش زائل ہو چکی ہو تو وہ دل بیمار کی مانند ہے...... آدمی کی معرفت کا ذریعہ خدا کی معرفت بندگی اور عبادت ہے اور یہ بات کہ آدمی کی سعادت خدا کی معرفت میں ہے''

''آدمی ایسا قابل ہے کہ ایسا کمال حاصل کرے اور ملکوت کی صورت کو اپنا ایسا نقش دل بنائے کہ درگاہِ الٰہی کے قابل ہو جائے یعنی وہ باریاب ہو اور رب تعالیٰ کے نظارے میں مشغول ہو (دیدار) اور

یہی امر اس کی بہشت اور اس کی سعادت کا منتہا ہے اور خالق نے اُسے اسی لئے پیدا کیا ہے اور جب تک اس کی آنکھ نہ کھلے گی اور اس لازوال جمال کو پہچان نہ لے گا دیدار کیا کر سکے گا اور یہ پہچان معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور خدا کی صنعتوں کی پہچان حضرت الٰہی کے جمال کے معرفت کی کنجی ہے اور آدمی کے حواس ان صنعتوں کی کنجی ہے۔فرماتےؒ ہیں ''جو کام ذی شان ہوتا ہے اس کی شرطیں بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں'' ان شرطوں کو پورا کرنے کے لئے'' باہر والے علم سے جب تک دل خالی نہ ہو جائے تب تک وہ علم جو دل کے اندر ہے نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ ہوگا'' کیونکہ ظاہری علم خودنمائی خودستائی غرور اور تکبّر کے اسباب پیدا کرتا ہے۔معرفت کی منزل پانے کے لئے خلیفۃ اللہ تابع تام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور اعمال پر اخلاص سے چلنا ہوگا جیسے ذکر دوام، عزلت از الخلق، ترک دنیا، طلب دیدار الٰہی۔انہیں ذی شان کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ولایت کے خاتم کو پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا'' کہدو (اے محمد ﷺ) یہ میرا راستہ ہے جس کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کی اساس پر (دیدار کی بنیاد پر) میں اور میرا تابع (سورہ یوسف ۱۰۸)

اُس بصیرت کی بنیاد اس کے فائدے اور نقصان کو دیکھئے سورۃ انعام کی آیات ۱۰۳ تا ۱۰۵ میں

''اس کو تو کوئی نگاہ محیط نہیں کر سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین اور باخبر ہے اور بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں''

واضح الفاظ میں کہا جا رہا ہے ''حق بینی'' ''حق کا دیدار'' ''حق کو جو دیکھ سکے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا'' ''جو دیکھنے کی کوشش نہ کرے گا یا تمنا نہ کرے گا وہ اندھا ہے اور وہ نقصان میں رہے گا'' میں تمہارا نگران نہیں ہوں یعنی دعوت طلب دیدار حق دینا داعی کا کام ہے دیکھنے نہ دیکھنے کی ذمہ داری بندگان خدا پر ہے۔

اب بات رہ جاتی ہے اُن لوگوں کی جو سرے سے اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔ جب حقیقت سے انکار ہے تو اس کے داعی کا اقرار کیسے کریں گے۔حالانکہ ظاہری عبادت اور اپنی علمی قابلیت کے سہارے خود کو اللہ والے یا اللہ کے دوست یا اللہ کا کام کرنے والے بتاتے نہیں تھکتے۔اُن کے مطابق اولیاء و کاملین اللہ کے دوست نہیں تھے وہ بدعات اور خانقاہیت تھی۔خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور خود کو اللہ کا مقرب بھی مانتے ہیں۔ ابلیس کو کہاں یہ گمان تھا کہ وہ اللہ کی مخلوق نہیں ہے۔ اُسے تو بس اس کا علم، عبادت اور اُس کا آتشی غرور تھا جو اُسے راندہ درگاہ الٰہی کر دیا۔ اسے احساس تھا کہ مخلوق ہے تبھی تو آدم کے دل یعنی نفس میں جگہ مانگی تھی۔ اللہ رب العزت سے کیا قرآن مجید کو اپنی سمجھ سے پڑھ لیتے اور اپنی مرضی سے شرعی اعمال کے تقاضوں کو پورا کر لینے سے خدا کی قربت اور محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ ایسا غیر ایمان والے بھی قرآن کی عظمت اور حضور صلعم تقدس کا اقرار کرتے ہیں تو کیا وہ خدا مقرب اور محبوب مانے جائیں گے۔ اگر ایسا ہو سکتا تو پھر شرعی ریاضتوں اور مشقتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے پہلے حق دار حضرت رسالتمآب صلعم ہوتے جب کہ آپ ﷺ نے تقویٰ پرہیزگاری عبادت و ریاضت کی مشقت کیوں برداشت کرتے۔ صدقے کا ایک خرمہ تے کر کے نکال پھینکا، رات رات بھر کھڑے عبادت میں مصروف رہے جبکہ آپ ﷺ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔ تمام مال غنیمت تقسیم کر کے فاقوں کی مشقت کیوں گوارہ کی۔ غار حِرا کی اندھیری تنہا راتوں میں حق کو کیوں تلاش کیا۔ وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر ہجرت کیوں کی۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ آپ ﷺ نے اللہ کی خوشنودی میں گوارہ کیا۔ یہی ولایت محمدیہ ﷺ کے اعمال ہیں جسے بعد کے بزرگانِ دین نے اختیار کیا۔ اگر رسول ﷺ چاہتے تو جو کچھ قرآن میں فرائض بتائے گئے عمل کر لیتے شرعی احکام کی پابندی کر لیتے مگر نہیں۔ آپ ﷺ نے اس کے علاوہ ریاضتیں اور مشقتیں اُٹھائیں، اُس انعام کو پانے کے لئے جس کا وعدہ سورۂ نور میں کیا گیا ہے ''اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ'' اور اپنے فضل و کرم سے اور ''زیادہ''

حضور صلعم نے خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کی شان یہ بیان فرمائی ہے کہ ''میرے نقش قدم پر چلے گا، کبھی خطا نہیں کرے گا''، یعنی معصوم عن الخطاء ہونا اور آپ ﷺ کی شریعت پر بے خطا چلنا

بہر کیف ولایت محمدیہ ﷺ اُمت محمدیہ ﷺ کا خاص وصف ہے اور خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کا ظہور منشائے قدرت ہے۔ خاتم ولایتؑ کے تعلیمات اور اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پہچانا جا سکتا ہے جیسے اُسے پہچاننے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور بینائی کی تعلیم کے لئے اللہ کے رسول ﷺ اور تابع تام خلیفۃ اللہ خاتم ولایت محمدیہ ﷺ معمور من اللہ تھے۔ OOO

☆☆☆

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

نفاق۔مرض انسانیت

قرآن کریم ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور انسانوں کی ماڈی وروحانی ترقی کا ذریعہ بھی۔اس حقیقت سے وہی انکار کرسکتا ہے جسے اللہ کا خوف نہ ہو اور جس کسی کو تلاش حق ہو وہ قرآن کریم میں تدّبر و تفکر سے غور کرے۔لیکن اس سے کما حقہ فیض حاصل کرنے کے لئے،اس کے مطالعہ اور غور وفکر کی گائیڈ لائنس ہیں۔انہیں گائیڈ لائین یا احکام بندگی کے چارٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو مطالعہ کرنا ہوگا ورنہ ایمان کے ڈگمگانے کا خطرہ ہمیشہ برقرار رہے گا۔اور یہ گائیڈ لائین انسان کی تین خصلتوں اور اس کی ذہنی کیفیتوں کی غماز ہیں اور وہ تین چیزوں پر مشتمل ہیں ایمان،کفر اور نفاق۔سورہ بقرہ کی ابتدا ہی میں یہ باور کرادیا گیا ہے کہ یہ کتاب تمام شکوک وشبہات سے پاک وصاف ہے۔اور انہیں لوگوں کو راہ بتلاتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں یعنی یہ من مانی کرنے والوں اور سرکشوں کو راہ نہیں بتلاتی۔

گائیڈ لائن نمبر ایک جو آیات 3 تا 5 ہیں وہ ہمیں بتلاتی ہیں ایمان اور ایمان والے کیسے ہوتے ہیں۔''وہ ہیں خدا سے ڈرنے والے لوگ۔ایسے ہیں کہ یقین (ایمان) لاتے ہیں غیب یعنی چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر جو آپ ﷺ پر اُتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ ﷺ سے پہلے اُتاری جاچکی ہیں۔آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں،پس یہ لوگ ہدایت پر ہیں جو اُن کو پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں۔

یہاں سب سے پہلے یہ بات بتائی گئی ہے کہ ''ایمان لانا غیب پر'' اس کے بعد نماز،زکواۃ اور آخرت پر ایمان لانا ہے۔یعنی فرائض سے پہلے غیب پر ایمان لانا،اخبار سابقہ واخبار مابعد پر اور جب تک آپ کا غیب پر ایمان نہیں ہوگا نماز،روزہ،زکواۃ،حج وغیرہ سبھی بے کار ہیں۔ان کی ادائیگی سے آپ کو کوئی فائدہ ہونے والا نہیں۔محض فرائض ادا کرکے آپ ہدایت نہیں پاسکتے۔جو اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے جو تمام دین و دنیا کی پوری کامیابی ہے۔

گائیڈ لائن نمبر 2 آیات 6 اور 7۔بیان کفر کا اور کافروں کا۔''بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے اُن کے حق میں خواہ آپ ﷺ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔بند لگا دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں پر ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے سزا بڑی ہے''

یعنی اللہ نے کافروں کے دلوں پر بند لگا دیا ہے اور ان کی آنکھوں پر بے یقینی کا پردہ پڑا ہوا ہے وہ

اطاعت کرنے والے نہیں ان کے لئے بڑی سزا ہے۔

اب دیکھیئے گائیڈ لائن نمبر 3 نفاق جو 8 تا 20 آیات تک بیان ہوئی ہیں اور یہ بڑی اہم ہے۔ کیونکہ جہاں اللہ تعالیٰ نے ایمان وکفر کے بیان میں دو دو آیات بیان کی ہیں وہیں نفاق کے بیان میں تیرہ آیات۔ آخر نفاق اور منافقین کی نشاندہی کے لئے اتنی وضاحت اور تفصیل کیوں۔ دیکھیئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔ ''اور ان لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں۔ اور واقع میں کسی سے چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اُن کے دلوں میں ''بڑا مرض'' ہے سو اور بھی بڑھا دیا اللہ نے ان کے مرض کو اور ان کو ''سزائے دردناک ہے'' اور وہ اس وجہ سے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین پر تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں۔ یاد رکھو بیشک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ اور جب ملتے ہیں وہ منافقین اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزاد کیا کرتے ہیں، اللہ ہی ان سے استہزاد کر رہے ہیں ان کے ساتھ ڈھیل دئے جا رہے ہیں اور وہ اپنی سرکشی میں حیراں و سرگرداں ہیں''

اللہ تعالیٰ منافقوں کو چالباز، جھوٹے، دینی مریض؛ خود کو اصلاح کرنے والے بتانے والے مفسد، سرکش اور دین کو مذاق بنانے والے بتایا ہے اور ان کے اس مرض کو ''بڑا مرض'' قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اُن کو دردناک سزا ہوگی اور بڑھا دیا ان کے مرض کو اور انکی اس بیماری کو متعدی (Epidemic) یعنی چھوت کی بیماری بتایا ہے جو خوب تیزی سے پھیلتی ہے اور اس کا علاج بڑا مشکل ہے۔

اور کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ان کے مطابق رسول ﷺ سے فرمایا کہ ''اے رسول ﷺ چاہے تم ان (منافقین) کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو ہم ان کو بخشنے والے نہیں اور دوزخ کی نچلی سطح پر ہونگے اور فرمایا ''اے! رسول ﷺ تم ان کی نماز جنازہ مت پڑھایا کرو اور نہ ان کی قبر پر کھڑے رہو۔

منافق ایک بے نکیل جانور کی طرح ہوتا ہے جو بھگدڑ مچا دیتا ہے۔ تاریخ اسلام میں منافقوں کا پہلا سردار عبداللہ بن ابی سلول تھا۔ اس کو کافی شہرت ملی کیونکہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے اہل یثرب اُسے اپنا حاکم بنانا چاہتے تھے صرف رسمی تاج پوشی باقی تھی۔ اس دوران رسالت مآب صلعم کے تشریف لانے سے یثرب مدینۃ الرسول ﷺ بن کر ایمان کی روشنی سے منور ہوگیا۔ اور جہالت اور کفر کی تمام زنجیریں اتار پھینکی اور طوق غلامی کو اپنی گردنوں سے اُتار دیا۔ بس پھر کیا تھا ناکامی، حسد، غصے کی آگ سے کفار مشرک یہود و نصاریٰ بھڑک اُٹھے۔ ان کے خاندانی و موروثی غرور کے دئے ٹمٹمانے لگے۔ فی الفور موقع پرستوں کی یہ جماعت ایمان والوں

کے گروہ میں شامل ہوگئی اور در پردہ بغض وعناد چھپائے شکوک وشبہات کے ذریعہ منافقی کا زہر پھیلاتی رہی۔

ابی سلول اپنی موت آپ مارا گیا کیونکہ وہ مشرک تھا منظّم اور مضبوط نہیں تھا۔لیکن یہود ونصاریٰ اور ان کے کارپرداز عبداللہ بن صباء جیسے لوگ کامیاب ہوگئے کیونکہ ان کے پیچھے ان کے صدیوں پرانے نسبی و خاندانی غرور کا ورثہ تھا۔جنہیں صدیوں سے انبیا ومرسلین سے مقابلہ آرائی میں انہیں یدیٰ طولیٰ حاصل تھا ان کے پیچھے کمال کی سوچی سمجھی ذہنیت کارفرما تھی۔اس لئے اہل ایمان کو ان صبائی وخوراجی منافقوں سے زحمتیں اُٹھانی پڑیں۔شہادت عثمانؓ وعلیؓ اور جنگ جمل انہیں کی سازشوں کا شاخسانہ تھی اور اس کے بعد یزید کی خلافت کی تاج پوشی نے رہی سہی کسر پوری کردی۔

صبائیوں کو قرآن کریم میں یاوا گوئی کا کوئی موقع نہ ملا کیونکہ وہ محفوظ ومربوط ہوچکا تھا۔البتہ شرعی امور جوامت کے دینی ودنیاوی معاملات کی رہنمائی کے لئے تھے ان میں انہیں دراندازی کا موقع مل گیا یہاں پرانہوں نے اپنی شیطانی کارستانیاں آزمائیں۔حالانکہ ابتداء ہی میں اللہ تعالیٰ نے نفاق کے تمام پہلوؤں کو قرآن میں اُجاگر کردیا تھا۔چونکہ وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔مخصوص صحابہؓ روحانی وایمانی اعتبار سے مضبوط تھے لیکن عوام کی کثیر تعداد جو علمی باریکیوں اور عالمانہ موشگافیوں سے نابلد اور قطعی نہ آشنا تھی وہ یہود ونصاریٰ کے عالموں کی سازش کا شکار ہوگئے (جیسے آج ہورہا ہے) ان کے پیدا کردہ بگاڑ کو آئمہ اسلام اور علمائے حق پرست کو ٹھیک کرنے میں عرصہ لگ گیا مفسرین نے قرآن کی وضاحت کا بیڑا اٹھایا۔محدثین نے احادیث کو جمع کرکے ان کی صحت اور تدوین کے اصول بنائے۔ان کے بعد اولیائے کاملین اور خاصان خدا نے اللہ کی محبت میں اپنی عبادتوں ریاضتوں اور منازل سلوک وتسلیم ورضا کی مشقتوں کے مرحلوں سے گذر کر امت رسول ﷺ کی روحانی بلندی ومعرفت الٰہی کی راہیں سجائیں۔اس کے لئے انہوں نے علم غیب کی جستجو کی اور اسے اپنی اور دوسروں کی سعادت اوخروی کا ذریعہ بنایا۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ قرآن کریم کے معنی اس لئے نہیں سمجھ پاتے کہ شیطان نے ان کے دلوں پر غفلت کے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں۔ان پردوں کی وجہ سے ان کو قرآنی عجائبات اور اسرار نظر نہیں آتے اور فرماتے ہیں قرآن کریم کے معنی نور بصیرت سے ہی سمجھ میں آتے ہیں (احیاالعلوم) اس نور بصیرت کو جاننے کے لئے علم غیب کا جاننا ضروری ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ سے پہلے اس کو ضروری قرار دیا ہے۔اس کو حاصل کرنے کے لئے رسول اکرم ﷺ اُن کی آل واصحابؓ کو نمونہ بنانا ضروری ہے۔ ہزاروں واقعات تاریخ اسلام میں ان نمونوں کی زینت سے بھرے پڑے ہیں۔

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں مجھے رسول ﷺ کی قربت کا شرف حاصل تھا۔ ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا۔ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا چلو فاطمہؓ کی عیادت کر آئیں۔ جب ہم فاطمہؓ

کے دروازے پر پہنچے تو حضورﷺ نے دستک دی اور فرمایا السلام علیکم! کیا میں اندر آسکتا ہوں۔ فاطمہؓ نے فرمایا ،تشریف لائیے۔ حضورﷺ نے فرمایا میرے ساتھ ایک شخص اور بھی ہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا! بابا جان میرے بدن پر کپڑا نہیں ہے۔ صرف ایک پرانی کملی ہے۔ آپﷺ نے فرمایا اس کملی سے بدن ڈھانپ لو فاطمہؓ بولیں۔ میں نے کملی سے بدن ڈھانپ رکھا ہے مگر میرا سر ننگا ہے۔ تب آپﷺ نے ایک پرانی لنگی حضرتہ فاطمہؓ کو دی اس کے بعد گھر میں تشریف لے آئے۔ اور فرمایاﷺ اے عزیز بیٹی تمہارا کیا حال ہے؟ فاطمہؓ نے جواب دیا کہ میں بہت بیمار ہوں اور دردمند بھی۔ میری بیماری کی شدت کی وجہ ہے بیماری کے باوجود بھوکی بھی ہوں ، کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ مجھ میں بھوک کی برداشت نہیں۔ یہ سن کر حضورﷺ بے اختیار اشکبار ہوگئے اور فرمایا! اۓ فاطمہؓ بے صبری مت کرو خدا کی قسم تین دن سے مجھے بھی کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ میرا مرتبہ خداوند تعالیٰ کے حضور تم سے بڑا ہے۔ اگر میں آسودگی اور فراغت چاہتا ہوں تو حق تعالیٰ مجھے عطا فرماتا لیکن میں نے اپنے لئے آخرت کو پسند کیا ہے......

حالانکہ فتوحات اسلام سے مسجد نبوی میں مال وغنیمت کے انبار پڑے تھے۔ حضورﷺ اُسے لوگوں میں تقسیم فرمادیتے ، اپنے لئے ایک درہم بھی بچا کر نہ رکھتے۔ حضورﷺ کی اور اُن کے آل واصحابؓ کی یہی روش نے اولیائے کاملین کو مشعل راہ کا کام دیا۔ انہوں نے متاع دنیا پر آخرت کو ترجیح دی

اسلامی فتوحات سے نئے ایمان لانے والوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ وہ اپنے ساتھ یونانی دیو مالائی خیالات ، مجوسی احساسات ، اہل ہنود کے رسم ورواج ، تاتاری ارواح پرستی اور افریقی جادوٹونے ، جھاڑ پھونک لے آئے۔ مگر محدثین ، مفسرین ، آئمہ واولیاء نے اپنے اپنے طور پر ان خرافات کا قلع قمع کیا۔ علماء نے اپنے خون کو سیاہی بنا کر اور اولیاء نے خدا کی راہ میں خود کو فناء کر کے ان کا صدباب کیا اور ایمان کی مشعل کو جلائے رکھنے کے لئے اپنی زندگیاں فنا کر ڈالیں۔ کیا ان کی قربانیاں بے کار تھیں جو صرف ایک کتاب توحید کے بل بوتے پر ایمان کا ڈنکا بجایا جارہا ہے۔ ایسی منافقین کہیں خلق قران ، کہیں دین الٰہی اور کہیں نبیوں کے کام میں ہر زمانے میں دیکھی گئی ہیں۔ یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیاں بھی برابر کام کرتی جارہی ہیں۔ بدعمل صوفیوں اور دینی درسگاہوں کے بے بنیاد فتوے، قبر پرستی کی بدعتیں آئے دن برابر کام کرتی جارہی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اصلاح کرنے کے نام پر کیا جارہا ہے۔

جب ہم ان تمام حالات کا جائزہ قرآن کریم کی ابتدائی تنبیہ اور احکامات کے سیاق وسباق میں خود کو اور ہمارے اسلاف کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ایمان ویقین کی اُسی راہ عمل کو اختیار کیا تھا جو حضورﷺ آپ کی آل واصحابؓ کی راہ تھی۔ اس راہ میں انہیں مہدی موعود خلیفتہ اللہ معمور من اللہ تابع تام رسول اللہ معصوم عن الخطا کی رہبری ورہنمائی حاصل تھی۔ انہوں نے دین وایمان کو انہی مضبوط

بنیادوں پر استوار اور قائم رکھا جو قرآن وسنت رسول ﷺ وتعلیمات مہدی کا بتایا ہوا تھا۔ اس راہ میں انہیں بڑی کٹھن اور دشوار گذار مرحلوں سے گذرنا پڑا۔ وہ تھے توکل، صبر و رضائے الٰہی، عزلت الخلق، فقر و فاقہ، ذکر دوام۔ اور طلب تھی تو بس دیدار خدا کی اور ایثار و قربانی کی ایسی مثالیں پیش کیں جو صرف ان کا ہی حصہ ہے۔ انہوں نے علمی باریکیوں سے الگ اخلاص عمل اور معرفت الٰہی کا انتخاب کیا علم غیب کی جستجو میں مرتبہ احسان پر فائز ہوئے اور بشریت کے اعلیٰ وارفع مقصد کو پایا جس کی بنیاد ہی قرآن وسنت ﷺ تھا۔ سمندر کے گہرے پانیوں میں ہی موتیوں کو تلاش کیا جاتا ہے۔ یہ کام ندی نالوں میں چھلانگ لگانے والوں کے بس کا نہیں۔

اگر آج کوئی ہمارے موجودہ معاملات اور حالات کو چند دنیا پرست لوگوں کی مثال بنا کر ہمارے ایمان وعقیدے پر سوال کرتا ہے تو اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے پاس بندگی بھی ہے، فرائض کی پاسداری بھی ہے لیکن ہم اس کا ڈنکا نہیں بجاتے۔ ہاں ہمارے پاس علم غیب کا مضبوط یقین ہے ورنہ ہم دیدار کی طلب کیوں کرتے۔ ہم خالق کائنات کو غیر مقید مانتے ہیں اس لئے سمجھتے ہیں ''جو دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا'' ہمارے معترض یا ہمارے اپنے یا غیر پہلے اپنی لاعلمی اور تعصب کی عینک اُتاریں حسد وعناد، بغض، شک وشبہ کو دور کر کے خلیفۃ اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ اور بزرگان دین کے اعمال اور تعلیمات کا خلوص نیت سے جائزہ لیں۔ منافقوں کی منافرت کا شکار ہوئے بغیر تحقیق کریں۔ لوگ جانتے ہیں کہ قرآن میں بتائی گئی باتوں کو چھپانا گناہ ہے اور یہ لعنت ہے پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ قرآنی احکامات جو باطن سے مراد ہیں اُن پر پردہ پڑا ہی رہے تو اچھا ہے۔ حق بات کا دل پر اثر نہ کرنا ملعون ہونے کی علامت ہے۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع میں ہے ''جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کیا''

جو یہ سمجھتے ہیں کہ درسگاہ سے عالم فاضل مفتی کی سند حاصل کرنے اور قرآن حفظ کر کے قاری ہونے سے دین کامل ہوتا ہے اور انہیں کی بات حرف آخر ان کی امامت ایمان ہے تو یہ خام خیالی ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو قراء اپنی تمام تر توجہ حرف کی ادائیگی اور مخرج ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ قرات کا اصل مقصد فہم ہے۔ ایسے لوگ شیطانی وسوسہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور قرآنی علم اُسے صرف سننے سے حاصل ہوا ہو ''مشاہدہ'' کے ذریعہ نہیں تو ایسا شخص اپنی تقلید کی زنجیروں میں جکڑا رہتا ہے۔ اسی لئے صوفیاء کرام نے علم کو حجاب کہا ہے کیونکہ قرآن کریم میں جو علامات واضح طور پر بیان کی گئی ہیں اگر پڑھنے والا ان علامات سے متاثر نہ ہو اور سرسری طور پر پڑھ کر گذر جائے تو بلاشبہ یہ شخص ان لوگوں میں شامل ہے جو اللہ کے کلام سے روگردانی کرتے ہیں (احیاء العلوم)

آج یہ مان لیا گیا ہے کہ جس چیز کو عوام کی کثیر تعداد قبول کرے وہی دین ہے تو ایسا سوچنا فاش غلطی ہے اور یہ خطرناک رجحان ہے۔ یہی تو یہودی عیسائی اور اہل ہنود کہہ رہے ہیں دنیا کی کثیر آبادی کہاں

کہاں پہنچ گئی۔اہل اسلام دقیانوسی باتیں کرر ہے ہیں۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں''جنت محض عمل سے نہیں بلکہ خلوص نیت سے حاصل ہوتی ہےاور فرمایا نفاق نام ہے ظاہر و باطن میں خلوص نیت کے فقدان کا''۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں''بہت سے لوگ غسل کے بعد پاک ہوجاتے ہیں لیکن بہت سے بد باطن حج و زیارت کعبہ کے بعد بھی نجس لوٹتے ہیں''

فرائض اللہ تعالیٰ کے شکر میں ادا ہوتے ہیں۔اللہ نے زندگی دی،مسلمان بنایا،عقل سلیم دی،شکرادا کیا۔لیکن حقیقی بندگی ان فرائض کے بعد شروع ہوتی ہے۔خودسپردگی جوملائکہ کی صفت ہے جس میں شر اور بغاوت کا عنصر نہیں اسی میں حق کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں آدمی اس قابل ہے کہ ایسا کمال حاصل کرے اور ملکوت کی صورت کو اپنا نقش دل بنائے کہ درگاہ الٰہی کے قابل ہوجائے یعنی وہ باریاب ہواور رب تعالیٰ کے نظارے میں مشغول ہواور یہی امراس کی بہشت اور سعادت کا منتہا ہے اور خالق نے اسے اسی لئے پیدا کیا ہے۔اور جب تک اسی کی آنکھ نہ کھلے گی اور اس لازوال جمال کو پہچان نہیں لے گا دیدار کیا کر سکے گا اور یہ پہچان معرفت سے پیدا ہوتی ہے خدا کے عجیب عجیب صفتوں کی پہچان حضرت الٰہی کے جمال کی کنجی ہے۔

یہاں پر امام غزالیؒ نے اُس بات کو پردہ غیب میں پیش فرمایا ہے،جس کو کہنے یا عام کرنے کا اختیار انہیں نہیں تھا۔جیسا کہ سابقہ پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور خالق عالم ہونے کی دعوت تو دی لیکن اُنہیں مشاہداور معراج نہ ہوئی۔حضرت خاتم الانبیاء صلعم نے دعوت احدیت کو یقین کے ساتھ پیش فرمایا کیونکہ وہ مشاہدہ حق سے معراج میں سرشار کئے گئے تھے۔یہی بات تابع تام رسول اللہ ﷺ کی ہے۔آپؐ نے نہ صرف دیدار کیا بلکہ دیدار کروایا اور دعوت دیدار بھی دی۔ہمیں چاہیئے کہ ہمارے بزرگوں کے اعمال کی پوری تحقیق و جستجو کریں۔بغیر جانے بوجھے مباحث میں اُلجھ کر اپنے اعمال کو برباد نہیں کرنا چاہیئے۔

ابوداؤداور ترمذی میں حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے فرمایا رسول ﷺ نے مجھے اپنی اُمت کے متعلق گمراہ کرنے والے گروہوں کا ڈر ہے۔اسی ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت آئی ہے،آثار قیامت کے متعلق کہا گیا ہے۔''اُمت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے''

قرآن کریم میں بدکار اور بےعمل قوموں کے حالات اس لئے بیان ہوئے ہیں کہ ہم اُن سے سبق حاصل کر کے اچھے عمل کریں اور اچھی قوموں کے ذکر سے اچھے اعمال کو دہرائیں یہ طریقہ اللہ کا بتایا ہوا ہے۔اگر ہمارے اعمال میں جھول ہے تو اس کو دور کرنے کے لئے ہمارے بزرگوں کے اچھے اعمال کو اپنایا جاسکتا ہے نہ کہ ہم خود منافقت کی لعنت اپنے اوپر مسلط کرلیں۔

☆☆☆

سید یوسف صاحب (بنگلور)

تاریخ مہدویہ کے نہ ہونے کے چند اسباب!

کسی بھی قوم کے معرض وجود میں آنے کا سبب اُس زمانے اور وقت کے سماجی و معاشرتی حالات ہوتے ہیں۔ انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تبدیلی و ترقی پسندی کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے۔ انسانی فطرت ٹھیراؤ اور جمود کو ناپسند کرتی ہے۔ تحریک و ترقی اس کی فطرت ثانیہ ہے۔ چاہے وہ ترقی مادّی ہو یا روحانی، ہر حالت میں وہ نئی اُنچائیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس کے مادّی ترقی حاصل کرنے کا سفر کبھی اسے سماج میں بلند مقام حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے تو کبھی قطعہ ارض پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے، کبھی زیادہ دولت وشہرت پانے کے لئے اور کبھی نئی تحقیقات اور کھوج کے لئے۔ یہ سب کرنے کے لئے وہ کبھی کبھی ظلم وستم جبر وقہر کی راہ اختیار کرتا ہے اور ایسی خوفناک اور دلاوز داستانیں رقم کر جاتا ہے کہ انسانیت لرزہ بداندام ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس کی روحانی تسکین و ترقی پانے کی تگ و دو کبھی اُسے اس کے اپنے پیشواؤں کو انسانیت کے ایسے مقام پر بٹھا دیتی ہے اور اتنا قدآور اور اونچا مقام عطا کر دیتی ہے کہ انہیں مادّی و روحانی طاقتوں کا ذریعہ مان لیا جاتا ہے اور یہی بات اس کے شرک وفساد کا ذریعہ بن جاتی ہے جو نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً وہ ان احساسات اور اُن کے بوجھ کو اُٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

لیکن خالق کائنات کی طرف سے انسانوں کی مادّی، روحانی ترقی و بلندی کا جو طریقہ بتلایا جاتا ہے وہ انبیاءؑ ومرسلین کے توسط سے ہوتا ہے۔ جو معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔ اس طریقہ کو سنت کہتے ہیں جو زمانہ اور وقت کے لحاظ سے مربوط ہوتا ہے۔ اس میں زمانہ، مقام، انسانی کیفیات، جغرافیائی حالات کے مطابق زندگی کے تمام پہلوں کا احاطہ ہوتا ہے۔ اس میں ظلم وستم، شرک وفساد کے انسانی نفسیات کو خدائی احکام اور وقت کے نبیؑ رسول اور پیغمبر کی سنت کی حدود اور پابندی کے ذریعہ مربوط کر کے ایک سکون پرور اور ترقی پسند معاشرے کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ یہاں پر انسانوں کو اپنی خواہشات کو درکنار کر کے اللہ کی مرضی اور وقت کے نبیؑ کے بتائے ہوئے طریقے پر تمام انسانوں کی دنیاوی و اُخروی فلاح و بہبود کے لئے اپنی زندگی بتانی پڑتی ہے جو بعد کے لوگوں کے لئے مثال اور تاریخ کا سنہرا

باب بنتی ہے۔

ان حالات اور کیفیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم مہدویہ تاریخ اور سوانح مہدی کے نہ ہونے کے اسباب اور علت پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تاریخ اسلام کی چند حقیقتوں کا مطالعہ اور جائزہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح بات زرا صاف سمجھ میں آتی ہے۔

جب حضور سردار دو عالم صلعم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز کر کے پیغمبر آخرالزماں مبعوث فرمایا اور تمام عالم انسانیت کے لئے ایک قطعی اور آخری سنت عطا کی تو وہ زمانہ جاہلیت، کفر و شرک و فساد کے اندھیروں میں گھرا ہوا تھا۔ دنیا کی ہر برائی موجود تھی، روشنی اور اُمید کی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حالانکہ جزیرہ عرب میں اہل کتاب، یہودی و عیسائی بھی موجود تھے لیکن ان کی بندگی اور عقیدوں پر ان کے انبیاء کی تعلیم و طریقے کے بجائے ان کا خاندانی اور نسلی غرور حاوی ہو چکا تھا۔ ان کی روحانی و سماجی پستی بت پرستوں کے لئے مثال نہیں بن سکی تھی اور نہ ہی انہیں جہالت، شرک اور گمراہی سے نجات دلا سکتی تھی۔ آئیے ان وجوہات کا جائزہ لیں!

یہودیوں کے ہاں خالق کائنات کا تصور بڑا کمزور اور مبہم تھا۔ وہ صاف اور یقینی نہیں تھا۔ جو رب الربانی کے طور پر پیش کیا جاتا۔ ان کے خالق و معبود کا تصور کسی ترقی و تحریک کی وجہ نہیں بن سکتا تھا۔ کیونکہ یہودیوں نے جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں اور پیغمبروں کی نسل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے پیغمبر وقت کے ساتھ خدا کی کُشتی کروائی تھی۔ اسی پر بس نہ کر کے پیغمبر وقت نے نہ صرف خدا کو پچھاڑ دیا بلکہ ہرا کر سینے پر سوار ہو گئے اور اپنی من مانی شرطیں منوالی تھیں۔ ناچار خدا کو یعنی خالق کائنات کو بڑی مشکل سے اپنی جان چھڑانے کے لئے پیغمبر قوم کی تمام باتیں ماننی پڑیں تب کہیں جا کر خدا کی جان چھوٹی۔ یہ ایک ایسا مفروضہ تھا جو خالق کائنات کو کمزور اور شکست خوردہ اور خدا کے فرستادہ پیغمبر کو زور آور ثابت کرتا تھا۔ اور دوسری طرف عیسائیوں کے پاس جو خالق کائنات کا تصور تھا اس میں زوجیت اور وراثت کا پہلو نمایاں تھا۔ خدا، اُس کا بیٹا، اُس کی بیوی اور روح القدس جو اللہ کے احکام پہنچانے پر معمور تھے اور امین تھے انہیں خدائی وراثت کی ترسیل کا ذریعہ بتایا گیا۔ اس طرح خالق کائنات، پیغمبر وقت، پاک دامن مریم اور ملائکہ مقرب سبھی شک و شبہ کے گھیرے میں آ گئے اور خدا کی بیوی کا بچہ پیدا ہونے سے خالق کی حیثیت کراہت اور کمزوری کا مجموعہ نظر آنے لگی، عیسائیوں نے اسی پر

بس نہ کیا۔ خدا کے بیٹے کی ختنہ بھی کروائی اور اُسے یہودی ظالموں سے بچنے کے لئے آہ و بکار کرتا ہوا روتا بلکتا ہوا اور خود اپنے باپ خدا سے فریاد کرتا ہوا دکھایا۔ اس طرح انہوں نے خدا کے بیٹے کے بیٹے تو نہیں پیدا کروائے البتہ خدا کے بیٹے کے تمام جملہ حقوق اور ذمہ داریاں عاصی و گنہگار پوپ اور اس کے مددگاروں کو بخش دیں۔ اس طرح کاروبار خداوندی میں انسانی دخل اندازی اور شخصیت پرستی اور بت پرستی کے دروازے کھولدیئے۔ اس طرح ایک معمول پادری بھی انسانوں کے کبیرہ وصغیرہ ہر قسم کے گناہوں کو معاف کرنے کا پروانہ حاصل کرلیا۔ چاہو جتنی ذلالتیں، معصیت اور گناہ کرلو اور پادری سے معافی کروالو۔ آگے دین و دنیا میں کوئی مواخذہ یا جواب دہی نہیں۔ یہاں پر پادری گناہ معاف کردے گا بعد از مرگ سبھی کے تمام گناہ عیسو مسیح اپنے سر لے لے گا۔

ایسے غیر یقینی حالات اور نظریات میں عرب کے مشرکوں ، روم و یونان کے دیو مالائی کرداروں کی پرستش کرنے والوں ، بدھ مت کے اپنے اندر نروان تلاشنے والوں، کنفیوشس کے فلسفے کے ذریعہ تسکین پانے کی کوشش کرنے والوں ، مجوسی خداؤں ، اہرمن ویزداں کے امن اور شر کے نظریات میں پھنسے عجمیوں، افریقہ کے جادوٹونوں میں روحانی حل تلاش کرنے والوں، اہل ہنود کی بت پرستی کے ذریع دوبارہ زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرنے والوں کو انسانی اذہان کے اس پیدا کردہ جنجال سے باہر نکل آنے کا کوئی راستہ یا اُمید اور روشنی کی کوئی کرن نہیں نظر آرہی تھی ۔ اس طرح انسانیت تڑپتی بھٹکتی پھر رہی تھی۔

ایسی بے یقینی کے ماحول میں اسلامی تاریخ کی ابتداء حضور صلعم کی بعثت اور نزول قرآن کے ولولہ انگیز اور فیصلہ کن انداز بیان اور احکامات سے ہوتی ہے۔ پیغمبر اسلام کی پاکیزہ ومطہرہ حیات اور سنت رسولؐ کے قول وعمل کی لاثانی تحریک نے خالق کائنات کے واحد ولاشریک ہونے اور قدرت والا ہونے کے تصور نے روئے زمین کے تمام انسانوں کی توجہ دعوت اسلام کی طرف مبذول کروادی۔ اور انسانی ذہنوں کی خام خیالیوں کو جھنجوڑ کر رکھدیا۔ اور ان کے غیر یقینی نظریات، احساسات، خیالات اور مفروضوں کی دھجیاں بکھر گئیں اور روئے زمین کے نیک نفس اور پاکباز انسانوں کو لگا، ارے ہاں! خالق کائنات کو تو ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا قرآن کہتا ہے۔ پیغمبر اسلام کی دعوت ان کی پاکبازی، راستبازی اور الوالعزمی نے ان سبھی کو متاثر کیا۔ انسانی لاشعور میں پنہاں بندگی اور خودسپردگی کا عنصر جوش مارنے لگا

۔انہوں نے محسوس کیا خالق کائنات واحد و لاشریک ہی ہے، کوئی اس کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہے ۔ وہ تو قدرت والا ہے،اس نظام کائنات کا خالق کمزوراور مجبور نہیں ہوسکتا۔فیصلے کے دن کے مالک کو خاندانی و وراثتی ذمہ داریاں اس کے اپنے فیصلوں پر نظر ثانی پر کیسے مجبور کرسکتی ہیں۔خالق کوتو ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسے محمدﷺ فرمارہے ہیں۔قدرت والا، کائنات کا احاطہ کیئے ہوئے، نہ اُسے نیند آئے، ہمیشہ قائم اور زندہ رہنے والا، گناہوں پرسزا اور نیکیوں پرانعام واکرام کرنے والا، ایسے قدرت والے رحیم وکریم خالق کا تصور، کفار، مشرکین، عربی، عجمی سبھی کو قابل قبول تھا۔اوراس حق کو قبول کرنے میں کوئی عریضہ مانع نہیں تھااوراس حقیقت کوایسے انسانؐ نے پیش فرمایا جن کی زندگی انسانی برائیوں، بداعمالیوں، اخلاقی کمزوریوں اورسماجی بےاعتدالیوں سے پاک صاف اورمبرّا تھی۔ جوچالیس برس تک ان انسانی برائیوں کے دلدل میں ایک مثال ایک ماڈل کی طرح پیش کیئے گئے۔ جب ایسی ہستی نے دعوت حق کو پیش کیا تو روئے زمین کے نیک نفسوں نے بہ یک زبان اس کا اقرار کیا اور کشاں کشاں گروہ درگروہ دامن اسلام میں آ گئے۔

اندازہ لگائیے۔حضرت عمرفاروق اعظمؓ مکہ کے عالم بھروسہ منداور قابل انسان جنہیں اہل مکہ بادشاہوں کے دربار میں بطورسفر بھیجتے رہتے۔حضرت عثمان غنیؓ رئیس العرب دولت کے انبار لگے ہیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عرب کے بہترین تاجر پیشہ ہستی، ورقہ بن نوفل یہودی عالم، خالد بن ولید جانباز سپاہی، ایسی ہستیاں اپنے علم، دولت، تجارت مردانگی کے ساتھ دربار رسالتؐ میں حاضر ہورہے ہیں۔پیغمبراسلامؐ جوکہ اُمی ہیں، ناتواں ہیں، یتیم ہیں، فقروفاقہ میں ہیں لیکن جب ایسی ہستیاں عاجزی، انکساری، خودسپردگی کے ساتھ خودکوپیغمبراسلام کے حوالے کردیتے ہیں اورزرخرید غلاموں کی طرح اللہ کے نبی کے سامنے دوزانو بیٹھ رہے تو کیا عالم ہوگا، ایمان کا جوش مارتا ہوا کیسا دریا بہہ رہا ہوگا۔دربارِ رسالتؐ سے وہ کیسا دبدبہ اور ولولہ ہوگا کہ ہراعلیٰ وادنیٰ ایک قطار میں نظر کرم کا منتظر ہے۔کیسا روحانی منظر ہوگا وہ آہ! یہی تو معجزہ ہے اسلام کا

حضورصلعم نے اپنی زندگی مکہ ومدینہ میں گذاری۔آپﷺ کے تمام احوال اہل عرب کے سامنے تھے۔لیکن وہ کیا بات تھی عجمی، رومی، افریقی، ہندی سبھوں کو متاثر کرگئی ؟ اللہ نے عربوں کو غیر معمولی حافظہ اوریادداشت سے نوازا تھا۔ وہ ہزارہا اشعار ازبر کرلیتے تھے اورصدیوں پرانے واقعات

ان کی مدت، حالت، کیفیت، مقام، ہر تفصیل باریکی سے بیان کرتے۔ یہی غیر معمولی صفت ان کے قرآن کریم کو حفظ کرنے اور اقوال و اعمال رسول ﷺ کو محفوظ کرنے کا سبب بن گئی اور بعد کے محدثین، مفسرین، مورخین اور وقائع نگاروں کو انہیں ضبط قلم کرنے میں آسانی ہوتی گئی۔ انہوں نے صرف اتنا کیا کہ ان احادیث، واقعات و حالات کو پرکھنے اور ان کی صحت کو جانچنے کے اصول بنائے اور ضبط تحریر کیا اور ایک بیش بہا خزانہ اثاثے کے طور پر انسانیت کے لئے اور روئے زمین کے تمام لوگوں کے لئے اور دنیا کے تاریخ دانوں کے لئے قیامت تک چھوڑا۔ اس طرح تاریخ دانوں کو آسانی ہوتی چلی گئی اور تاریخ اسلام مرتب ہوتی چلی گئی۔

تاریخ ابن خلدون کو اسلام کی پہلی مستند تاریخ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ مگر ابن خلدون کو بھی انہیں حوالوں اور ذرائعوں سے مواد حاصل ہوا تھا۔

لیکن مہدی موعود خلیفۃ اللہ مراد اللہ معمور من اللہ کا معاملہ تھوڑا الگ ہے۔ آپؑ کے پہلے مخاطب ہی اہل قرآن تھے۔ جو دین وایمان کے دعویدار تو تھے مگر بدعات، رسومات، علمی ونصی غرور اور علمی موشگافیوں کی خرافات میں غلطاں و پیچاں تھے اور اپنی دینی وایمانی توانیاں ذائع کر رہے تھے۔ بندگی تو کر رہے تھے، متاع دنیا حاصل کرنے کے لئے اللہ کے واسطے نہیں۔ خدا کی پہچان کے اصل مقصد کو بھول چکے تھے۔ خود اپنی زندگیوں کو سنوارنے کے لئے دین کو مردہ کر دیا تھا۔ دین، دیوانگی کی حد تک خدا کو چاہنے والوں کے پاس رہ گیا تھا۔ جو دین وہ سمجھ رہے تھے وہ محض رسوم و بدعات کا مجموعہ تھا۔

مہدی موعود رسولؐ کے تابع تام تھے۔ آپؑ کو صرف حضورؐ کی پیش کردہ سنتؐ کو صحیح طریقے پر جیسے حضورؐ کا طریقہ اور خدا کی منشاء تھی پیش کرنا تھا۔ یہی آپؑ کا مشن تھا اور آپؑ کی بعثت کی وجہ تھی جو اصلاح اُمت کی بنیاد تھی۔ آپؑ کو کوئی نئی بات نہیں بتائی تھی۔ جو کمیاں اور زیادتیاں سنت رسولؐ کے اقوال، احوال اور معاملات میں کی گئیں تھیں انہیں دور کرنا تھا۔ یہ کام معصوم عن الخطا کا تھا اور وہی روح محمدؐ سے استفادہ کر کے صحیح سنتؐ کو امت کے سامنے پیش کر سکتے تھے۔ اسی لئے حضور صلعم نے فرمایا تھا ''مہدی دین کو تازہ کر دے گا جیسے کہ وہ ہمارے وقت میں تھا'' آپؑ مراد اللہ تھے، اللہ کی مرضی بیان کرنے والے نہ کہ غیر معصوم بندوں کی طرح تفسیر کرنے والے اور مبین کلام اللہ تھے قرآن کریم کا بیان ایسے فرمایا جیسے رسولؐ نے پیش فرمایا تھا اور سنت رسولؐ کو انسانی اذہان کی دخل اندازیوں اور کثافتوں

سے پاک کرنا تھا۔اس پر ویسا عمل کرنا جیسا حضورؐ نے عمل فرمایا تھا،مخبر صادق صلعم نے اسی لئے آپؑ کی تشریف آوری کا وعدہ کیا تھا۔

اسی مقصد حیات میں آپؑ کی تمام زندگی گذری اور آپؑ کے صحابہؓ کو ہجرت اور تکمیل احسان میں اتنی فرصت اور موقع ہی نہ ملا کہ تاریخ یا سوانح مرتب کرتے اور انہوں نے اس کی ضرورت بھی نہ سمجھی کیونکہ ان کی تاریخ،تاریخ اسلام کا حصہ تھی۔اس میں بس خلیفۃ اللہ معمور من اللہ کے آمد کے مقصد کو پورا ہونا تھا نہ کہ کوئی نیا دین یا سنت رائج کرنا تھا۔یہاں پر تحریر وتقریر کے بجائے اخلاص عمل درکار تھا۔یہاں پر مناظرہ یا مقابلہ آرائی نہیں تھی۔آپؑ کی زندگی کے حالات کو برادروں نے موقع موقع پر تحریر کیا ہے مگر مختصر اور بکھرے بکھرے واقعات کی شکل میں ہم تک پہنچایا ہے۔

حضور صلعم کی بعثت تمام نوع انسانی کی از سر نو تربیت تشکیل واصلاح کے لئے تھی جبکہ مہدی موعودؑ کی بعثت اہل ایمان کی اصلاح اور ترقی مدارج دین وایمان اور حاصل کمال احسان کے لئے ہوئی تھی۔

آج مہدویوں کا بھی ایک طبقہ تاریخ مہدویت کو کتابوں کے ضخیم جلدوں میں دیکھنا چاہتا ہے اور تلاش کرنا چاہتا ہے۔اچھی بات ہے، یہ کوشش ہونی چاہئے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مہدویت عمل کا مذہب ہے۔اس میں سب کچھ عمل پر منحصر ہے۔ایمان وعقیدہ کے مطابق جو بھی کتابیں یہاں ملتی ہیں ان میں قرآن وسنت پر سختی سے عمل کے راستے منزل احسان کی راہ نمائی ہے۔ہم صرف عمل اور عمل ہی کر سکتے ہیں نہ کہ ہم اُن فنافی اللہ روحوں کے قصیدے پڑھ کر وقت گذاری نہیں کر سکتے۔

شرح عقیدہ شریفہ میں لکھا ہے کہ مہدیؑ سے کسی نے کہا کہ حاطم (طائی) بڑا سخی اور نوشیرواں بڑا عادل تھا۔ یہ سن کر مہدیؑ نے فرمایا حاطم نے اپنی ذات پر سخاوت نہ کی نوشیرواں نے اپنی ذات پر عدل نہ کیا۔ بڑی سخاوت یہ تھی کہ اپنی دولت اور اپنی جان پیغمبر صلعم پر نثار کر دیتا۔اسی طرح بڑا عدل یہ تھا کہ فرمان خدا اور رسول ﷺ کے تابع ہو جاتا۔

مسلمانو کیوں (ایسی باتیں لوگوں کو) کہتے ہو جن پر خود عمل نہیں کرتے (ایسا کرنا) اللہ کے نزدیک بڑی بے حیائی ہے کہ کہو(سب کچھ) اور کرو(کچھ) نہیں......قرآن ۲۸۔۹

روز ازل سے محمد صلعم کی تعریف تمام آسمانوں میں پھر زمین پر تمام آسمانی صحائف میں ہوتی چلی آئی تھی۔اس طرح آپ ﷺ نے اپنے تابع تام مہدیؑ کی تعریف اور اس کی قوم کی تعریف بیان فرمائی ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعریف بیان کی ایسے ہی متبوعؑ نے اپنے تابعؑ کی تعریف بیان کی۔ اس سے بڑی تاریخی حقیقت اور کیا ہوسکتی ہے۔ سنئے سردار دو جہاں اپنے تابعؑ کی تاریخی حقیقت کیسے بیان فرماتے ہیں ''آسمان کے رہنے والے اور زمین کے رہنے والے اس سے خوش ہوں گے، آسمان سب کا سب برسات انڈیل دے گا اور زمین سب کی سب روئیدگی نکال دے گی (یہ قوم بڑی مرتبہ والی ہوگی) زندہ لوگ اپنے مردوں کے زندہ ہونے کی آرزو کریں گے کہ اگر وہ بھی زندہ ہوتے تو ہماری طرح باران رحمت الٰہی وفیوض ولایت لامتناہی سے ان کے دل کی زمین سیراب ہوجاتی'' (رسالہ شریف)

''اے ابا ذرؓ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس سوچ میں، کس فکر میں ہوں اور کس بات کی طرف میرا اشتیاق لگا ہوا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے رسول ﷺ اپنی فکر اور سوچ سے ہمیں مطلع کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ آہ! میرے بھائیوں کو دیکھنے کا شوق (جو میرے بعد ہوں گے) صحابہؓ نے عرض کیا ہم بھی تو آپ ﷺ کے بھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! تم میرے صحابہؓ ہو، میرے بھائی تو وہ ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ جن کی شان نبیوں کی شان ہوگی اور وہ خدا کے نزدیک شہیدوں کے درجوں پر ہوں گے، وہ اپنے باپ، اپنی ماں، اپنے بھائی، اپنے بیٹوں سے (محض) خدا کی خوشنودی کے لئے الگ ہوجائیں گے (ہجرت وترک علائق) اور وہ اپنے مال کو خدا کے لئے چھوڑ دیں گے (ترک دنیا) اور کمال تواضع کے باعث اپنی ذات کو ذلیل سمجھیں گے (توکل ترک خودی) خواہشات (ماسواء اللہ) اور دنیا کی فضول چیزوں کی طرف رغبت نہ کریں گے (عزلت الخلق) وہ محبت الٰہی کی وجہ سے خدا کے کسی گھر (دائرہ) میں جمع ہوں گے۔ عشق الٰہی میں مغموم ومحزن رہیں گے (نیستی وتسلیمی) اور ان کے دل خدا کی طرف لگے ہوں گے (ذکر دوام) ان کی روحیں اللہ سے واصل ہوں گی (دیدار حق) ان کے عمل خالص اللہ کے واسطے ہوں گے (یعنی خودی وہستی کی گندگی سے بےلوث ہوں گے) ان میں سے ایک کا بھی بیمار ہوجانا خدا کے نزدیک ہزار برس کی عبادت سے افضل ہے (کیونکہ بیماری سے نیستی وتسلیمی پیدا ہوکر معراج میں ترقی ہوتی ہے) اے ابا ذرؓ اگر تم چاہو تو اور بھی کہوں۔ عرض کیا ہاں اللہ کے رسول ﷺ فرمائیے۔ ''ان میں کوئی مرجائے گا تو خدا کے نزدیک ان کی بزرگی کی وجہ سے (یہ سمجھا جائے گا کہ) گویا کوئی آسمان کا باشندہ مرگیا ہے۔ اے ابا ذرؓ تم چاہو تو اور بھی کچھ کہوں۔ عرض کیا ہاں اللہ کے رسول ﷺ فرمائیے! فرمایا ﷺ نے اگر ان میں سے کسی کو اس کے کپڑے کی جوں کاٹے گی تو اللہ ستر حج اور ستر جہاد کے علاوہ چالیس بنی اسماعیل

کو(جو کسی وجہ سے غلام ہوگئے ہوں گے) بارہ بارہ ہزار سے خرید کر آزاد کرنے کا ثواب عطا کرے گا۔ اے اباذرؓ۔اگر تم چاہو تو اور بھی کچھ کہوں عرض کیا۔ ہاں اللہ کے رسول ﷺ فرمائیے۔فرمایا ﷺ نے جب کوئی ان میں سے اپنے اہل وعیال کو یاد کرے گا اور ان کے لئے اس کے دل میں کسی کی فکر ہوئی تو اس کے لئے ہردم ہزار ہزار درجے لکھے جائیں گے۔اے اباذرؓ اگر تم چاہو تو اور کچھ کہوں۔عرض کیا ہاں اللہ کے رسول ﷺ فرمائیے۔فرمایا ﷺ ان میں سے کوئی دو رکعت نماز پڑھے گا تو اس کی یہ نماز خدا کے نزدیک اس شخص کی عبادت سے افضل ہوگی جو اس نے کوہ لبنان میں حضرت نوحؑ کی عمر کے برابر ہزار برس تک کی ہوگی۔اے اباذرؓ تم چاہو تو اور کچھ کہوں۔عرض کیا فرمائیے اللہ کے رسول ﷺ۔فرمایا ان میں سے کوئی ایک وقت بھی تسبیح پڑھے گا تو اس کی یہ تسبیح قیامت تک کہ روز دنیا کے تمام پہاڑوں سے بہتر ہوگی جو اس کے ساتھ ساتھ سونا بن کے چلیں گی (یعنی بے انتہا ثواب حاصل ہوگا) اے اباذرؓ اگر تم چاہو تو اور کچھ کہوں۔عرض کیا ہاں اللہ کے رسول ﷺ فرمائیے۔فرمایا ان کے گھروں (گھاس پھوس کے حجروں) سے ایک گھر کو بھی کسی نے دیکھ لیا تو خدا کے نزدیک اس کا دیکھنا بیت اللہ کو دیکھنے سے بھی پسندیدہ ہوگا۔ جس نے صاحب خانہ کو دیکھا گویا اس نے خدا کو دیکھ لیا جس نے ان کو کپڑا پہنچایا گویا اس نے خدا کو کپڑا پہنچایا،جس نے ان کو کھانا کھلایا گویا خدا کو کھانا کھلایا۔اے اباذرؓ اگر تم چاہو تو اور بھی کچھ کہوں۔عرض کیا فرمائے یا اللہ کے رسول ﷺ۔فرمایا جو لوگ گناہوں پر اڑے رہتے ہیں اپنے گناہوں کے سبب بوجھل ہوگئے ہوں گے اگر وہ ان کے پاس آ بیٹھیں گے تو خدا کے نزدیک ان برگزیدوں کی علو مرتبت کے باعث جب تک خدا ان گنہگاروں کو (رحم کی نظر سے) نہیں دیکھے اور ان کے گناہ نہیں بخشے وہ ان کی مجلس سے نہیں اُٹھیں گے۔اے اباذرؓ ان کی ہنسی عبادت ان کی خوش طبعی تسبیح،ان کی نیند صدقہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہردم ستر مرتبہ (نظر رحمت) سے دیکھے گا۔اے اباذرؓ میں انہیں لوگوں کے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔

پھر آنحضرت ﷺ نے تھوڑی دیر سر جھکا لیا اور اس قدر روئے کہ دونوں آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔پھر فرمایا۔آہ! ان کے دیدار کا شوق۔پھر فرمانے لگے''اے اللہ ان کی حفاظت کرنا اور ان کے دشمنوں کے مقابلے پر ان کو مدد دینا اور قیامت کے دن میری آنکھیں اُن سے ٹھنڈی کرنا'' اور پھر یہ آیت پڑھی''اللہ کے دوستوں پر نہ (تو کسی قسم کا) خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ آزدہ خاطر ہوں گے''

تاریخ اسلام گواہ ہے وہ بھی مخالفین اور معاندین کے قلم سے کہ مہدیؑ اور آپؑ کے صحابہؓ

انہیں اوصاف کے پیکر تھے۔ اسی لئے انہیں ملاءاعلیٰ کے فرشتے سمجھا گیا۔ کیا ایسے اوصاف حمیدہ والوں کو تاریخ لکھنے یا تاریخ صفحات میں تلاش کرنے کی ضرورت ہوگی۔ یہی تو اصل تاریخ اسلام ہے۔ یہ و ہستیاں تھی جنہیں دیکھنے کا شوق حضرت سردار الانبیاء رحمت اللعالمین ﷺ کو تھا۔ خلیفتہ اللہ اور ان کے صحابہؓ کی تاریخ تو خاتم الانبیاء نے رقم فرمادی تھی۔ مانا کہ آج اُن کے نام لیواؤں میں اعمال واوصاف رمق برابر بھی نہیں لیکن ان کے واقعات روح کی تازگی، ایمان کی جلاء اور عمل صالح کی ترغیب کے لئے کافی ہیں۔ ہمیں تاریخ کے صفحات میں قوم مہدویہ کی تلاش کرنے اور قوم میں اُن کے اوصاف حمیدہ کو نا پانے کا افسوس کرنا چھوڑ کر ان کے اعمال واوصاف کو اختیار کرنا چاہئے۔

نہیں ضبط گر ممکن تو اُڑ جا اس گلستاں سے
کہ اس گلشن سے خوشتر ہے کسی صحرا کی تنہائی

قرآن کریم میں اگلی قوموں کے واقعات عبرت اور اصلاح کے لئے پیش کئے گئے ہیں، تاریخ کے طور پر نہیں۔ کیونکہ ایمان وعقیدہ کی بنیاد یقین پر ہوتی ہے، تاریخی واقعات کے تذکروں کی بنیاد پر نہیں۔ اسلام کی تاریخ صدیوں بعد مرتب ہوئی لیکن آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات، اقوال اور حالات اُمت کی رہبری کے لئے کافی تھے۔ ہم تاریخ میں ایمان نہیں تلاش کر سکتے کیونکہ تاریخی واقعات میں نمرود، شداد، ہامان، فرعون اور شمر بھی ہے۔ اگر ایمان کی تلاش ہو تو ہمیں حضرت ابراہیمؑ، اسمعیلؑ، موسیٰؑ وعیسیٰؑ، حضور ﷺ اور ان کے صحابہؓ کی زندگی کے واقعات میں تلاش کر سکتے ہیں۔

تاریخ مرتب ہونی چاہئے اخلاص سے، عمل کرتے رہیں گے تو تاریخ خود بخود مرتب ہوتی رہے گی۔ ایک وقت تھا جب مہدویوں کو اُن کی دینی مصروفیتوں اور اعمال سے پہچانا جاتا تھا اور آج ایسا وقت ہے کہ ہم مہدویوں کو مذہبی بے عملی اور دینی تغافل کے لئے مانا جارہا ہے۔ آگے ایسا ہی ہوتا رہے گا، اگر مہدویہ دائروں کی از سر نو تشکیل، اُن خطوط پر نہیں کی گئی جن کی بنیاد مہدی موعودؑ اور صحابہؓ مہدی اور بعد کے بزرگوں کے دینی مشاغل اور اعمال پر نہ ہوئی ہو۔ اور اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ خاندانی ونصبی طرز طریقت ہے۔ اگر تعلیمات واعمال مہدیؑ کی تحریک کو زندہ کرنا ہو تو بندگی میاں شاہ دلاور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فانی فی اللہ تشخص کے تمثیلوں کو تلاش کرنا ہوگا۔ کیونکہ اب قوم مہدویہ کو شفقت صدیقیؓ کی نہیں دُرۂ فاروقیؓ کی ضرورت ہے۔

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

تنزیل اور تاویل

دنیا میں اولاد آدم کی تربیت، وقت کی ضرورت حالات کی اہمیت اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق ایک ترتیب اور طریقے پر مسلسل ہوتی رہی ہے۔ آدمؑ کی کئی نسلوں تک ان کی تعلیم اس حد تک ہوا کرتی تھی مثلاً پیڑوں کے نام بتائے جاتے ان کی خصوصیات بتائی جاتی، ان کے استعمال کے طریقے بتائے جاتے۔ اسی طرح جانوروں کے بارے میں بتایا جاتا رہا، ندی نالے، پہاڑ، جنگل، بیابان، نباتات، جمادات، حیوانات کے بارے میں بتایا جاتا رہا اور اسی کے ساتھ ان تمام کو پیدا کرنے والے خالق کے بارے میں بتایا جاتا رہا اور اس کی عبادت کرنے کو کہا جاتا رہا۔

اس کے بعد ایک دور ایسا آیا جب انسانی رشتوں، ان کے تعلقات، ان کی خصوصیات تہذیبی اقدار پر زور دیا گیا اور پھر ایک دور ایسا آیا کہ انسانوں کے بھلائیاں، برائیاں، اچھائیوں کو عام کرنے اور برائیوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیا گیا اور خالق کونین کی خوشنودی اور ناراضگی کے اسباب اور طریقے بتائے گئے اور اس کے عذاب دینے کی وجوہات اور رحمت کی صفات بتائی گئیں اور جب توہمات جادو سحر کا سلسلہ چل پڑا اور بت پرستی اور شرک عام ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ کے خالق کل اور واحد و لاشریک ہونے اور اس کی وحدت میں کسی کو شریک سمجھنے پر عذاب کی وعید سنائی گئی اور نہ ماننے والوں پر عذاب نازل کیا گیا تاکہ انسان سرکشی سے باز رہے اور عبرت حاصل کرے۔ غرض اس طرح ہر دور میں نبیوں، رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعہ دنیا میں پھیلتی ہوئی برائی، بدکاری، شرک و فساد سے پیدا شدہ سماجی رنجشوں اور نقصانات کو بتا کر اولادِ آدم کی تعلیم اور تربیت ہوتی رہی۔ اور اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت، عطا و مہربانیوں اور نوازشوں کو انسانی علم اور ترقی اور اس کی غیر معمولی ذہانت کی ناپائیداری کو ہیچ اور کمزور ثابت کیا جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری اور عظمت کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو کہا جاتا رہا۔ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک میں کسی کو شریک سمجھنے پر بلکہ اس کی قدرت کو محدود اور محیط کرنے پر عذاب سے ڈرایا گیا۔

خالق کونین کو محدود اور محیط سمجھنے پر ہی شرک و بدعات اور مخلوق کی دخل اندازی کے دروازے

کھلتے ہیں وہ تو قدرت والا ہے ہمیشہ قائم رہنے والا، دیکھنے والا، سننے والا، گناہوں پر گرفت کرنے والا ہے اور مرنے کے بعد اس کے آگے جوابدہی سزاء و جزا کی حقیقت بیان ہوتی رہی ۔ بہر کیف ایک مخصوص طریقے پر ایک خاص مقصد کے تحت انسان کی تعلیم اور تربیت ہوتی رہی ہے۔

زمین کے ہر خطے پر زمانے کے ہر دور میں انبیاءؑ و مرسلین نے انسانی اذہان کی ترقی پر اس دور کے تقاضوں کے مطابق تعلیم و تربیت کی ہے اور اس طریقے تعلیم کو انبیاء و مرسلین کی سنت کا نام دیا گیا ہے اور ان سنتوں پر اپنی مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبریل امینؑ کے ذریعہ آسمانی صحائف اور نوشتے تنزیل کئے جاتے رہے (کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا، آہستہ آہستہ اتارے جانے کو تنزیل کہا جاتا ہے) ہر صحیفہ، کتاب اور تنزیل کی گواہی بعد میں آنے والے نبیؑ، رسولؑ اور پیغمبروں کی پیشین گوئیاں اور ان پر اتارے جانے والے صحیفے دیتے رہے اور اس طرح پچھلے انبیاء اور کتابوں کی اور اللہ کے احکامات کی تائید ہوتی رہی۔ جس طرح توریت، زبور اور انجیل کی گواہی قرآن کریم نے دی ہے کہ ہاں بے شک یہ آسمانی کتابیں اور احکامات تھے اور اگلے نبیوں پر وحی کئے گئے تھے۔ اسی لحاظ سے قرآن کریم کی شہادت اور تائید بھی ہونی چاہیئے تھی ۔ ایسی عظیم آسمانی کتاب قرآن کریم اور فخر موجودات تخلیق باعث کائیات محمدﷺ کی تصدیق اور شہادت بھی کسی نبی یا رسول سے ہونا چاہئے تھا، مگر رسوم اکرمﷺ کے توسط سے ''لا نبی بعدی'' کے اعلان کے ساتھ رسالت، نبوت اور پیغمبری کا سلسلہ ختم ہو چکا پھر شہادت ہو تو کیسے ہو؟ اس لئے خلیفۃ اللہ مامور من اللہ معصوم عن الخطا کا مبعوث کیا جانا عین فطرت اور اللہ تعالیٰ کی سنت کے عین مطابق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ''رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو بیان سکھایا'' (سورہ رحمٰن) یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ انسان کو پیدا کیا اور قران کی تعلیم دی اور اس کا بیان سکھایا گیا بلکہ قرآن کی تعلیم دینے کے بعد انسان کو پیدا کرنے اور اس کا بیان کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ یہ بڑا صاف اور واضح فرق ہے جو مبین کلام اللہ کی بعثت کی حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے فرمایا ہے ''اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ'' مِّنْهُ ...... (ہود ع ۲) یعنی اس قرآن کے بیان کرنے والے اور رسولﷺ کی گواہی دینے والے، اس شخص کا آنا طے تھا جو دلیل پر قائم ہوگا اور رسولﷺ کا تابع تام ہوگا اور عصمت انبیاء کا وارث ہوگا، جیسے قرآن میں فرمایا ''کہہ دو اے! محمدؐ یہ میرا راستہ ہے جس پر بلاتا ہوں

بصیرت کی بنیاد پر اور وہ بھی بلائے گا جو میرا تابع ہوگا'' (سورہ یوسف ع ۱۲) اور رسول ﷺ کا تابع تام کیسا ہوگا یہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے ''مہدی مجھ سے ہے میرے نقش قدم پر چلے گا خطا نہیں کرے گا'' یعنی اپنے تابع تام کے معصوم عن الخطا ہونے کی گواہی دی۔ کیونکہ رسول مقبول ﷺ صادق اور امین ہیں

دنیا کے ہر خطہ اور قوم میں معبود اعلیٰ اور خالق کل کا مبہم سا تصور اور احساس ہر ذی ہوش انسانوں میں رہا ہے اس کے روبرو حاضر ہونے اور دیکھنے کا شوخ ہی انسانوں کو بت پرستی کی انتہاء پر بھی لے گیا۔ اسی شوخ دیدار میں وہ بھٹکتا رہا۔ جستجو کرتا رہا اور بت پرستی کی طرف مائل ہوتا چلا گیا۔ انسان کے اس ذوق تجسس کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ اپنی ربوبیت کمال قدرت اور خالق کل ہونے کے مظاہر اور نشانیاں دکھائیں مگر نفس انسانی پردۂ حجاب بن کر حائل رہا اور انسان کی کوشش ہنوز جاری رہی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی شوق تمنا کی انؑ سے صرف اتنا کہا گیا تم مجھے دیکھ نہیں سکتے یہ نہیں کہا کہ میں نظر نہیں آ سکتا اور صدیوں یہ سوال تشنہ ہی رہا۔ آخر کار خاتم الانبیاء ﷺ اور جبریل امینؑ نے معروف حدیث احسان میں اس راز پر سے بھی پردہ اٹھایا اور انسانوں کی تشنگی دور کرتے ہوئے دیدار الٰہی کی طرف راہ نمائی کی اور قرآن کریم نے کئی مقامات پر رہبری کی ہے۔

''جو شخص اپنے رب کی لقاء کا امیدوار ہو اسے چاہیئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے'' (جز۱۶ ع ۳)

لیکن عظمت جلال الٰہی کے دیدار کی کوشش کا طریقہ اور تربیت کو ایک اور معین مدت اور خاص موقعہ کے لئے بہ رضائے الٰہی موقوف رکھا گیا جس کے لئے قرآن مجید کی روشنی اور شریعت مطہرہ میں کمال کی تکمیل اور تعلیم احسان کا ہونا لازمی تھا جس طرح شریعت کی بجا آوری کے لئے انبیاء کی تعلیم اور تربیت ضروری ہوتی ہے پس اس طرح تعلیم احسان کے لئے مامور من اللہ اور معصوم عن الخطا ہستی کی رہنمائی اور طریقہ تربیت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ تعلیم احسان معراج انسانیت اور باعث شرف تخلیق آدم پر مبنی ہے اور یہی تکمیل دین کا منتہیٰ ہے۔ قرآن مجید صرف پڑھ لینے اور فرائض ادا کر لینے سے دین کے مقاصد مکمل نہیں ہوتے جب تک قرآن کے پیغام کی حقیقت کو نہیں سمجھا جائے گا اور ''حق تعالیٰ'' تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، تکمیل دین کے مقاصد نامکمل ہی رہیں گے، عبادت تو ہر کوئی کرتا

ہے لیکن خالق حقیقی کے حضور دنیا و مافیہا سے بے پرواعبادت کرنا انسانیت کا کمال عظیم اور معراج ہے یہی تعلیم احسان ہے۔ ''جو لوگ اپنے رب سے ملاقات کے بارے میں مبتلائے شک ہیں ان کو خبر دار ہو جانا چاہئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے'' (جز ۲۵ ع ۱)

ذرا اس سے پہلے والی آیت مبارکہ پر بھی غور کر لیں۔

''عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں ان کے گردو نواح میں بھی دکھائیں گے اور خود یہاں تک کہ ظاہر ہوگا ان کے جانوں کے بیچ (یہاں تک کہ خود ان کے اوپر ظاہر ہوگا) اور وہ اوپر ہر چیز کے حاضر تھے''

غور کیجئے جب انسانی ذہن پوری طرح آراستہ و پیراستہ ہو چکا ہو تو امام الانبیا ﷺ کو تمام علمی اور روحانی کمالات اور اعمال صالح کی تلقین کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور تمام روئے زمین کے انسانوں کو قطعی اور آخری دعوت عام دی گئی کہ دیکھو اللہ خالق کائنات اور قدرت والا ہے اور وحدہ ولا شریک ہے اب تمہیں تمام شرک و بدعات سے بری الذمہ ہو جانا چاہیئے، یہ نباتات، جمادات وحیوانات، چاند، سورج، یہ کہکشاں سب کا خالق اللہ ہے۔ یہ اسی کی بنائی ہوئی مخلوق ہے، یہ تمہارے تصرف میں دی گئی ہیں اور ان تمام پر تم کو شرف بخشا گیا ہے لیکن تمہارے شرف کا تقاضہ یہ ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور غلامی میں اس کے آگے سرنگوں ہو جاؤ اور ان تمام مخلوقات کو دکھلاؤ کہ خالق کونین کے آگے کتنے حقیر اور بے بس ہو اور اس خود سپردگی کے عوض اللہ تعالیٰ تم کو شرف باریابی عطا کریں گے اور دین و دنیا میں سرخ رو کریں گے کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس قائم اور باقی رہنے والی ہے، دوسری تمام مخلوقات فنا ہونے والی ہے حتیٰ کہ فرشتے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہزاروں برس انبیاء و مرسلین کے ذریعہ تعلیم و تربیت فرمائی اور آہستہ آہستہ اس تعلیم کو تنزیل کیا جاتا رہا تا کہ انسانی ذہن پوری طرح اللہ کے خالق کائنات ہونے کی حقیقت کو ذہن نشین کر لے۔ جیسے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے اتارا گیا، وقت اور ضرورت کے مطابق وحی کے ذریعہ تنزیل کیا جاتا رہا مگر اس کے بیان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا اور فرمایا ''**ثمہ ان علینا بیانہ**'' (ثم اور پھر یا کسی وقت اور کس زمانے میں) پھر اس قرآن کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی کسی عالم، مفسر، محدث کو ہم یہ عظیم ذمہ داری نہیں دیں گے بلکہ ہم اپنی مراد اور مرضی بیان کریں گے ایسے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ عاصی، گنہگار اور خاطی بندوں پر اپنی مراد منکشف کر دیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ

نے وہی طریقہ اختیار کیا یعنی انبیاء و مرسلین کے توسط سے بیان کرنا، وحی کا سلسلہ تو روک دیا نبوت کے دروازے بند کر دیئے پھر بیان کیسے ہو؟ پوری آیت کریمہ کو غور سے پڑھیں۔

''تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا (اکھٹا کرنا، محفوظ کرنا) قرآن کا پس جب پڑھنے لگا کریں (جبریل علیہ السلام) تو آپ اس قرآن کے تابع ہو جائیں (آپ ﷺ اس کی پیروی کریں) پھر تحقیق اس کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے''

حضرت سرور کونین محمد ﷺ جن پر قرآن وحی کیا جا رہا ہے اُن سے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ جبریل علیہ السلام جس طرح قرآن پڑھتے ہیں پڑھ لیا کریں اور اس قرآن مجید کا محفوظ کرنا ہمارے ذمہ ہے اور پھر کسی وقت اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ یعنی آپ ﷺ اعمال نبوت کو جاری و مکمل کر لیں جو انسان کے ظاہری اعمال کی اصلاح سے متعلق ہیں اور آپ ﷺ کے باطنی اعمال جو آپ ﷺ کی ولایت سے متعلق ہیں ان کا بیان ہمارے ذمہ ہے جو ایک مدت خاص تک ہوتا رہے گا جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری ولایت میری نبوت سے افضل ہے'' جس طرح رسول مقبول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ۴۰ سال تک اطاعت و بندگی کا انسانی نمونہ یا ماڈل کے طور پر لوگوں کے سامنے رکھا گیا اس کے بعد اعلان نبوت کرایا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اپنی منشاء اور مرضی کے مطابق وقت ضرورت درجہ بدرجہ اور ایک معین مدت پر انسانوں کو لوازمات بندگی (اعمال ولایت) مہیا کرائی گئیں۔ ایک بارگی یا بیک وقت کوئی بھی معاملہ نہیں پیش کر دیا۔

اس لئے اہتمام کیا وارث عظمت انبیاء خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کا جو نبی نہیں مگر معصوم عن الخطا ہوں اور انہیں کے ذریعہ احسان کی بیان کا سلسلہ مکمل ہو، حضرت رسول ﷺ فرماتے ہیں ''مہدی مجھ سے ہیں میرے نقش قدم پر چلے گا خطا نہیں کرے گا'' اس طرح اس خاص بیان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ جس کے لئے اولاد آدم کی تعلیم و تربیت کی ضرورت کی حقیقت آشکار ہوتی ہے اور اللہ رب الکائنات اپنے جلال ربوبیت کے ساتھ اپنی تعریف و توصیف سننا چاہتے ہیں جس کے لئے تعلیم ہوتی رہی، آخر کار مہدیؑ (فارقلیط؟) کے ذریعہ دعوت احسان عام دی گئی اور تمام حجابات کے پردے چاک کر دیئے گئے۔

''ما مذہب بصیراں آوردیم'' میں دیکھنے والوں کا مذہب لایا ہوں اور اس طرح تنزیل کی تاویل ہوئی ہے۔ ان حقیقتوں کے پیش نظر جب ہم سورۂ ھود میں غور کرتے ہیں تو وہ حقایق سامنے آتے ہیں جن کو امام ہمامؑ نے بیان کیا اور خاتم الانبیا ﷺ نے بعثت مہدی موعودؑ کو ضروریات دین اور تکمیل

دین کی اہمیت پر دلالت کرتے ہوئے کئی احادیث میں آپؐ کی آمد اور اس کے مقصد کو تفصیل سے بیان فرمایا ''اللہ نے دین کو ہم (محمد ﷺ) سے شروع کیا اور ختم ہم (مہدیؑ) سے کرے گا''؟ اور آپ ﷺ نے فرمایا مہدیؑ کو مخالفت اسی طرح کی جائے گی جس طرح اللہ تعالیٰ کے خلیفوں، نبیوں اور رسولوں کی کی جاتی رہی ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ امت کیسے ہلاک ہو جس کی ابتداء میں میں ہوں اور مہدی اس کی وسط (درمیان) میں اور عیسیٰ ابن مریم اس کے آخر میں، لیکن اس کے درمیان غیر مستقیم لوگ ہوں گے جو نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں'' (اشعت اللمعات ۴ ۱۵۴)

غیر مستقیم وہ لوگ جن میں استقامت دین نہیں، یقین کامل نہیں، اطمینان قلب نہیں جو ایمان کا جز لاینفک ہے جو قرآن میں غور نہیں کرتے ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ نے بیزارگی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا، جس نے اللہ کے رسول ﷺ کو ناراض کیا اس نے اللہ کو ناراض کیا، ایسے لوگ رسول ﷺ کی امت میں بھی ہوئے ہیں اور گروہ مہدی میں بھی ہوں گے۔ خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کی بعثت کا اشارہ سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ نے دیتے ہوئے وضاحت بھی فرمادی۔

(ا) پس جو شخص دلیل پر قائم ہو اپنے رب کی جانب سے............(ھود ۱۱ ع ۲ آیت ۱۷) ''جو شخص'' اپنے رب کی جانب سے دلیل (قرآن) پر قائم ہو وہ مامور من اللہ خلیفۃ اللہ ہے جیسا کہ آگے کی آیت میں فرمایا ہے دلیل پر قائم ہونا نبوت پر قائم ہونا بتلایا ہے اور کہا کیا تم کو نہیں سوجھتی اور خصوصی طور پر رب کی جانب سے ہے، جیسا کہ اٹھائیسویں آیت میں کہا گیا ''نوحؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس رب نے مجھ کو رحمت یعنی نبوت عطا فرمائی ہو اور تم کو نہ سوجھتی ہو'' جس طرح رب کی جانب سے دلیل پر قائم ہونے والا نبی رسول پیغمبر اور اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے اسی طرح یہاں ''صاحب بینہ'' ''جو شخص دلیل پر قائم ہے'' وہ اللہ کا خلیفہ ہے جس کی برابری وہ لوگ نہیں کر سکتے جو اللہ کی مرضی کے بغیر اپنے ناقص علم کی بنیاد پر قرآن میں مطلب نکالتے ہیں اور اس طرح صرف یہود و نصاریٰ اور مشرک ہی نہیں وہ لوگ بھی منکر قرآن مانے جائیں گے جو بعض آیات کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے جو ان کی سمجھ میں نہیں آتیں اس میں کجی نکالتے ہیں یہ لوگ ''جو شخص'' رب کی جانب سے دلیل پر ہو اس کا انکار کرتے ہیں اور اسی سورہ بقرہ کی ۱۵۹ ویں آیت میں کہا گیا ''جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم اسے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت'' یعنی اس قرآن کریم میں کچھ ایسے دلائل اور

ہدایات ہیں جو یہ لوگ منکر قرآن جان بوجھ کر چھپاتے ہیں اور قبول کرنے سے کتراتے ہیں۔

۱۴۰ ویں آیت ملاحظہ کیجئے ''اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفاء کرے جو اس کے پاس سے منجانب اللہ پہنچی ہو'' جس طرح یہودی اور عیسائی توریت اور زبور کی کچھ باتوں کو چھپایا کرتے تھے اس طرح اہل قرآن میں بھی کچھ لوگ ایسا ہی کریں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں ''جس سے کوئی بات پوچھی جائے جس کا اس کو علم تھا (دینی بات) اور اس نے اس کو چھپایا تو قیامت والے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی (ابوداؤد کتاب علم، ترمذی حدیث ۶۵۱)

(۲) ......جو کہ اس کے رب کی طرف سے آیا ہے اس کے ساتھ تو ایک گواہ اسی میں موجود ہے اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب جو کہ امام ہے رحمت ہے (ہود ع ۲)

جس طرح توریت موسیٰؑ پر اتاری گئی رب کی طرف سے جس میں امام النبیاء رحمت عالم ﷺ کے فاران کی بلندیوں سے آتشی شریعت کے ساتھ آنے کی گواہی دی گئی تھی اسی طرح اب یہ قرآن توریت کے اللہ کی کتاب ہونے کی گواہی دے رہا ہے جو رب کی طرف سے ہے اور اسی طرح قرآن مجید جو خاتم الانبیاء پر تنزیل کیا جارہا ہے جو اسی رب کی طرف سے ہے اس کی گواہی بھی رب کی طرف سے آیا ہوا ''ایسا شخص'' دے گا جو بلا کم وکاست قرآن پر قائم ہوگا اور لفظ و معنی بھی اپنی جانب سے نہیں کہے گا ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع سنت محمد رسول اللہ ﷺ''

(۳) ایسے لوگ اس پر ایمان رکھتے (ہود ع ۲)

جو کتاب موسیٰؑ پر اور قرآن مجید کی شہادت پر ایمان رکھتے ہیں ایسے لوگ ''اس'' پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو کتاب موسیٰؑ پر اور قرآن مجید کی شہادتوں کی ان دیکھی کرتے ہیں وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے جس طرح کتاب موسیٰ کی شہادت سچی تھی اس طرح قرآن مجید کی شہادت سچی ہے۔

(۴) جو کوئی کفر کرے ساتھ اس کے گروہوں میں سے دوزخ اسکے وعدے کی جگہ ہے (ہود ع ۲)

جو کوئی گروہ یا فرقہ اس کا انکار کرے گا دوزخ اس کے وعدے کی جگہ ہے۔ یہاں پر کافر، مشرک، یہودی و عیسائی سے خطاب نہیں ہے، فرقوں میں سے انکار کرنا کہا گیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ''میری امت کے بہتر فرقے، ایک ناجی باقی ناری'' ایک نجات پائے گا دوسروں کو سزا دی جائے گی وہ اس لئے کہ ان کے سامنے دلائل کے ساتھ بات پیش کی جارہی تھی وہ اپنی ناسمجھی یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کریں گے جس طرح قوم موسیٰؑ نے آپ علیہ السلام کی کچھ باتوں کا انکار کیا گیا تھا، اہل قرآن

کے کچھ فرقے بلاتحقیق ''اس'' کا انکار کریں گے۔

(۵) سوتم اس (شخص) کی طرف سے شک میں مت پڑنا، بلا شک وشبہ وہ (حضرت مہدیؑ) سچ ہے رب کی طرف سے۔

اور یہاں پر اللہ تعالیٰ حضورﷺ کو جو امام الانبیاء ہیں جن پر قرآن وحی کیا جارہا ہے فرمارہے ہیں ''اس شخص'' موعود کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور آگے کہا گیا ہے کہ اس پر بہت لوگ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ جو تمہاری ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے آئے گا اور ہماری مراد یعنی اس قرآن کا حقیقی بیان (ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ بیان تعلیمات احسان) کرے گا جو ہماری مرضی کے مطابق ہوگا اور اللہ کی مرضی کیا ہے؟

''جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا''

جس طرح کتاب موسیٰؑ توریت کی بات سچ ہوئی اور حضورﷺ قدسیوں یعنی پاک روحوں (صحابہؓ رسولؐ) کے ساتھ فاران سے جلوہ گر ہوئے تھے (پہلا اعلانیہ دعوت اسلام حضورﷺ نے مکہ کی پہاڑیوں سے ہی کیا) اسی طرح قرآن کی بات سچ ہو کر رہی ''وہ شخص'' ظاہر ہوا اور احسان کی تعلیم ہوئی اور اس طرح ''اس شخص'' پر اللہ تعالیٰ کی دو کتابیں شاہد ہیں، ایک قرآن مجید دوسری کتاب موسیٰ علیہ السلام جیسے ''اور مرد خدا موسیٰؑ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ کہ اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر آشکار ہوا وہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی (کتاب استثناء توریت ۳۳۔۱۔۲)

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو برکت کی دعا فرمائی اور کہا اگر تم اللہ کی اطاعت اور بندگی پر قائم رہو گے اور سرمو انحراف نہیں کرو گے جیسا تم پہلے کرتے آئے ہو تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی ''رحمت'' تمام کو فاران سے آشکار کرے گا۔ جو آتشی شریعت قرآن لے کر آئے گا جس میں انسان کی دیرینہ آرزو ''دیدار الٰہی'' کی تعلیم ہوگی اور بنی اسرائیل نے بدنصیبی سے اس دعائے خیر کی قدر و قیمت نہ کی اور ''رحمت اللعالمین'' ﷺ کو ماننے اور پہچاننے سے انکار کر دیا ''احمد'' کے لفظی معنوں میں الجھ کر ''محمد'' کو نہ پہچانا حالانکہ دونوں لفظ ''حمد'' سے تعبیر ہیں اسی طرح اہل قرآن نے ''اس شخص'' کو نہ پہچانا۔ قرآن کریم نے جہاں کہیں بھی عام مسلمانوں سے خطاب کیا ہے ''اے ایمان والو'' کہہ کر مخاطب کیا ہے اور جس کسی شخص کو رب العالمین کی طرف سے خصوصی طور پر بھیجا جانا تھا، انہیں ایسے شخص، وہ شخص، یا وہ بھی

بلائے گا جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

(۶) لیکن بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے (ھود ع ۲)

بہت سے لوگ اس (مہدیؑ) پر ایمان نہیں لاتے ''جو شخص'' رب کی طرف سے ہے ایمان نہیں لائیں گے جس طرح حضورﷺ پر بہت سارے اہل کتاب ایمان نہیں لائے جبکہ ان کے سامنے قرآن وحی کیا جارہا تھا اور توریت، زبور اور انجیل کے احکامات اور پیشین گوئیاں پیش کی جارہی تھیں، دلائل کے ساتھ بات ہورہی تھی، معجزے پیش ہورہے تھے مگر اس کے باوجود انہیں ایمان نہیں لانا تھا سو نہیں لائے۔

یوں تو قرآن کے پہلے مخاطب اہل عرب ہیں جو مشرک تھے، جن سے عام طور سے خطاب ہوا ہے۔مگر! اہل کتاب سے خصوصی خطاب ہوا ہے کہ دیکھو پہلے نازل کی گئی آسمانی کتابوں اور انبیائے بنی اسرائیل کے حوالوں میں مشرکوں سے زیادہ تم ان ایمانی معاملات سے مانوس اور واقف ہو پھر کیوں نہیں سمجھتے اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز کیوں نہیں آتے۔ بالکل اسی طرح قرآن کریم اہل قرآن سے یہی تقاضا کرتا ہے کہ جو باتیں ظاہر و باطن سے مراد ہیں تم کیوں ان کی ان دیکھی کررہے ہو اور سمجھ کر بھی کیوں سمجھنا نہیں چاہتے، جان کر بھی انجام بنے ہو کیوں نہیں ان باتوں پر ایمان لاتے جس طرح حضورﷺ سے معجزے طلب کئے جاتے تھے اور تقاضہ کیا جاتا تھا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ ہمارے سامنے آکر تمہاری گواہی دے اسی طرح واضح دلائل کے ہونے پر بھی یقین وایمان نہیں لاتے۔

(۷) اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے (ھود ع۲)

ایسا شخص (حضرت مہدیؑ) جو اللہ کی کتاب اور پیغمبر آخرالزماںﷺ کی اتباع کا پیرو ہو اور آپﷺ کے قدم بہ قدم بے خطا چلنے کا مدعی ہو وہ اللہ پر جھوٹ کیوں باندھے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہوسکتا، یہ تو وہ اہل قرآن بھی جانتے ہیں۔

(۸) کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے رب کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں، سب سن لو کہ ایسے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے (ھود ع۲)

اپنے رب العزت کی نسبت جھوٹی بات لگانا ملعون اور معطوب ہونے کی علامت ہے۔قرآن میں واضح دلائل ہونے کے باوجود اسے جھٹلانا بھی انہیں معنوں میں ہے اور اللہ کی ذات کو محدود کرنا اور محیط کرنا بھی اللہ کی نسبت جھوٹ لگانا ہے جیسے اللہ یہاں نظر نہیں آتا، مرنے کے بعد ہی نظر آئے گا یہ بھی اللہ کی

نسبت جھوٹ لگانا ہے۔ سراسر کفر ہے اور ایسے شخص کا انکار کرنا بھی جو اپنے رب کی طرف سے ہو کفر ہے۔

(۹) جو کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی نکالنے کی تلاش میں رہا کرتے۔

اور وہ لوگ جو دوسروں کو اللہ کو پانے اور اس کی راہ پر چلنے سے روکنا اور اسے دیکھنے کی آرزو رکھنے والوں سے کہنا کہ یہ ناممکن امر ہے ایسی باتیں اللہ کی راہ میں کجی نکالنے کے مترادف ہیں اور اللہ کے احکام کے مقابلے اپنی بے سود و بیکار علمی اور عقل ضابطے مقرر کرنے کی ہیں جو اللہ کو محدود اور ان کے اپنے علمی قیاسات کو لامحدود کرتی ہیں جس میں ان کی انا اور شیطانی ضد ہے جو ابلیس ملعون کی روش ہے جس نے اسے بارگاہِ الٰہی سے اسے راندۂ درگاہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ تو اشرف المخلوقات کی حیثیت سے انہیں اپنے دیدار کا شرف عطا کرنا چاہتا ہے اور یہ اس کی رحمت کاملہ سے دور بھاگنا چاہتے ہیں اور ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔

''اس کو تو کوئی نگاہ محیط نہیں کرسکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے اور بلاشبہ تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں (سورہ انعام ۱۰۳ع ۱۲)

(۱۰) اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں

جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حاضر اور موجود ہونے کا منکر ہو وہ آخرت کا بھی منکر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رہنے والا، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اسے زماں و مکاں کی کوئی پابندی نہیں ہے اس کی قدرت کاملہ عرش و کرسی تمام عالموں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے، ہمارے ہر عمل اور حرکات و سکنات پر نگاہ کئے ہوئے ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لئے اس نے اس خلائق عالم سے نگاہ ہٹائی تو یہ سارا عالم نابود ہو جائے گا، اس کی نگاہ کرم سے اس عالم کی بقاء ہے ورنہ سب کچھ فنا ہے۔ یہاں نظر نہ آنا وہاں نظر آنا کیا معنی، ہم اس کی قدرت کاملہ کا احاطہ نہیں کرسکتے۔

(۱۱) یہ لوگ زمین پر اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے

اب اس سے زیادہ صاف، حتمی، اور قطعی بات کیا ہوسکتی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو زمین پر عاجز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا سمجھ رہے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ دنیا میں نظر نہیں آتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ حضرت مہدی موعودؑ کہہ رہے ہیں یہ لوگ اپنے ناقص علم اور سطحی سوچ سے اللہ کو عاجز نہیں

کر سکتے، ان کا ناقص علم ان کو دھوکہ میں ڈال رہا ہے جیسا کہ ابلیس کو اس کے علم نے دھوکہ میں ڈالا تھا۔ جیسا کہ آگے فرمایا ہے "جو دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا"

(۱۲) اور نہ ان کا اللہ کے سواء کوئی مددگار ہوگا، ایسوں کو دگنی سزا ہوگی یہ لوگ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔

اگر یہ اللہ کی مدد مانگتے تو اللہ تعالیٰ ان کی امداد کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت کے لئے سوائے اللہ کی کوئی مددگار مگر انہوں نے اپنی ناقص عقل او علم پر بھروسہ کیا ہے اس لئے ان کو دوگنی سزا ہوگی کیونکہ یہ ابلیس کی روش ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس میں اس کے احکام ہیں، ان لوگوں نے اس میں غور کرنے، پڑھنے اور سمجھنے اور اللہ سے مدد طلب کرنے کے بجائے اپنی سمجھ اور ناقص علم پر بھروسہ کیا، جس طرح اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ جان کر انجانے بنے رہے اور اپنی منطق پر اڑے رہے، ایسوں کو دگنی سزا ہوگی۔ آیت نمبر۲۴ واضح دلائل اور پورے وقار اور مضبوطی کے ساتھ سامنے ہے۔

(۱۳) جیسے ایک شخص ہو اندھا بھی اور بہرا بھی اور ایک شخص ہو کہ دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہو کیا یہ دونوں شخص حالت میں برابر ہو سکتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں۔

بے یقین اور متزلزل ایمان والے لوگ قرآن میں غور نہیں کرنے والے رسول ﷺ کے پیشین گوئیوں اور ارشادات کو اپنے علم اور عقل کی کسوٹی پر پرکھنے والے، اُن لوگوں کے ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ جو اللہ کو دیکھتے ہیں اور اس کے دیکھنے کے مشتاق ہیں اور اللہ کے احکام میں غور کرتے ہیں اور سنتے ہیں اور رسول ﷺ کے موعودؑ کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں، وہ لوگ اندھے، بہرے تھے جنہوں نے حضرت رسول ﷺ کے واقعہ معراج پر اللہ کے رسول ﷺ سے استہزاد کیا تھا اور جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سنا کے حضور ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور اللہ سے ملاقات کی تو بے توقف کہا کہ بے شک ایسا ہی ہوا ہے اور میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں۔

اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقے کا، ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے (جز۴ع۱)

...... جو اللہ تعالیٰ کو محکم (مضبوط) پکڑے وہ سیدھی راہ پر ہے

جو اللہ کی طرف متوجہ ہو اور سب ماسواء کو چھوڑ کر اسی کے دین کو اختیار کرو، وہ سیدھے راستے پر ہے اور اللہ کا خلیفہ مہدی موعود علیہ السلام کہتے ہیں کہ "مذہب مابصیراں آوردیم" کہ میں (اللہ کو)

دیکھنے کا مذہب لے کر آیا ہوں تو جو دانا بینا تھے انہوں نے ''آمنا وصدقنا'' کہا۔ ایمان لے آئے اور تصدیق کی، یہی تعلیم ہے جو اگلی کتابوں میں تنزیل کی جاتی رہی تھی۔ اب اس کی تاویل ہوئی ہے۔ حضرت کعب بن احبارؓ سے مروی ہے کہ حضرت مہدیٔ موعودؑ کے متعلق انبیاء علیہ السلام کی کتابوں میں پاتا ہوں کہ ''ہم تنزیل لے کر آئے ہیں اور تاویل آخر زمانے میں فارقلیط کرے گا'' ابتدائے آفرنش سے وحی کے ذریعہ اولاد آدم کی تعلیم وتربیت ہوتی رہی کہ خالق کونین کی عبادت کرتے رہو اور جو تمام خلائق عالمین کا پروردگار ہے آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور روز جزاء کا مالک ہے گناہوں پر عذاب اور فرمانبرداری پر اور بندگی پر انعام واکرام دینے والا ہے۔ اس کی قدرت میں کوئی دخیل نہیں، انبیاء ومرسلین کے ذریعہ بندوں کو اللہ سے متعارف کیا جاتا رہا۔ ہزاروں برس تنزیل کے ذریعہ تربیت ہوتی رہی اور آخر مژدۂ جاں فزا سردار الانبیاء خاتم النبین رحمت اللعالمین ﷺ اور جبریل امین کے ذریعہ حدیث احسان میں سنایا گیا کہ ''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسا کہ اس کو دیکھ رہ ہو'' اور یہ ایمان مکمل کی علامت ہے ''یا اتنا خیال رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے'' اور یہ ناقص ایمان کی علامت ہے اور قرآن مجید کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ اور مقرب فرشتہ حضرت جبریل امین کو اس اعلانیہ پیغام پر اپنی مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہدو (اے محمد) یہ میرا راستہ ہے جس کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کی اساس پر (دیدار کی بنیاد پر) میں اور میرا تابع (سورہ یوسف ۱۰۸ ع ۱۲)

یہاں پر دیدار الٰہی کی دعوت بطور خاص اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے دی اور دعوت عام بہ تربیت خاص آپ ﷺ کے مطبوع حضرت مہدیٔ موعود مامور من اللہ مراد اللہ تابع تام حضرت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ہزاروں برس کی تنزیل کی تاویل مقصود ہے جسے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ''مذہب ما بصیراں اوردیم'' کے اعلان حق کے ساتھ عام کیا ہے جو باعث تخلیق اشرف المخلوقات ہے اس طرح تمام مخلوقات پر باعث تخلیق کائنات محبوب خدا رسول اللہ ﷺ کے نور کا مرتبہ اور کمال ظاہر ہوتا ہے جو اللہ کی تسبیح اور تمہید کے لئے خلائق عالم کو پیدا کیا تھا وہ تو اپنے نور اعلیٰ نور کی ربوبیت پر متمکن تھا۔ اس نے چاہا کہ اسی کی تسبیح وتمہید کی جائے، اس کی ثناء خوانی اور حمد کی جائے اس لئے نور محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ حدیث میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کُنتُ کنزاًمَخفِیاً فاحببت اَنْ اَعْرَفَ فَخَلقتُ الخَلقَ لِاُعْرف یعنی میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا کہ پہچانا جاؤں۔

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

نبیٔ عربی مہدیٔ عجمی

علمائے حق وصالحین نے قرآن مجید میں اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق معنی ومطلب نکالنے سے اس لئے منع کیا ہے کیونکہ ہر شخص اپنی فہم وادراک، قابلیت اور حیثیت کے مطابق اس کے معنی ومطلب نکالے گا۔ اس طرح کلام اللہ میں شرانگیز دخل اندازی کے مواقع مل جائیں گے۔ اگر اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور قرآن کریم کے حکم کی روشنی میں "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو" (الاعراف ۲۰۴)

ایک انسان خلوص نیت سے اور طلب راہ ہدایت اور جذبۂ ایمانی سے اس میں غور وخوص کرتا ہے اور پڑھتا ہے تو قرآن مجید کے احکامات اور واقعات میں پنہاں کئی حیران کن حقیقتیں نظر آتی ہیں۔ معجزہ اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انبیاء علیہ السلام کے ثبوت میں رونما اور پیش کئے جانے والے معاملہ یا واقعہ کو جو انسانی علم وفہم سے بالاتر ہو۔ تنزیل قرآن سے آج تک اور قیامت تک کے زمانوں میں اس میں کئی حیران کن باتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ اس لئے قرآن مجید کو لا محالہ ایک زندہ جاوید تسلیم شدہ معجزہ مانا جاتا رہا ہے ان حقیقتوں کے پیش نظر سورہ اعراف میں غور کریں۔

اس سورہ شریف کی ابتداء ہوتی ہے حرف مقطعہ "آلمص" سے اور اس کے بعد خاتم الانبیاء روحی فداء حضرت محمد ﷺ کا نام لئے بغیر کہا گیا ہے کہ "یہ کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ ڈرایں سو آپ کے دل میں بالکل تنگی نہ ہونی چاہئے" یعنی اے محمد ﷺ یہ جو کتاب آپ کے پاس بھیجی گئی ہے اس کے احکام وواقعات میں اتنی وسعت اتنی گہرائی اور اس کے ظاہر وباطن میں اتنی حقیقتیں پوشیدہ ہیں کہ اس سے لوگوں کو کفر وشرک وبدعات سے اور احکام خدا سے ڈرانے میں آپ کے دل میں بالکل تنگی نہ ہوگی بلکہ قیامت تک ہر لحہ نئے دلائل اور نئے معجزہ نمایاں اس کی ظاہر ہوتی رہیں گی۔ پھر اس کے بعد لوگوں سے کہا گیا ہے کہ "تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے" لوگوں سے کہا جارہا ہے کہ رب کے پاس سے آئی اس کتاب کے احکام پیشین گوئیاں اس کے ظاہر وباطن کے احوال کی اتباع کرو کیونکہ اکثر لوگوں نے اللہ کے خلیفوں

جیسے نبی، رسول اور پیغمبروں کے احکام کی خلاف ورزیاں کی ہیں اور ان کی کتابوں اور شریعتوں کا اتباع کرنے سے انکار کیا ہے اس لئے آگے آیت نمبر۱۰۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''اور اکثر لوگوں میں سے ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا'' اور بارہا قرآن میں فرمایا ہے کہ جب بھی انسان پر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ اللہ سے مدد طلب کرتا ہے آہ وبکا فریاد کرتا ہے اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو نافرمانی کرتا ہے۔

اس سورۃ شریف میں آگے اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنے احسانات یاد دلاتے ہوئے اس واقعہ سے آگاہ کرتے ہیں جب آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے مخلوقات کو حکم دیا ان کو سجدہ کرنے کا فرشتوں نے حکم بجالایا اور عزائیل نے حکم کا انکار کیا اور لعنتی قرار دیا گیا اور وہ بغاوت پر اُتر آیا اور اولاد آدم کو خدا کی راہ سے بہکانے اور اس کے حضور رسواء کرنے اور نقصان کرنے کے درپہ ہوگا اس طرح وہ انسانوں کا ازلی دشمن بن گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے گناہوں کی تلافی کا موقع دیتے ہوئے فرمایا ''اے اولاد آدم ہم نے تمہارا لباس پیدا کیا جو کہ تمہارا پردہ ہے اور بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس اس سے بہتر ہے'' (آیت ۲۶) جس طرح لباس بدن کے لئے پردہ ہے اور انسانوں کی شرم وحیا کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور انسانوں کی خوشنودی اور کامیابی کا سبب بنتا ہے اور ظاہری عبادات اور ریاضت سے بہتر تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور انسان کے ظاہر سے اس کا باطن بہتر اور خوشتر ہونا چاہئے۔ انسانوں کے قول فعل اور عمل کے اخلاص میں انسان کی زینت پنہاں ہے اور اس تقویٰ کی پوری وضاحت آگے فرمادی۔ '' اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ پنہاں ہے اور اس تقویٰ کی پوری وضاحت آگے فرمادی'' اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اللہ کی طرف اور عبادت کرو خالص اللہ ہی کے واسطے'' (آیت ۲۹) تقویٰ یہ کہ تمام عبادات محض اللہ کے واسطے ہوں یہ نہیں کہ تمہارا رخ بظاہر کعبہ کی طرف تو ہو اور تمہارا خیال اللہ کی طرف سیدھا نہ ہو وہ یوں کہ تم شک وشبہ غیر یقینی او رشش و پنج میں مبتلا رہو کیونکہ ایمان کا دارومدار اللہ اور رسول ﷺ کے اخبار غیب پر یقین اور ثابت قدمی پر ہے بلکہ یہ ظاہری عبادات اور دکھاوا اور طلب متاع دنیا نام ونمود شہرت کا لبادہ اوڑھ کر تم اللہ کی خوشنودی نہیں پاسکتے اور دنیا میں اپنا دھیان اِدھر اُدھر لگا رہے'' آپ فرمادیجئے میرے رب نے حرام کیا تمام فحش

اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے کہ فرعون کے پاس جاؤ اسے ہماری وحدانیت اور تمہاری نبوت کو پیش کرو تو موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو خوف واندیشے کا اظہار کیا ''سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو قتل کر ڈالیں گے'' پھر اللہ کے کہنے پر فرعون کو معجزے پیش کئے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں دکھادیں مگر فرعون نے نہ مانا اس نے کہا آپ کو جادوگر کہکر آپ کا انکار کیا اور موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے تو اس نے آپ کے اور بنی اسرائیل کے پیچھے لشکر دوڑائے اور کہا کہ ''ان ھولاء لشر ذمۃ قلیلون'' (۵۴) یعنی بنی اسرائیل تھوڑی سی قلیل جماعت ہے جیسا کہ ہر زمانے میں ایمان والوں کو لوگ کہتے آئے ہیں اور کثرت تعداد کو ہی دین ومذہب کی کسوٹی مانا جاتا ہے اور آج یہی طعنہ مہدویوں کو بھی دیا جاتا ہے موسیٰ نے فرعون کا تن تنہا مقابلہ کیا اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ آپؑ نے تن تنہا نمرود اور اس کی قوم کا مقابلہ کیا حالانکہ فرعون اور نمرود طاقتور بادشاہ تھے۔ اور جاہ وجلال اور رتبہ والے تھے۔ اس سورۃ میں اللہ کے ان دو جلیل القدر پیغمبروں کے علاوہ دیگر انبیاء کا ذکر ہے مگر دوسرے انبیاء کے اپنی قوموں سے خطاب میں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے اپنی قوم سے خطاب میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ دوسرے انبیاء خود کو اللہ کے امانت دار نبی بتا کر اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو گواہ بھی پیش کئے گئے ایک قرآن مجید دوسرے امانت دار فرشتہ جبرئیل امین پہلے جو بات ہوتی وہ راست پیغمبر کہتے تھے اب جو بات کہی گئی وہ گواہ اور دلیل کے ساتھ ہوئی ہے۔ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ پیغمبروں نے الگ الگ زمانوں اور الگ الگ مقامات اور موقعوں پر ایک ہی بات دہرایا ہے جیسے نوحؑ نے فرمایا'' کیا خدا سے تم نہیں ڈرتے (۱۰۶) میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں (۱۰۷) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (۱۰۸) اور میں تم سے کوئی دینی صلہ نہیں مانگتا' میرا صلہ تو بس اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے (۱۰۹) سو تم اللہ سے ڈرو میرا کہنا مانو (۱۱۰) وہ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں'' جب ہودؑ نے قوم عاد سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے (۱۲۴) میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (۱۲۶) اور تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے (۱۲۷) قوم ثمود کو صالح علیہ السلام نے فرمایا'' کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے (۱۴۲) میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں (۱۴۳) سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (۱۴۴) قوم ثمود نے صالح علیہ السلام سے کہا'' تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے (۱۵۳) تم تو بس ہماری طرح کے ایک آدمی ہو سو تم کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم سچے

ہو(۱۶۰) جب لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا'' کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے (۱۶۱) میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں (۱۶۲) سو تم اللہ سے ڈرو میری اطاعت کرو (۱۶۳) اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے (۱۶۴) شعیبؑ نے اپنی قوم سے فرمایا'' کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔(۱۷۷) میں اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں (۱۷۸) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (۱۷۹) اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے (۱۸۰) شعیبؑ کی قوم نے کہا'' بس تم پر کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے (۱۸۵) اور تم تو محض ہماری طرح کے ایک معمولی آدمی ہو۔ اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔(۱۸۶) اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو (۱۸۷) سو وہ لوگ ان کو جھٹلایا کئے۔

مگر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ سے کہا جاتا ہے کہ'' یہ کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ ڈرائیں۔ یعنی اللہ سے ڈرنے کے لئے قرآن کافی ہے۔ اور پھر اسی سورۃ کے آیات ۱۹۲ تا ۱۹۷ میں کہا جاتا ہے کہ'' یہ تنزیل (قرآن) رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ اور اس کا ذکر پہلے اُمتوں کی کتابوں میں ہے کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پیشین گوئیوں) کو علمائے بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں۔

انبیائے سابقین سے کہلوایا جاتا ہے کہ'' کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔ اس کے جواب میں ان کی قوموں نے انہیں حقیر اور ذلیل جانا اور ان کو جادوگر اور جھوٹے کہا اور ان سے کہا کہ کوئی فرشتہ آ کر تمہاری گواہی دے اور تم معجزے پیش کرو۔ مگر رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ'' یہ کتاب آپ کہ پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس سے ڈرائیں۔ '' اور پھر آگے کہا گیا کہ'' یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے اور اس کا ذکر پہلے کی کتابوں میں ہے اور یہ بات ان لوگوں کے لئے دلیل ہے اور اس کو علماء بھی جانتے ہیں۔

یہاں سب سے ضروری بات یہ کہی گئی ہے کہ جس نبی آخر الزماں پر یہ کتاب وحی کی گئی ہے وہ پڑھنا نہیں جانتے تا کہ خود ساختہ عالموں اور بال کی کھال نکالنے والوں کو یہ نہ لکھ لی ہے بلکہ اسکو امانت دار فرشتہ جسکو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں ان کے ذریعہ وحی کیا ہے۔'' جو لوگ ایسے رسول نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (۱۵۷)

جو بات نبی اور رسولوں کے توسط سے ہو رہی تھی اسے بعد امانت دار مقرب فرشتہ کے ذریعہ کہا گیا اور پھر کہا جارہا ہے کہ ''ایسے رسول ''نبی اُمی'' کی اتباع کرو جس کا ذکر توریت اور انجیل میں ہے''یعنی پہلے نبی اور رسول کہتے تھے اب پیغمبر آخرالزماں کے ساتھ ایک معتبر گواہ بھی ہے جنہوں نے توریت وانجیل میں پیغمبر آخرالزماں کی بعثت کا مژدۂ جانفزا سنایا تھا آگے زور دے کر اس نبی اُمی سے کہلوایا گیا کہ میں اس اللہ کا پیغمبر ہوں جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

''لوگو میں تم سب کی طرف سے اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو ایسے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ (۱۵۸)

ایک کے بعد دوسری آیت میں ''نبی اُمی'' کا ذکر کرنا اور ان سے کہلوانا کہ میں تم سب کی طرف سے اللہ کا بھیجا ہوا ہوں صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ خطاب اس دور کے انسانوں سے کیا جارہا ہے جو خود کو عالم، فاضل سمجھتے ہیں اور ہر بات کا علم دلیل اور منطق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے انسانوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان کا معاملہ خلوص نیت پر ہوتا ہے نہ کہ علم و منطق کی کسوٹی پر بلکہ ایک نبی اُمی کو تمام زمانوں کے پیغمبروں اور فرشتہ مقرب پر فوقیت شرف انسانیت عطا کیا گیا جیسا کہ پہلے کی قومیں طاقت اور شان والی باغوں، چشموں ولی بدافعال ناپ تول میں کمی کرنے والی وغیرہ ہوا کرتی تھیں اور اس دور میں ان کی الگ الگ خصوصیات تھیں اس طرح علمی قابلیت کا کمال اور انتہا آج کی قوموں کو حاصل ہے اور علم کی اتنی انتہا کسی زمانے میں نہ رہی تھی اور آج دنیا اپنے علمی کمال کی غلام ہے جبکہ ایمان کا معاملہ یقین پر ہوتا ہے۔ اگر یہی علم ان کے شرف کی وجہ ہے تو یہی علم ان کے ذلت کی بھی وجہ بن سکتا ہے۔ قرآن مجید ایسے لوگوں کے لئے اندھے، بہرے اور جانوروں جیسی سمجھ والے اور ان سے بھی بدتر کہا گیا۔ شرف انسانیت کا اعزاز نبی اُمی ﷺ کو ملا۔ علم کے مغرور دعویداروں کو جانوروں سے بدتر کہا گیا۔

''جن کے دل ایسے ہیں جن سے یہ نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے اور یہ لوگ چوپایوں (جانوروں) کی طرح ہیں اور بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں۔ جنہیں جنوں کے ساتھ دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ آیت ۱۷۹ یہاں جنوں کے ساتھ انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابلیس بھی علم و عمل میں درجۂ

کمال کو پہنچا ہوا تھا اور آدم علیہ السلام اللہ کے دئے ہوئے حلم پر عمل کرنے والے تھے اور نبی اُمی علیہ السلام بھی اللہ کے احکام پر بے چوں وچرا عمل کرنے والے تھے نہ کہ علمائے بنی اسرائیل کی طرح دلیل و منطق کے زور پر مباحثہ کرنے والے جو ابلیس کی روش ہے ان لوگوں کو جانوروں سے بدتر کہا گیا جو آنکھیں ہونے کے بعد بھی نہیں دیکھ سکتے اور کان ہونے کے بعد بھی نہیں سنتے یا سمجھتے۔ اس حقیقت کے پیش نظر اسی قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کو دیکھیں۔

''اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی (غیر عربی) پر نازل کردیتے پھر وہ ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا تو یہ لوگ (حد درجہ مخالفت کے) اس کو نہ مانتے۔ ہم نے اس طرح ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے (۲۰۰)

یہ صاف اور کھلا اشارہ ہے کہ اگر ہم عجمی کو مہدی موعود بنائیں گے تو تم لوگ (اہل منطق) اس کی مخالفت کرو گے چاہے وہ اپنے خلیفۃ اللہ ہونے کے کتنے ہی ثبوت اور دلائل پیش کیوں نہ کرے تم لوگ اپنے پیش رو علمائے بنی اسرائیل کی روش اختیار کرو گے انہوں نے نبی اُمی کی مخالفت اس لئے کی کہ کیوں وہ ہم میں یعنی یہود و نصاریٰ میں جو اہل علم و جاہ و حشمت ہیں ان میں کیوں نہیں آیا اور جس طرح نبی امی کی گواہی امانت دار فرشتے نے دی ہے اسی طرح خلیفۃ اللہ مہدی موعود کی گواہ اللہ کی کتاب اور رسول مقبول علیہ السلام کی احادیث مبارکہ پیشین گوئیاں ہیں۔ جس طرح اگلی قوموں نے انبیاء علیہ السلام اجمعین کو جادوگر جھوٹے ہماری طرح کے آدمی' رذیل لوگوں کے رہبر چھوٹی سی حقیر لوگوں کی جماعت قرار دے کر انکا انکار کیا تھا کچھ ایسا ہی خلیفۃ اللہ مہدی موعود علیہ السلام کے بارے میں کہہ رہے ہیں اور بلا تحقیق جانے بوجھے سوچے سمجھے بنا حالانکہ حق اور ناحق کی جستجو اور تحقیق ایمان کا پہلا اصول ہے۔

اور ہم نے اس طرح اس کو قرآن عربی کر کے نازل کیا اس طرح ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ لوگ ڈر جائیں یا یہ قرآن اس کے لئے کسی قدر سمجھ پیدا کردے۔ سو اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ ہے اور وہ مالک ہے برحق' اور قرآن میں قبل اس کے آپ پر وحی پوری نازل ہوچکی جلدی نہ کیا کیجئے اور آپ یہ دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے۔''

''اور اس سے پہلے ہم آدم کو حکم دے چکے تھے سو وہ حکم بھول گئے (غفلت میں پڑ گئے) اور ہم نے ان میں پختگی نہیں پائی'' (طٰہٰ رکوع ٦)

یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں اس قرآن کو ہم نے عربی میں نازل کیا ہے تاکہ ہماری وعید بیان

ہو اور لوگ اللہ سے ڈریں اور ان میں دینی وایمانی سمجھ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے برحق ہیں قدرت والے ہیں وہ چاہتے تو اسے انسانوں کی دوسری زبانوں میں بھی اتار سکتے تھے جو عجمیوں کی زبانیں تھیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کا خطاب رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اُمت کو یہ ہے کہ جلد بازی نہ کریں قرآن کریم کو پوری طرح سمجھیں اور یہ دعا کریں کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے تاکہ ہم میں اس کو سمجھنے کی سمجھ پیدا ہو جائے کیونکہ اس سے پہلے ہم آدم علیہ السلام کو بھی یہ حکم دے چکے تھے وہ نہ صرف حکم بھول گئے اور غفلت میں پڑ گئے کیونکہ علمی لحاظ سے ان میں پختگی نہ پائی اور وہ اللہ کے حکم کو سمجھ نہ پائے۔ اور اب اولاد آدم بھی وہی غلطی دہرا رہی ہے قرآن مجید کے ظاہری احکام کو پڑھ کر خود کو عالم وفاضل سمجھ بیٹھی ہے اس کے باطن میں غور وخوص کرنے کو تیار نہیں اور تو اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بیان کرنے والے کو مبعوث کر دیا تو اس کا بھی انکار کر رہے ہیں۔

''اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفاء ورحمت ہے۔ اور ناانصافوں کو اس سے اُلٹا نقصان بڑھتا ہے۔ (بنی اسرائیل ۹ ع) دیکھئے کیسے لطیف اشارے اللہ تعالیٰ دیتے ہیں یہاں بات قرآن اور قرآن پر عمل کرنے والوں کی ہو رہی ہے اور قرآن میں ایسی چیزیں یا پیشین گوئیاں نازل کئے جانے کی بات ہے جو ایمان والوں کے حق میں شفاء ورحمت ہے اور ناانصافوں کو نقصان ہونے کی بات بتائی ہے۔ اور جو لوگ عدل نہیں کرتے ناحق اللہ کے خلیفوں کی باتوں میں تکرار اور اعتراض کرتے ہیں وہ نقصان اُٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دعوت تحقیق دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو جس طرح اگلی اُمتوں کی کتابوں میں نبی اُمی کا ذکر ہونے کے باوجود علمائے یہود ونصاریٰ نے ان دیکھی کی تھی اس طرح تم بھی قرآن مجید کی نشانیوں اور پیشین گوئیوں کو ان دیکھی تو نہیں کر رہے ہو اگر ایسا ہے تو مباہلہ کیوں نہیں کرتے یعنی اس معاملہ کو اللہ کے ذکر سے پانے کی کوشش کرو۔

''یقیناً جب لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں جب ان کو شیطان سے وسوسہ لگتا ہے تو اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (۲۰۲) مہدی موعود کی تعلیمات میں ذکر اللہ کے تلقین کے ذریعہ دیدار کے لئے آنکھیں کھولنے کی ہی تو بات ہے۔ فرمان مہدی موعود علیہ السلام ہے'' جو کچھ بندہ کہتا ہے اس پر عمل کرو تاکہ بینائی حاصل ہو۔ مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اُمی کا سینہ صاف ہوتا ہے جو سنتا ہے دلنشین ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' وہ وہی ہے جس نے اُمیوں میں رسول کو بھیجا (جز ۲۸ ع ۱۱)

049

قرآن کہہ رہا ہے کہ ''اُمیوں میں رسول کو بھیجا'' مہدی علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اُمیوں کا سینہ صاف ہوتا ہے جو سنتا ہے دل نشین ہو جاتا ہے۔ یعنی اُمی کا سینہ علم منطق اور دلائل کی کدورت سے پاک ہوتا ہے اور وہ ایمان کی بات کو جو اطلاعات مغیبہ سے متعلق ہوتی ہیں خلوص کے ساتھ قبول کرتا ہے اور یہاں پر مہدیؑ کی اس نقل مبارک کو بھی ذہن نشین کرنا ہوگا'' روایت ہے کہ حضرت میاں نعمتؓ نے حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے علم پڑھنے کی اجازت چاہی حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا اگر اس سے پہلے علم پڑھے ہوتے تو مجھ کو قبول نہ کرتے'' (۱۵۸) اس سے پہلے علم پڑھے ہوتے تو کہا ہے اور قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرماتا ہے۔'' اور اس سے پہلے آپ نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے کہ یہ باطل پرست لوگ شک وشبہ میں پڑتے (العنکبوت ۴۸)

علم پڑھا ہوا شخص شش و پنچ بے یقینی دلیل و منطق میں الجھا ہوا رہتا ہے جبکہ اُمی جوں کا توں احکام خدا کو پیش فرماتا ہے۔ اور قرآن مجید کی بات پورے وثوق کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے جس طرح سابقہ انبیاء کے پاس احکام بھیجے گئے اس کو امانتاً انہوں نے تم تک پہنچایا تاکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرائیں اسی طرح قرآن مجید نبی اُمی کے ذریعہ تم تک پہنچایا گیا اور اس پر ایک امانت دار فرشتہ گواہ ہے اور اس کا ذکر پہلی اُمتوں کی کتابوں میں ہے جو دلیل ہے علماء کے لئے اور یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ مہدی موعود علیہ السلام نے اس قرآن مجید کو گواہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے اپنی مہدی موعود ہونے کے دعوے کو پیش کیا تھا اور گواہ کے طور پر اتباع محمد ﷺ کی پیروی بتایا وہاں پر رسول اللہ ﷺ داعی اور جبرئیل امین اور پہلی امتوں کی کتابیں گواہ' یہاں پر مہدی علیہ السلام ہادی اور قرآن اور رسول گواہ۔

یعنی ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اقرار اور احکامات کی تکمیل کی گواہ کی بنیاد امانت دار نبی رسول پیغمبر جو اللہ تعالیٰ کے خلیفے ہوا کرتے تھے اور مقرب فرشتہ اور اللہ کی کتابیں اور صحائف آسمانی ہی ہوا کرتے رہے ہیں۔ علم دلیل اور منطق کی بنیاد نہیں جو ابلیس کی روش ہے۔ فرشتے اور دوسری مخلوقات احکام خدا کی اطاعت کی پابند ہے ابلیس اور اس کے ہمنوا علم اور دلیل کے پابند ہوتے ہیں۔

اب تو یہ اصول ہی بن گیا ہے کہ کوئی مفتی یا عالم آپ کو سرٹیفکیٹ دے گا تو آپ ایمان والے ہیں ورنہ آپ کا ایمان گیا کہ گویا خدائی معاملات اب اللہ تعالیٰ نے ان عالموں کے سپرد کر دئے ہیں اب تو نجدی' بقوی' وہابی' قاسمی' زندیقی اور لعنتی لوگ نہ جن کے ایمان کا پتہ نہ ذات کا مہدویوں کو فرقہ باطلہ کہتے ہیں اور مہدی موعود کی شان میں گستاخی کرنے سے نہیں چوکتے۔ حالانکہ علم وادب کا معیار اپنے مد مخالف

کے ساتھ حسن سلوک شریفانہ انداز تخاطب ہوتا ہے اب ان شرعی اور زرین اصولوں کو بالائے طاق رکھنے والے خود کو مفتی اور علامہ کہلوا رہے ہیں اور ہم میں کا وہ طبقہ جو خود کو ذمہ دار کہتا ہے مہدی موعود علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی شان میں قصیدے پڑھ رہے ہیں شہرت اور واہ واہی کا جنون سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ہر زمانے میں اہل باطل بقوی' نجدی' زندیقی' لعنتی لوگ اللہ کے خلیفوں کو جھوٹے 'سحر زدہ' حقیر جماعت اور ہوش پر قائم نہ رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر' جذبہ اور استغراق میں رہنے کو مافی الضمیر کی لغزش ہونا قرار دیتے آئے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں ہم یہ شعر کہہ سکتے ہیں۔

وہ اپنی حرکتوں سے باز آیا ہے نہ آئے گا

اُسے ہم کنکری مار کر شیطان کردیں گے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی نشاندہی کرتے ہوئے آگاہ کردیا ہے کہ "اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقے کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنادیئے گئے۔ (جز ۴ ع ۱)

یہاں خبر دار کیا گیا کہ صرف مشرک و کافر ہی نہیں وہ فرقے جن کو کتاب دی گئی ہے وہ بھی مومنوں کو کافر بناتے ہیں ایمان والوں کو ان ظاہری طور طریق کے مسلمانوں سے ہوشیار رہنا ہوگا یہ لوگ اللہ رسول اور قرآن کی باتیں بتا کر لوگوں کو کفر میں مبتلا کرتے ہیں۔ شریف النفس لوگ ان لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں جس طرح ابلیس کی باتوں میں آدم آ گئے تھے جن کے باپ اداد کا پتہ نہیں جن لوگوں کے پاس ہادئ برحق رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال کا لحاظ نہیں ہے اولیاء و صالحین کا لحاظ نہیں' انہیں بدعتی خیال کرتے ہوں وہ مہدی موعودؑ کا کیا لحاظ کریں گے جو ان کے علم اور عقل کی کسوٹی پر پورا اترا وہی مسلمان باقی سب بے دین اصل میں یہ بے ڈھنگے بے دین ہیں۔ یہی روش تو یہود و نصاریٰ کی رہی ہے ابولہب کے سامنے رحمت العالمین ﷺ کی ذات شریف موجود تھی اس نے آپ ﷺ کو اللہ کے نبی ﷺ نہ مانا جبکہ وہ جانتا تھا آپ ﷺ برحق ہیں انکار کیا اب مہدئ موعودؑ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد پانچ سو سال بعد کوئی آپ علیہ السلام کو مہدی نہ ہونے کی سرٹیفکیٹ دینے بیٹھتا ہے تو وہ کوئی مومن تو نہیں ہوسکتا ہاں۔ بقوی' قاسمی' نجدی' زندیقی اور لعنتی ہوسکتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں۔

"تمام مخلوقات نفسانی خواہشات میں مبتلا اور خداوند تعالیٰ کی رضا و خوشنودی سے روگرداں

ہے زمانے کے علماء اور وقت کے مدعی تک راہ راست کے خلاف چل رہے ہیں اس زمانے میں لوگوں نے اپنی خواہشاتِ نفس کا نام شریعت رکھ لیا ہے۔ حب جاہ کا نام عزت' تکبر کا نام علم' دکھاوے کی عبادت کا نام تقویٰ' کینہ کو ظاہر کرنے کے بجائے اس کو دل میں پوشیدہ رکھنے کا نام حلم' مجادلہ ومناظرہ اور نہایت کمینگی کے ساتھ محاربہ کرنے کا نام عظمت' نفاق کا نام زہد' جو منہ میں آئے اسے بک دینے کا نام معرفت' نفسانیت کا نام محبت' الحاد کا نام فقر جحود (انکار حق) کا نام صفوت' زندیق ہو جانے کا نام فناء اور جناب نبی کریم ﷺ کی شریعت کو ترک کر دینے کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ یہاں تک کہ اربابِ معانی (اصل اہل حق) ان جہلاء سے اسی طرح مغلوب ہو گئے ہیں جس طرح خلافت راشدہ کے سقوط کے بعد اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پر آل مروان نے غلبہ حاصل کر لیا تھا''

اس کے بعد حضرت علی ہجویریؒ جن کا سنہ پیدائش ۴۶۵ھ ہے یہ دعا کرتے نظر آتے ہیں جو آج کے حالات کی پوری عکاسی ہے''ایسے حالات میں حق جل جلالہ کے سوا کون ہے جو اُس چیز کو لانے کا ارادہ اور اس کے اسباب پیدا فرمائے جسے اہل زمانہ کھو چکے ہیں جس کے ارادت مند تک اس کے ظہور پذیر ہونے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور جس کے عارفین کی معرفت بھی اس کے وجود سے جدا ہو چکی ہے''

پانچویں صدی ہجری کے بعد کے اہل اللہ کونسی چیز اور اس کے اسباب کو پیدا کرنے کا دعا اللہ تعالیٰ سے فرما رہے ہیں؟ وہ وہی چیز اور اس کے اسباب ہیں جس کا وعدہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا تھا۔ ثوبانؓ سے روایت ہے''پس جب تم اسے دیکھو (مہدی) تو اس سے بیعت کرو اگرچہ کہ تمہیں برف پر سے رینگنا ہو پس تحقیق کہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے''

اور جب اللہ تعالیٰ نے مہدی موعودؑ کو مبعوث فرما دیا تو اہل باطل جن کے اخلاق وعادات کا نقشہ حضرت ہجویریؒ نے کھینچا ہے''چراغ پا ہو گئے کہ ہم دنیا داروں میں ایمان کی باتیں بتانے والا کیوں آ گیا کہ اب ہماری مشیخیت اور علم دانی کی دوکان پھیکی پڑ جائے گی اور آج تک اپنے ناپاک منصوبوں' فتوؤں کے ذریعہ نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہمارے اندر کے بھیڑ کی کھال کے بھیڑئے ان کی چاپلوسی اور قدمبوسی میں زمین کے اندر دھنسے چلے جا رہے ہیں۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو حقارت سے تھوڑی سی جماعت کہا' نوحؑ اور ان کی قوم نے رذیل لوگوں کی جماعت کہا۔ قوم ہود قوی طاقت والی اور باغوں' چشموں کی مالک تھی ظالم وجابر قوم تھی ان کو اپنی طاقت اور قوت پر گھمنڈ تھا' قوم ثمود بڑی طاقت ور تھی پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتی اور باغوں چشموں کی

مالک تھی انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا قوم لوطؑ بدفعلی میں مبتلا تھی۔ شعیبؑ کی قوم ناپ تول میں کمی کیا کرتی تھی۔ اور رسول مقبول ﷺ کی قوم جس کا زمانہ قیامت تک کا ہے علم تحقیق اور جستجو دلیل اور منطق کی علم بردار دعویدار ہیں اسی لئے انہیں سرچشمہ علم قرآن مجید کے ذریعہ ڈرانے کی بات کہی گئی اور اس میں کسی بھی بات کو بتائے جانے میں یا سمجھنے میں تنگی نہیں ہوگی۔ جس کو ایک امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے اگر اس میں خلوص نیت کے ساتھ جستجو اور تحقیق کی جائے تو ایمان پر قائم رہنے میں کوئی پریشانی نہیں۔ کیونکہ تمام باتیں صاف ہوتی چلی جائیں گی اور قرآن مجید کی ہر آیت مبارکہ حق کے متلاشیوں کی رہبری کرتی رہے گی۔ اس کے لئے ہمیں کسی دنیادار عالم کی رہبری کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی ہماری تضحیک کرتا ہے یا مہدی موعود علیہ السلام پر خاکم بدہن نازیبا الفاظ کا استعمال کرتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں۔ ولا یخافون لومة لایم ذلک فضل الله یوتیه من یشاء (۵:۵۴) یعنی اللہ کے خاص بندے ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور یہ صفت اللہ کے فضل کے بغیر پیدا نہیں ہوتی اور انسانوں کی ملامت قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

اگر رسول اللہ ﷺ کے عربی ہونے پر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو اعتراض ہوسکتا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ میں کیوں نہیں بھیجے گئے تو مہدی موعود علیہ السلام کے عجمی ہونے پر اہل قرآن کو باوجود اس میں شواہد و دلائل ہونے کے اعتراض ہوسکتا ہے۔ ہم کو تو بس تلاش حق سے سروکار ہونا چاہئے اگر ہمیں تعلیمات مہدیؑ میں ایمان اور احسان کی رہنمائی مل رہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے تو یہ ہمارے لئے کافی ہے۔

"ہم نے انسان کو راہ دکھادی اب اس کا جی چاہے شکر گذاری کی روش اختیار کرے اور جی چاہے نافرمانی اور نمک حرامی کی راہ اختیار کرے (۷۶:۳)

حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ "ایمان ذات خدا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے ولایت محمدیہؐ کے ان احکام کو بیان کرنے کے لئے مبعوث کیا ہے جو کہ مہدیؑ سے متعلق ہیں" (نقلیات میاں عبدالرشید ۲۲۰) ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہے۔ جس میں ہیت ماہیت اور تشبیہ کو دخل نہیں وہ لامحدود ولازوال ہے۔ "لیس کمثله شیء" "اس کو کوئی مثل نہیں وہ واحد وا یکتا ہے" اور ولایت محمدیہؐ جو مہدیؑ سے متعلق کیا ہیں اس کے بارے میں مہدی علیہ السلام فرماتے ہی۔ "نیز مہدیؑ نے فرمایا جو کچھ بیان کیا جاسکتا ہے وہ سب شریعت ہے اور حقیقت بیان میں نہیں آسکتی" (۲۲۶ نقلیات میاں عبدالرشیدؒ)

053

اس حقیقت کے بیان کو سمجھنے کیلئے مہدی موعود علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی میں قرآن کریم کی سورۃ طٰہ کی ۷ویں رکوع کی یہ آیات دیکھیں جس میں آدمؑ وحواؑ کو حکم عدولی کی پاداش میں جنت سے اُتارے جانے کے بعد اولاد آدم سے اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے جس طرح آدم نے حکم عدولی کی اس کے بعد دوسری قوموں نے انبیاء سابقین کی باتوں کو نہیں مانا اس طرح تم اہل قرآن رسول ﷺ کی طرف وحی کیئے گئے احکامات کو نہ سمجھ کر حکم عدولی کرر ہے ہو جبکہ تمہاری سہولت اور آسانی کے لئے ہم نے قرآن کریم کے باطن کے بیان کرنے والے ہادی کو تمہارے درمیان بھیج دیا اور انہوں نے بیان بھی کیا اور ایمان والوں نے آمنا وصدقنا کہا ہے۔

''اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو شخص میری اس ہدایت اتباع کرے گا تو وہ گمراہ نہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا۔ اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہے (اس کے سوچ سمجھ کی تنگی علم وعمل کی تنگی، دل ودماغ کی تنگی جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وسعت کا غلط اندازہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو محدود سمجھے گا)

اور قیامت کے روز ہم اس کو ''اندھا'' کرکے اٹھائیں گے وہ کہے گا اے میرے رب آپ نے مجھے کیوں اندھا کرکے اٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا تو ارشاد ہوگا کہ ایسے ہی تیرے پاس ہمارے احکام (حق بینی کے ذرائع) پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسے ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جائے گا (ایسے ان کو آخرت میں بھی دیدار الٰہی نصیب نہ ہوگا) اور اس طرح ہم سزا دیتے ہیں جو حد سے نکل جاتے ہیں اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لاوے'' اور آگے فرمایا ہے ''اس (قرآن) میں تو اہل فہم کے لئے دلائل موجود ہیں''

نقل ہے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''میں اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کردینے سے عاجز نہیں ہوں لیکن عالم احمق کی تفہیم سے عاجز ہوں''

ہمیں اس علم کی حقیقت سے انکار نہیں ہونا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری میں ہمارا مددگار ہو اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی قربت اور معرفت سے متعارف کرائے اور اس علم سے احتیاط اور انکار ہونا چاہئے جو خدا کی حکم عدولی اور اللہ کی معرفت سے ہمیں بے نیاز کرتا ہو۔ اور حدیث نبوی ﷺ اس پر گواہ ہے ''اے اللہ! میں اس علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع دینے والا نہ ہو'' 0000

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

یُسبّحُ لَہٗ

قرآن کریم کو اطمینان قلب سے پڑھنے کے بعد ایک حقیقت صاف نظر آتی ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کی بزرگی برتری اور عظمت اور مخلوقات کی بے بسی کسمپرسی بے بظاعتی اور تحقیر، لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰت وَ مَافِی الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں'' (بقرہ ۲۸۴ ع ۳۹) اَلشَّمسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجمُ وَالشَجَرُ یَسْجُدٰنِ سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں اور بوٹیاں اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (الرحمٰن ع ۱) وَلَا یُحِطُوْنَ بِشَیءٍ مِنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ موجودات اُس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر وہ چاہے......وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیم. وہ (اللہ تعالیٰ) عالی شان اور عظیم ہے (بقرہ ع ۳۴) اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اُیُخرِجُھُمْ مِنَّ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے (بقرہ ع ۳۴) یہ چند آیات اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور عظمت بیان کرتی ہیں۔

مگر جب مخلوق خصوصاً انسان کے اطاعت اور بندگی کی بات آتی ہے تو اللہ فرماتے ہیں ۔وَمَا اُتِیتُمُ مِنَ العلم اِلَّا قَلِیلاً تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُومِنُونَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللہِ وَمَلآئِکَۃٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ایمان لاتے ہیں پیغمبر (محمد ﷺ) پر ساتھ اُس چیز کے جو اُن پر اُتاری گئی (قرآن) جو ان کے رب کی طرف سے اور مومن سب کے سب ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور رسولوں پر (جو پہلے گذرے ہیں) (بقرہ ع ۴۰)

اور تم عالم الغیب پر ایمان لاؤ اور خالق الخلایق کی تسبیح و تحمید میں لگے رہو۔ وہ اس لئے کہ خَلَقَ الانِسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ پیدا کیا انسان کو نطفے سے (النحل ع ۱) وَلقَدْخَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلۃٍ مِنْ طِیْنٍ . ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِی قَرَارٍ مَّکِیْنٍ . ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃٍ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغۃً فَخَلَقْنَا الْمُضغَۃَ عِظْماً فَکَسَوْنَاالْعِظٰمَ لَحماً ثُمَّ اَنْشَانہُ خلْقًا اٰخرَ . فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِین

. ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ . ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ .

اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا اور پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنادیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو بوٹی بنایا اور اس بوٹی کو ہڈیاں بنایا اور پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا اور پھر ہم نے اس کو ایک مخلوق بنایا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اس کی جو ہے تمام پیدا کرنے والوں کا اور پھر تم بعد اس کے ضرور مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

وَ اِنْ تَعُدُّوْ اِنعمَۃَ اللّٰہِ لَاتُحْصُوْھَا اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو گن نہ سکو (ابراہیم نحل) اِنَّ اللّٰہَ عَلِمٌ بِمَا کُنْتُمْ تَعمَلُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے (نحل ع ۳) وَھُوَالَّذِیْ اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحِییکُمْ وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی ہے پھر تم کو موت دے گا (حج ع ۹) اَلَم تَعْلَمْ اَنَ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْ السَّمَآءِ وَالْاَرضِ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں (حج)

قرآن مجید کے بیان کی ان دو مختلف کیفیات کو بار بار دھرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی صورتیں بنائیں، کالا گورا بنایا، چھوٹا بڑا بنایا، خوبصورت بدصورت بنایا، ذہین بنایا، بیوقوف بنایا اور جانوروں کی قسمیں بنائیں۔ جن کی انگنت اقسام ہیں ان میں بے انتہا فرق ہے۔ ظریفہ زیبرا سے نہیں ملتا، ہاتھی گینڈے سے نہیں ملتا، شیر چیتے سے نہیں ملتا۔ شیر چیتے سے نہیں ملتا، ہرنوں کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک چڑیا دوسری سے نہیں ملتی، سانپ بچھوں سے نہیں ملتا، تتلی کیڑے مکوڑو سے نہیں ملتی، ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے الگ، ندی دریا سے نہیں ملتی، دریا سمندر سے نہیں ملتا، دانہ دانے سے نہیں ملتا، چاند سورج سے نہیں ملتا، ستارہ ستارے سے نہیں ملتا، ایک کہکشاں دوسرے سے نہیں ملتی، آب و ہوا ایک دوسرے سے نہیں ملتی، آواز آواز سے نہیں ملتی، خوشی غم سے نہیں ملتی، قہقہہ ماتم سے نہیں ملتا۔ غرض ہر ایک کی ہستی جدا، کیفیت جدا، خاصیت جدا، ماہیت جدا، کسی میں کوئی مماثلت نہیں۔ عظیم تر ہے وہ ذات جس نے اس کارگاہ کائنات کے منظر کو دلکش ترین کردیا۔ کس لئے اور کیوں؟

لیکن! ان سب میں ایک یکسانیت ہے، وہ ہے زندگی اور موت کی۔ ہر چیز پیدا ہوتی ہے تو فنا ہی ہوتی ہے۔ کسی کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا، انسانوں کو جانوروں کو چرندوں پرندوں کو حشرات کو پیڑ

پودوں کو پہاڑ کو ندی کو نالے کو حتیٰ کہ چاند سورج کو ستاروں کو کہکشاں کو موت آئے گی، فنا ہونا ہی ہے۔

لیکن اس زندگی اور موت کے درمیان ان سبھی کو ایک ذمہ داری دی گئی ہے اور وہ ہے ''یُسَبِحُ'' ان تمام کو اللہ کی پاکی بیان کرتے رہنا ہے، ہر لحہ، ہر آن، چاند سورج کو، ستارے و کہکشاں کو، سمندر اور دریا کو، ندی اور نالے کو، پہاڑ کو، پیڑ پودے کو، آب و ہوا کو، اجالے کو، اندھیرے کو، جانور، چرند، پرند اور تو اور فرشتوں کو اپنے اپنے طور پر اللہ یعنی خالق عظیم کی تعریف یا تسبیح کرتے رہنا ہے۔ یُسَبِّحُ لَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض (اللہ) کی پاکی بیان کرتی ہیں ''جو کچھ'' آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہیں (حشر) اور اللہ تعالیٰ نے سب کا اندازہ مقرر کر دیا تا کہ ہر شئے اپنے طور پر اپنی تسبیح میں مصروف رہے۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَضَعَ الْمِیْزَانَ اور آسمان کو بلند کیا اور رکھی ترازو (رحمٰن) وَالْاَرضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ اور اسی نے خلقت کے واسطے زمین کو (اس کی جگہ) رکھدیا (رحمٰن) ہر چیز کا اندازہ اللہ نے مقرر کر دیا تو ازن نہ بگڑے، ہر چیز اپنے مقام پر اپنی ذمہ داری نبھائے جیسے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ تا کہ وہ زبان سے تسبیح و تمجید کرے اور اللہ کی نعمتوں کو جھٹلانے کے بجائے وہ شکر ادا کرے۔ کیوں کہ اس کے شرف کے مطابق اس کی آرائش اور سہولت کا سامان مہیا کرا دیا گیا ہے جیسے کھجوریں، خوشوں والی، اناج بھس والا، موتی مونگے جواہرات اور کشتیاں پانی پر معلق کھڑی ہیں، تمہاری سہولت کے لئے، تم اللہ کی نعمت کا شکر ادا کیا کرو اور اس کی تسبیح و تمہید کرتے رہو ایسا کر کے تم خود پر احسان کر رہے ہو، اللہ پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہو۔ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ برکت والا ہے نام آپ کے رب کا جو عظمت والا ہے اور احسان کرنے والا۔ (اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اس کے اچھے اچھے نام ہیں) ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''مفردون' سبقت لے گئے صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! مفردون کون لوگ ہوتے ہیں؟ فرمایا ﷺ نے جو اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں (مسند حنبل ۸۲۷۳) اور رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے پیغمبر! جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اسکی خوشنودی چاہتے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ کیجئے۔ بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے فرمایا'' قرآن پڑھنے والے کے درمیان نور کا پردہ حائل ہو جاتا ہے اور ذکر اللہ سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے''

کائنات کا ہر ذرہ، ہر شئے، ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف ہے۔ حضرت ابو درداؓ اور

سلمان فارسیؓ ایک دفعہ اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ان کا برتن (اللہ کی) تسبیح پڑھ رہا تھا جو انہیں سنائی دے رہی تھی۔

قرآن کریم میں کسی اور مخلوق سے اتنا خطاب نہیں کیا گیا جتنا انسان سے ایسی کونسی بات ہے جو انسان کو دوسری مخلوق پر اس کے شرف کو ظاہر کرتی ہے اور اسے ممتاز کرتی ہے کیوں کہ تمام خلایق پر اللہ تعالیٰ نے اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ وہ اس سے زیادہ کرتے ہیں نہ کم وہ اپنے حدود سے آگے نہیں بڑھتے لیکن انسان کا کوئی اندازہ مقرر نہیں ہے۔ اللہ نے اسے علم دیا ہے وہ چاہے کوتاہی اور گناہ کر کے عطاب اور عذاب کا مستحق ہو جائے یا بے حساب تسبیح اور تحمید کر کے دوسری مخلوقات میں اپنا شرف ظاہر کرے یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ بے حساب پانا چاہتا ہے یا تنگ دامن رہنا چاہتا ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا　　　ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

فرشتوں پر انبیاء و اولیاء کی فضیلت کے باب میں حضرت علی ہجویری علیہ رحمہ فرماتے ہیں۔

ان (فرشتوں) کی خلقت اور پیدائش میں شہوت نہیں، اسی طرح ان کے دل میں نہ حرص فساد ہے اور نہ ہی ان کی طبیعت میں حیلہ و بہانہ نہیں ...... حق تعالیٰ کی اطاعت ان کی غذا ہے اور حق تعالیٰ کے فرمان پر قائم رہنا ان کا طریقہ...... لیکن آدمی کی سرشت میں شہوت ملی ہوئی ہے اس کے وجود میں ارتکاب معاصی کا احتمال موجود ہے۔ اس کے دل میں دنیا کی زینت اثر انداز ہے، لالچ اور حیلہ سازی اس کی طبیعت میں منتشر ہے اور پھر یہ کہ شیطان کو اس کے جسم میں اس قدر غلبہ حاصل ہے کہ وہ اس کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور مزید برآں تمام گناہوں کو دعوت دینے والا نفس اس کے ساتھ ملا ہوا ہے...... پس جس کسی کے وجود میں یہ تمام وصف موجود ہو وہ اگر غلبہ شہوت کے باوجود فسق و فجور سے پرہیز کرے اور حرص کی موجودگی کے باوجود گناہوں سے اجتناب کرے اور نفسانی فسادات سے ردگرداں ہو کر عبادت پر اقامت کرنے اور اطاعت پر ہمیشگی کرنے اور نفس پر مجاہدہ کرنے اور شیطان کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مشغول ہو جائے تو دراصل یہ شخص اس فرشتے سے افضل ہو گا کہ جس کی صفت میں شہوت کی معرکہ آرائی نہ ہو جس کی طبیعت میں غذا اور لذتوں کا ارادہ نہ ہو اور نہ اسے بیوی بچوں کا غم ہو اور نہ خویش و اقارب کی فکر نہ اسباب و آلات کی احتیاج ہو اور نہ ہی وہ امیدوں و آرزوؤں میں مستغرق ہو......(ایسے انسان کی فرشتوں پر فضیلت ہے)

انہیں اوصاف حمیدہ کا انسان میں جمع ہو جانا اسے شرف خلایق کے اعزاز کے لئے ممتاز کرتا

ہے۔اب بات رہ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح تحمید اور پا کی کے بیان کی یہ ہو تو کس لئے ہو اور کیوں ہو یہ خود اللہ رب العزت سے سنئے "هُوَاللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَج عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۔ وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود بننے کے لائق نہیں۔ وہی جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا۔ وہی بڑا مہربان رحم والا ہے۔ هُوَاللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَج اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُوءُ مِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ۔ وہی اللہ معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بادشاہ ہے (اور کوئی نہیں) بہت پاک ہے (سب عیبوں سے) سلامت ہے (سب عیبوں سے) امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے (ہماری اچھائیوں اور برائیوں پر نظر کئے ہے) اس کی قدرت غالب (حاوی) ہے تمام کائنات پر کوئی بھی گوشہ یا ذرّہ اس کی موجودگی سے مبرہ نہیں، زبردست خرابی کا درست کرنے والا متکبر ہے اور بڑی عظمت والا ہے، وہ تمام شرک اور عیبوں سے پاک ہے۔ هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِیءُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی. وہ معبود برحق ہے پیدا کرنے والا (تمام خلایق کو) اور ہر شئے کا درست کرنے والا صورتیں بنانے والا (ہر چیز کو حکمت کے موافق بنانے والا) واسطے اسی کے ہیں اچھے اچھے نام اور تمام خلایق اس کی تسبیح کرتی ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہیں (کیوں کہ) وہی زبردست حکمت والا ہے (سورۃ حشر)

اس کے اچھے نام اس کی اعلیٰ صفات کے مظہر ہیں، انسان ان صفات کی تسبیح و تحمید کر کے ان صفات کا مظاہرہ کر سکتا ہے کیوں کہ خلیفۃ اللہ ہونے کے ناطے وہ خلایق عالم میں اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّی جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ ع ۴) اور ان صفات پر عمل کر سکتا ہے۔

لیکن! لیکن!! وہ اس کی ذات کا مظہر نہیں بن سکتا۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہی شرک ہے یہی اس کی خرابی ہے، یہی بغاوت ہے، یہی اس کی ذلت کا سبب ہے" جو لوگ روشنی سے اندھیروں کی طرف جاتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے" کیونکہ انسان یا اور کوئی مخلوق وہ نہیں کر سکتی جو اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے ،صرف اللہ غالب حکمت والا ہے کیونکہ اللہ ہی عالی شان اور عظیم ہے وَهُوَالْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ. اور تمام موجودات اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علم میں نہیں لا سکتی مگر جس قدر وہ چاہے۔ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْ ءٍ مِنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ (بقرہ)۔ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں علم حقیقت تین ارکان پر مشتمل ہے (۱) ذات الٰہی اس کی وحدانیت اور اس سے تشبیہہ کی نفی کا علم (۲) اللہ تعالیٰ کے

صفات اوراس کے احکام کاعلم (۳) اللہ تعالیٰ کے افعال اوران کی حکمت کاعلم
قرآن مجید کے یہ چند آیات یہاں پیش کرنے کا ہمارا مقصد یہ ہے کہ کیا قرآن کا وردا ور تلاوت کر لینے اور نماز میں سجدہ سجود ادا کر لینے سے حق ادا ہو گیا؟ ویسے حقوق اللہ تو بہت ہیں لیکن یُسَبِّحُ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. میں ایک صاف اور واضح پیغام ہے۔ اسی یُسَبِّحُ لَهٗ کے ذریعہ انسان اشرف الخلایق کا مقام پاسکتا ہے۔ کیونکہ ذکر اللہ تمام کامیابیوں اور روحانی بلندی کی کنجی ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کے خالق کُل ہونے اور انسان کے مخلوق ہونے کا اعتراف ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مہدیؑ موعود کو دین کو زندہ کرنے والے کہا ہے۔ روز ازل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مختلف طریقے اور کیفیات رہی ہیں لیکن ذکر اللہ کی نہ کیفیت بدلی نہ طریقہ بدلا۔ ہر دور میں انسان نے ذکر اللہ کی لذت اور چاشنی کو محسوس کیا ہے اور اسی لذت کو پانے کی کوشش میں کبھی کبھی وہ خانقاہیت، تپسیہ اور آواگوان اور یوگہ کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر وہ بدعت اور شرک کی راہ اختیار کر گیا۔ کیوں کہ اس راہ میں ایسے مراحل سے انسان گزر جاتا ہے کہ اگر اس کی صحیح تعلیم اور رہبری نہ ہو تو اس کا بے اختیار ہو جانا یقینی ہے۔ بزرگوں سے روایت منقول ہے کہ ایک برادر (نماز میں) دیر سے آئے، امام کے دوسرے سلام کا انتظار نہ کیا کھڑے ہو گئے۔ یہ بات دوسرے برادروں نے مہدیؑ موعود علیہ السلام کو بتائی آپؑ نے ان سے سبب دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ امام کو سجدۂ سہو نہیں ہے۔ مہدیؑ موعود علیہ السلام نے فرمایا یہ کشف نہ ہوتا تو اچھا تھا تم رسول ﷺ کی سنت کے خلاف نہ کرتے۔

رسول اکرم ﷺ طبیب حاذق تھے۔ لوگوں کی آنکھوں میں دیکھ کر چہرے کو پڑھ کر اس کے ایمان شرک اور کفر کا اندازہ کر لیتے تھے اور اس کا علاج فرمادیتے۔ مہدیؑ موعودؑ ایک جراح کی طرح نفس امارہ پر ضرب لگا کر عمل اور ذکر اللہ کے ذریعہ ایمان کی پیوندکاری فرمائی تا کہ بندہ ملکوت و جبروت سے آگے بڑھ کر لاہوت میں اپنا مقام پیدا کرے۔ اسی سے ایمان کی تازہ لہر روحوں میں دوڑ گئی اور مصدقوں نے بقا میں نہیں فناء میں سکون محسوس کیا اور شہروں، آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں صحراؤں اور بیابانوں میں اپنے مسکن بنائے۔ ہجرت عزلت از خلق تقویٰ وتوکل اختیار کیا تا کہ ذکر اللہ میں کوئی شئے مانع نہ ہو اور صدیوں بعد بھی لوگوں نے ایمان کی اس حرارت کو محسوس کرتے ہوئے اس گروہ کو معلیٰ اعلیٰ کے فرشتے کہا اور انہیں پاکان حق کا تذکرہ کرنے میں روح کی تسکین محسوس کی۔

"یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ. (ابراہیم

۸۲)اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کوحق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت سلمان فارسیؓ ان لوگوں میں تھے جو اللہ کا ذکر کرتے تھے۔رسول اکرم ﷺ انؓ کے قریب پہنچے جس پر انہوں نے آپ ﷺ کی تعظیم کا ارادہ کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا تم کیا کام کر رہے تھے؟ میں تم پر رحمت اُترتی دیکھ رہا تھا تو چاہا کہ میں بھی شریک ہوجاؤں (المستدرک۔حاکم)

تعلیمات مہدی موعود علیہ السلام کا غور سے جائزہ لیں ہر عمل اور تعلیم میں **یُسَبِّحُ لَہٗ**، کی طرف رہنمائی اور عمل کا جتن کیا گیا ہے جیسے ''ہجرت'' جو لوگ ضعف دین مبتلاء ہوتے ہیں ان کے لئے ہجرت سوغات سے کم نہیں۔اللہ تعالیٰ کی وسیع زمین کا مشاہدہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کا ذکر کریں ''صحبت صادقین''ایمان والوں کی صحبت، ذکر اللہ کی طرف مائل کرتی ہے۔''ترک دنیا''انسان کے دل میں جب دنیا کی بے ثباتی یقینی ہوجاتی ہے جب اسے یہ اندازہ ہوجائے کہ میں محض ایک نطفے اور خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا گیا ہوں اور جب میری روح جسم سے نکل جائے گی تو مٹی میں دفنا دیا جائے گا اور میرا جسم گل سڑ کر بدبودار ہوجائے گا اور کیڑے مکوڑے اور حشرات میری تکہ بوٹی کریں گے اور نوچ نوچ کر کھا جائیں گے، جسم تو مٹی سے بنا تھا اسے پامال ہونا ہی تھا لیکن! روح کو تو جواب دینے کے لئے حاضر ہونا ہے اس کے بعد راحت وسکوں ہے یا ہمیشہ کا عذاب۔اس لئے وہ بے تحاشہ اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوتا ہے۔''توکل''جب انسان اکل حلال کی جستجو کرتا ہے اور قسمت پر شاکر رہتا ہے تو اس کی روح مطہر ہوکر اپنے اصل کی طرف سے جلد سے جلد لوٹ جانا چاہتی ہے۔اور اس کی واپسی کا ذریعہ ذکر اللہ ہی ہوتا ہے۔''عزلت از خلق''اس راہ کا پہلا زینہ ہی ذکر اللہ سے شروع ہوتا ہے۔یہاں پہنچ کر انسان بے اختیار ہوجاتا ہے''جو افراد خاصہ مقام احسان تک رسائی حاصل کرتے ہیں وہ حقیقت کو اس کے پس پردہ جلوہ طراضیوں میں بھی دیکھ لیتے ہیں۔اور عرفان کا وہ منتہیٰ مرتبہ وفکر انسانی کے دسترس میں ہے'انہیں حاصل ہوجاتا ہے۔(ابوالکلام'ام الکتاب)اور یہاں انسان کو اس کی حقیقت کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ کتنا بے بس اور لاچار اور مجبور ہے۔اور یہاں بقاء کچھ نہیں ہے فنا ہی فنا ہے۔''**موتو قبل ان تموتو**''

اس لئے انسان کو دینی' دنیاوی' روحانی اور عملی کاوشیں اپنی انتہا کو پہنچ کر اپنی ابتداء یعنی اپنے خالق کی طرف مرکوز ہوجاتی ہیں وہ پکار اٹھتا ہے۔ **ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ** وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود بننے کے لائق نہیں۔00000

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

بے دینی براہ دین داری

روز ازل سے باطل پرستوں اور نفس کے بندوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ حق کا پورے زور وشور سے انکار اور مقابلہ کرتے آئے ہیں اور اپنے باطلہ عقیدوں کو سچ ثابت کرنے کے لئے حیلے بہانے اور بے بنیاد منطق دیتے آئے ہیں۔ یہ معاملہ ہر نبی رسول اور پیغمبر اور اللہ کے خلیفوں کے ساتھ ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے فوراً بعد ہی ان احبار حیلہ وحجت نے زکوٰۃ کا مسئلہ اٹھایا اور تابعین کے دور میں خلق قرآن کا مسئلہ اٹھایا۔ غرض جو بھی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ان کی عیش وعشرت میں مانع ہوا اس کی یہ مخالفت کرتے آئے ہیں اور اپنے ناپاک منصوبوں اور ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں ہر غیر اخلاقی بے دینی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جب ان سے قرآن وحدیث کی بنیاد پر بات نہیں بنتی تو اپنے بد بخت اور باطل پرست پیش رو علماء کے حوالوں سے بات کر کے کترا کے نکل جاتے ہیں اور کچھ لوگ بجائے حق گوئی کے اسلام وایمان کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے لئے خود کو تمام عالم کا پیشواء اور امام ثابت کرنے کے لئے تمام ناجائز ذرائع کا استعمال کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی شناخت کا ایک مضمون ٹائمس آف انڈیا کے ۲۵/ مارچ ۲۰۱۱ کی اشاعت میں ہے جسے سعدیہ دہلوی نے لکھا ہے جس کا عنوان ''کیپنگ دی انکلیوسیو فیتھ'' ہے۔ ہم اس کے کچھ ماخذ کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں۔

امام الحرم کی دارالعلوم دیو بند ہندوستان آمد پر جو دعوت نامہ سعدیہ دہلوی کو اسلامی ثقافتی مرکز دہلی سے ملا تھا اس پر انہوں نے تبصرہ کیا ہے، کہتی ہیں کہ یہ مرکز ہندوستان میں مذہب اسلام کے تمام عقائد کی نمائندگی کے لئے بنا تھا لیکن اس کے عہدہ داروں نے نہ جانے کن وجوہات کی بناء پر ایک خاص طبقہ کی تشہیر اور وکالت کا بیڑہ اٹھالیا ہے۔ اور دارالعلوم دیو بند نے جو ان کا میزبان ہے حکومت ہند اور یہاں کے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امام الحرم ڈاکٹر عبدالرحمٰن شیخ السعودی مسلمانوں کے اعلیٰ ترین مذہبی پیشوا ہیں کیونکہ وہ مسجد حرم میں نماز پڑھاتے ہیں۔ اس لئے ہندوستانی پارلیمان سے خطاب کے دوران ان کا شایان شان استقبال ہونا چاہیئے۔ سعدیہ سوال کرتی ہیں کہ کیا مسجد حرم میں نماز پڑھا دینے سے کوئی اتنا محترم اور تمام مسلمانوں کا مذہبی پیشوا بن جاتا ہے اور مزید براں اس دعوت نامہ

میں انہیں ''ہیز ہولی نیس'' کا لقب دیا ہے جو اسلامی روایات عام کے لئے ایک جھٹکا ہے۔ایسا نہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہؓ کے ساتھ کوئی خطاب ملحق رہا ہے (ایسا عیسائیوں کے پوپ اور ہندومت کے سوامی جی یا دلائی لامہ کو کہا جاتا ہے) اور اس دعوت نامے میں انہیں دبئی انٹرنیشنل قرآن ایوارڈ سے نوازا جانا بھی لکھا ہے (کیا رسول اکرم ﷺ کے سواء بھی کوئی دنیا کا عالم، چلتا پھرتا قرآن ہوسکتا ہے نعوذ باللہ) یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ کھلواڑ ہے اور حد کفر تک مبالغہ آمیزی ہے اور اس ایوارڈ کا قبول کیا جانا بدترین عمل ہے کیونکہ ایسی کوئی مثال تاریخ اسلام میں کہیں نہیں ہے۔اس کے علاوہ جمعیت علماء ہند کے ارشد مدنی نے دنیا کے اہلسنت والجماعت عقیدے کی تضحیک کرتے ہوئے اور دنیا والوں کو فریب میں مبتلاء کرتے ہوئے السعودائی کو اعلیٰ ترین پیشوا کہا ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کثیر آبادی سعودی عالموں کے پرتشدد وہابی طرز اسلام کا قطعی طور پر انکار کرتی ہے جس کو اہل ایمان پر مسلط کرنے کی باقاعدہ کوشش دنیا میں مالی اعانت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ہورہی ہے۔ایک مذہبی و سیاسی تنگ نظری جو مذہب اسلام میں داخل ہوئی وہ سعودی حکومت کے صحرائے نجد کے ایک بدوی عبدالوہاب نے شروع کی جو ایک خود ساختہ مصلح تھا۔اس تحریک کی ابتداء بزور تشدد و زبردستی مسلمانوں کے ساتھ نام ونہاد و مصلحہ جہاد سے شروع ہوئی، جو کوئی اس کے پیش کردہ طریقہ اسلام سے متفق نہ ہوتا تھا انہیں تہہ وتیغ کردیا جاتا۔ چونکہ یہ شخص سعودی شاہی خاندان میں ازدواجی رشتہ سے جڑا ہوا تھا اسے حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی اور تمام حکومت اس کے زیر اثر تھی (خاندان شاہان سعودیہ کا اس کی پشت پناہی کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ عبدالوہاب آئمہ وصالحین اور اولیاء کا مخالف تھا اور چونکہ ہر زمانے میں اولیاء وصالحین نے آمریت اور شہنشاہیت کو للکارا ہے، آئمہ اربع کی زندگی میں یہ ایک روشن حقیقت رہی ہے۔شائد اسی لئے السعود خاندان نے اس کا بھرپور ساتھ دیا اور اپنے خاندان میں رشتہ کیا تا کہ ان کی حکومت کو مذہبی و روحانی تحریک سے آئندہ کوئی خطرہ نہ ہو) وہابی جنہیں سلافی بھی کہا جاتا ہے جو برصغیر کی مسلم آبادی کا ۱۵ فیصد ہیں جن میں دیوبندی، تبلیغی، جماعت اسلامی اور اہل حدیث ہیں۔ بدقسمتی سے حکومت اور عوام کا اک طبقہ اسلام کے دوسرے عقائد جو اہل سنت والجماعت اور سواد اعظم کے ساتھ ملحق ہیں وہ ان کی (سعودی حکومت سے حاصل شدہ فنڈ اور مدد) کی پبلیسٹی سے مغلوب ہوگئے ہیں۔سعودی حکومت اپنے وہابی نظریات کو اربوں ریال اور ڈالر کے ذریعہ ان جماعتوں کے توسط سے دنیا میں اشاعتوں اور مدرسوں میں

تربیت کے ذریعہ پھیلا رہی ہے۔ تبلیغ کے نام پر ان تربیت گاہوں سے تشدد اور مصلح جدوجہد کا (خاموشی سے) انتظام کیا جارہا ہے۔ پاکستان کے مسجدوں، مدرسوں اور درگاہوں میں بم لگا کر دوسرے عقیدے کے مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنا ان کا مقصد ہے تاکہ یہ زوروزبردستی ان کے فاصد اور عقائد باطلہ کو عام مسلمانوں پر تھوپا جائے۔ حکومت سعودیہ نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے تاریخی مذہبی اور دینی ورثہ کو روحانی وعملی طور پر یرغمال بنالیا ہے۔ انہوں نے ۱۹۲۵ء میں تمام عالم اسلام میں غم وغصہ کے باوجود جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں آل رسول کے قبروں کو مسمار کردیا اور اسلام اور روحانی وتاریخی آثار مٹادیئے اور آج بھی خاموشی سے تمام عہد اسلام کے آثار مٹائے جارہے ہیں اور کوئی آواز نہیں اٹھاسکتا، کوئی اگر آواز اٹھاتا ہے تو کوئی نہ کوئی الزام لگا کر سرقلم کردیا جاتا ہے۔ جبکہ دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے اولیاء و صالحین نے مکہ و مدینہ منورہ کو صدیوں تک اپنی عبادتوں اور ریاضتوں سے منور کیا اور اب حکومت نے مذہبی فوجیوں کا پہرا بٹھادیا ہے (جو حکومت چاہتی ہے وہی کریں روحانیت کی کوئی جگہ نہیں، جو ایمان کا جز ہے) اور صرف وہابی طریقہ پر عبادت کرنا اور وہابی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی زبردستی ہے اور حکومت کے مذہبی پابندی کے خلاف آواز اٹھانا جرم ہے (جیسا کمیونسٹ چین اور روس میں ہورہا ہے)۔ ہندوستان کے اسلامی تہذیبی وثقافتی مرکز کا کام تمام عقائد اسلام کی ترقی وترجمانی ہے جبکہ یہ مرکز ان وہابیوں کا ترجمان اور آلہ کار بن گیا ہے۔ اس کے بعد سعدیہ دہلوی نے اہل اسلام کو اس مسئلہ پر غور وخوص کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

کشمیر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہیں لوگوں نے نوجوانوں کو ورغلا کر بہکادیا، ہزاروں نوجوانوں کو مفت میں جان گنوانی پڑی۔ اسلام روحانیت کا مذہب ہے، ایمان کے بل پر دنیا میں پھیلا ہے، وہابیت جیسی اسلام دشمن تنظیموں نے اس کو بدنام کیا جو ایمان اور اسلام کے دشمن ہوں وہ دنیا کا بھلا کیا کریں گے۔ دراصل ان کی نیت دین کے ذریعہ دنیا میں حکومت کرنے کی ہے۔ ان کے مذہبی ملاؤں نے اس کا وقتاً فوقتاً مظاہرہ کیا ہے۔ اب ان کی یہ دینی گستاخی اور اہل سنت الجماعت کی تضحیک میں یہ حد سے بڑھتے جارہے ہیں۔ بعثت اسلام کی صدی کے اول تک جزیرہ نماعرب کہلاتا تھا جو اسلامی دارالخلافہ ہے، ان لوگوں نے مرکز اسلام کو خاندانی جاگیر بنالیا اور اس کا السعودیہ نام رکھدیا۔ انہیں اسلام سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اپنی حکومت بچانا اور تیل کی دولت لوٹنا ان کا مقصد ہے اور شاہی خاندان کی عیاشی اور

بے حیائی دنیا جانتی ہے اور ان کے چیلے چانٹے جوان کی تربیت پا کر خود کو عالم کہلا رہے ہیں دراصل ان کی حکومت اور بے دینی کے محافظ ہیں۔

آیئے ذرا عبدالوہاب نجدی اور اس کی تحریک کا جائزہ لیں۔عبدالوہاب اوینا/عوینا نجد کا رہنے والا تھا جو مدینہ سے مشرق کی طرف اور جدہ سے مغرب کی طرف ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں ''دشمن خدا'' مسلیمہ کذاب پیدا ہوا اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔رسول اکرم ﷺ نے مرتدین کو واصل جہنم کرنے کے لئے لشکر تیار کیا، اس دوران آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے۔بعد میں اس کے ہمنواؤں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے زکوٰۃ کا مسئلہ کھڑا کر دیا مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ سختی سے نمٹا اور مسلیمہ پر فوج کشی کی اور اس کو واصل جہنم کیا۔

بنو حنفیہ و بنو تمیم کے جس قبیلے سے عبدالوہاب نجدی تعلق رکھتا ہے، اسلام سے پہلے عیسائی تھے اور حضور ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ سخت مقابلہ آرائی کی۔وہ شروع سے ہی انتہا پسند اور خطرناک ارادوں کے لئے مشہور رہے ہیں۔ان کی اسی فطرت سے ہمیشہ اسلام کی مخالفت میں آگے رہے انہوں نے اپنے دہشت پسند باطل نظریات سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا، اسلام قبول کرنے سے پہلے انہوں نے آتش پرستی قبول کر رکھی تھی اور بنو تمیم سب سے آخر میں ایمان لائے اور وہ سابقون اولون میں نہیں تھے۔بار بار عقیدہ و مذہب بدلتے رہنا ان کا طریقہ رہا ہے اور ابو جہل کی ماں اسماء بنت مقربہ بنو تمیم سے ہی تھیں۔

عبدالوہاب بچپن سے ہی شدت پسند اور آوارہ گرد تھا۔اس دوران اس نے تھوڑی بہت دینی تعلیم حاصل کی اور کتاب توحید لکھی جس میں علمائے دین کے حوالوں اور احادیث کو اس نے توڑ مروڑ کر پیش کیا۔مثلاً امام حسن بصریؒ نے ابن ابی حاطم کی روایت سے جو قتادہ میں ہے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اولاد دی ان کو انہوں نے یہودی و نصرانی بنا دیا۔عبدالوہاب نے اسی حوالے سے یہ لکھا دیا کہ ''وہ (آدمؑ اور حوّاؑ) نے شرک کیا اللہ کی اطاعت میں مگر نہیں اس کی عبادت میں'' یعنی اللہ کے چند احکام میں اطاعت اتنی ضروری نہیں، ہاں عبادت کرتے رہنا چاہیئے۔اس لئے اس کے ہمنواء نماز، روزہ، حج پر اکتفاء کرتے ہیں دیگر اعمال صالحہ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے اور آئمہ صالحین اور اولیاء کی تقلید نہیں کرتے اور انہیں بدعتی قرار دیتے ہیں۔

۱۷۴۰ میں عوینا نجد سے عبدالوہاب کو شہر بدر کئے جانے کے بعد محمد ابن سعود نے اسے اپنے

ملک میں پناہ دی اور اس کی خوب ہمت افزائی اس لئے کی کہ آگے چل کر عقیدہ و ایمان کے لحاظ سے حکومت کو کوئی خطرہ نہ ہو اس کے بعد اپنے خاندان میں اس کا رشتہ بھی کر دیا تا کہ عبدالوہاب اور کوئی بغاوت حکومت کے خلاف نہ کرے۔ اس کے بعد تیل کی دولت کی دریافت نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے۔ مگر تھے تو یہ حنبلی، صلافیہ کے نام سے تبلیغ شروع کر دی۔ دین کی تطہیر کے نام پر مسلمانوں کا خوب خون ناحق بہایا۔ جس طرح آج تک دنیا میں خصوصاً پاکستان میں کیا جا رہا ہے۔ مصری عالم توفیق حامد نے صلافیوں کو بنیادی دہشت گرد کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے صلافی سعودتی تیل کی دولت کو خدائی دین اور خدائی عطا کہتے ہیں، اس کو دہشت پسندی کے لئے مالی مضبوطی کہتے ہیں۔

عبدالوہاب اور اس کے حواریوں نے سعودی حکومت کی مدد سے نجد پر قبضہ کیا۔ مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ حضرت زیدؓ بن خطابؓ کی قبر کو منہدم کیا۔ اس کے بعد صحابہ رضوان اللہ اجمعین، اولیاء کاملین کو بھی نہیں بخشا۔ آخر میں حضرت فاطمہؓ بنت رسول ﷺ کے روضے کو بھی منہدم کر دیا اور تو اور رسول اکرم ﷺ کے روضے تک یہ خبیث جا پہنچا مگر دنیا میں مسلمانوں کے غم و غصے کو دیکھ کر حکومت نے منع کیا تب خاموش بیٹھا مگر عبدالوہاب اور سعودی حکومت نے تیل کی دولت کے بل پر دنیا میں کئی تنظیمیں اپنے بدبخت ہم نواؤں کی پیدا کر دی۔ مصر میں اخوان المسلمین (اسلامی برادر ھڈ)، پاکستان میں جماعت اسلامی اور ہندوستان میں تبلیغی جماعت اور اہل حدیث بنائی ہیں۔ یہ جماعتیں دنیا میں وہابیت پھیلانے کے لئے دن رات سرگرداں ہیں۔ بنوتمیم اور بنو حنفیہ قبائل جن سے مسلیمہ کذاب اور عبدالوہاب نجدی تعلق رکھتا ہے۔ ان کے بارے میں رسول ﷺ کیا فرماتے ہیں دیکھئے۔ حضرت امام بخاریؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ نے شام و یمن کے لئے دعا فرمائی۔ مجموعہ میں نجد کے لوگ بھی تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے نجد کے لئے بھی دعا مانگنے کی گذارش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مقام (نجد) بغاوت اور فتنہ کی جگہ ہے اور شیطان کی سینگ یہاں سے ظاہر ہوگی (بخاری شریف جلد۲، ۱۰۵۰)

عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا حضور ﷺ بی بی عائشہؓ کے حجرے سے باہر تشریف لائے اور نجد کی جانب انگلی اٹھا کر فرمایا ''وہ کفر کا مرکز ہے جہاں سے شیطان کی سینگ ظاہر ہوگی'' (مسلم شریف جلد۲، ۱۳۹۴) حضرت علیؓ سے روایت ہے ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا قریب قیامت کے

ایک گروہ نوجوانوں کا ہوگا جو دماغی طور پر کمزور ہونگے (دینی ناسمجھ) مگر وہ دین کی باتیں بتائیں گے مگر ان کے اندر ایمان نہیں ہوگا اور دین ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب تم ان کو پاؤ تو ان سے جہاد کرو (بخاری شریف ۱۰۲۴)

حضرت ابو نعیم عمامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرب قیامت وہ (ایسے لوگ ہوں گے) جو پھیل جائیں گے (زمین پر) اور کیڑے مکوڑوں کی طرح حملہ کریں گے جو کوئی ان کو پائے اللہ کی پناہ مانگے (حلیہ)

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ ایک وقت ایسا آئے گا جب لوگ مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کریں گے، جب ایسا وقت پاؤ تو ان لوگوں سے دور رہو اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھو (مشکوۃ)

شارق ابن شہابؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ سے بے ادبی سے بات کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے قریب لوگوں کا ایک گروہ پیدا ہوگا جو قرآن کی تلاوت کریں گے مگر وہ ان کے حلق کے نیچے سے نہیں اترے گا وہ لوگ اسلام کی راہ مستقیم کو اس طرح چھوڑ دے گا جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کے سر منڈھے ہونگے، یہ لوگ حلقہ بنا کر گروہ کی شکل میں ادھر اُدھر گھومیں گے۔ ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ ہوگا۔ اگر تم ان سے ملو تو ان کی عادت اور فطرت سے پہچانو گے جو بدترین قسم کے ہوں گے (مشکوۃ ۳۰۹)

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کی پہچان کی بہت ساری نشانیاں بتلائیں ہیں۔ ایسی بہت سی حدیثیں ہیں طوالت کی وجہ سے یہاں نہیں درج کی گئیں۔ مگر جو نشانیاں بتلائیں مختصراً وہ ہیں۔ وہ بظاہر نماز کی پابندی کرتے دکھائی دیں گے وہ گروہ کی شکل میں حلقہ باندھے گھومیں گے۔ اپنی پیشانی رگڑ رگڑ کر سجدوں کے نشان بنائیں گے تا کہ لوگ انہیں دیندار سمجھیں اور وہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہؓ واولیاء وصالحین کی توہین کریں گے۔ ان کو علم نہ ہوتے ہوئے بھی دینی بحث کریں گے۔ وہ کافروں کے بجائے مسلمانوں کا خون ناحق کریں گے۔ بغیر کسی وجہ کے یہ مسلمانوں کو دین کی دعوت دیں گے اور اسلام سے ان کا کچھ لینا دینا نہیں ہوگا۔

دیوبند کے مولوی رشید احمد گنگوہی سے سوال کیا گیا تھا۔ عبدالوہاب نجدی کس قسم کا آدمی تھا

اور اس کے ماننے والوں کو کیوں وہابی کہا جاتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا تھا ''لوگ عبدالوہاب نجدی کو وہابی کہتے ہیں وہ بہترین انسان تھے اور میں نے سنا ہے وہ حنبلی مسلک پر تھے، اور احادیث پر چلتے تھے وہ لوگوں کو شرک، بدعت سے بچانا چاہتے تھے مگر وہ عمل میں شدید تھے اور عبدالوہاب کے ماننے والوں کو لوگ وہابی کہتے ہیں، وہ عمدہ لوگ ہیں، ان کا عقیدہ اور مسلک حنبلی ہے مگر ان میں شدت ہے مگر ان کے ماننے والے اچھے لوگ ہیں مگر جو حد سے متجاوز کر جائے اس سے فساد ہوتا ہے (فتویٰ رشیدیہ ۲۴۱۔۲۴۲)

دیکھا کتنا نرم گوشہ ہے ان خدا کے دشمنوں کے لئے ان کے پاس، کیوں نہ ہو یہ وہی تحریک تو ہے۔ ایک دوسرے دیوبندی عالم قاسم نانوتوی نے لکھا ہے ''انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی سے ممتاز ہوتے ہیں اور رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں (تحذیر الناس ۱۴) ان کے مطابق امتی عمل کے اعتبار سے انبیاء سے بڑھ جاتے ہیں۔ شائد نبیوں والے کام میں یہی ذہنیت پوشیدہ ہے۔ دیکھا ان کی دریدہ ذہنی اور جسارت، ایسی کئی بے ھودہ خرافات وہابی اور ان کے ہمنواؤں سے آج بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان وہابیوں کے علماء نے مسیار یا مسعر کی اجازت دی رکھی ہے یعنی کچھ دنوں اور وقت کے لئے روپیوں کے عوض عورت سے وقتیہ مراجعت کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک سیئ اور بدکار بدعت تھی جو صلافیوں کے ہاں رائج ہے اس اجازت کے ذریعہ جاہل اور عیاش شیخوں نے مسلم ممالک میں جا کر غریب اور نادار کنبوں کی لڑکیوں سے عیاشی کی اور چھوڑ کر چلے گئے۔ ہمارے ملک میں ممبئی اور حیدر آباد کے کئی مسلم خاندانوں کو اپنی ہوس اور عیاشی کا نشانہ بنایا۔ ہمارے ملک ہندوستان میں ان کی مذہبی حیثیت کس طرح ہوئی یہ نور محمد نقشبندی سے سنئے۔

مولانا نذیر حسین جو پٹنہ عظیم آباد کے رہنے والے تھے دہلی میں مقیم تھے، پہلے آئمہ اربعہ کو حق جانتے تھے مگر بعض لوگوں کو بدعات میں مبتلاء دیکھ کر اپنی آخری عمر میں مولوی نذیر حسین نے یہ طریقہ نکالا کہ لوگوں کو آئمہ اربعہ کے مسالک سے ہی برگشتہ (نفرت پیدا کرنا) چاہیئے۔ لوگوں سے کہا کہ نئے سرے سے حدیث سے مسائل نکالو اور اس پر عمل کرو اور قدیم بزرگوں کی تحقیق پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم خود حدیث سے مسائل نکالو، اس طرح انہوں نے اہل حدیث کی ایک جماعت کھڑی کر لی بعد میں ان کے شاگرد اس پر بھی قائم نہ رہے ضد اور بحث میں بے فائدہ فروعی مسائل میں جھگڑے پیدا کئے اور غلو سے کام لے کر جاہل مسلمانوں کی الگ جماعت کھڑی کر لی اور دوسرے مسلمانوں کو مشرک قرار

دینے لگے اور کہتے تھے یہ سب ابوحنیفہؒ اور شافیؒ کے مذہب کو مانتے ہیں خدا اور رسول ﷺ کے مذہب کو نہیں (گویا اللہ تعالیٰ نے دین انہیں خود بتا دیا تھا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دین کی بنیادی باتیں اور مسائل ان کو امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء وصلحا سے معلوم ہوئیں) قرآن وحدیث کے مطلب کو سمجھنے کے لئے علمائے اہل سنت الجماعت آئمہ اربعہ کو استاد مانتے ہیں مگر غلو اور زیادتی کی وجہ سے یہ لوگ غلط بیانی سے کام لے کر خود راہ حق سے ہٹ گئے اسی طرح سر سید احمد خان نے قرآن کو نیچر (ظاہری خودساختہ عقلیات) کی طرف لانے کی کوشش کی اور ایک نا تمام تفسیر بھی لکھی اور اسی طرز پر توریت وانجیل کی تفسیر بھی لکھی تا کہ علی گڑھ کے طالب علموں کو اپنا ہم خیال بنائیں۔اس طرح ان کے ماننے والے نیچری کہلائے اور مولوی عبداللہ چکڑالوی پنجابی اول اہل حدیث بن گئے اور جب دیکھا کہ لوگ احادیث میں اختلاف کرتے ہیں تو اپنی بدبختی سے تمام احادیث کتب شرع کا انکار کر دیا اور کہا کہ صرف قرآن پر غور کرنا اور اس سے مسائل برآمد کرنا کافی ہے۔اس طرح ان کے پیرو اہل قرآن کہلائے (نور محمد نقشبندی)

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسماعیل نے صوفیاء اور اولیاء کی مخالفت میں ''تقویت الایمان'' نام کی کتاب لکھی جو عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کی نقل تھی۔بعد میں دین کے نام پر دنیا کی حکومت کرنے اپنی اصل حقیقت ظاہر کردی۔اپنے ماننے والوں کی جماعت کے ساتھ پشتون پاکستان میں اپنی نام نہاد اسلامی حکومت کا دعویٰ کیا اور خود امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔حالانکہ دنیا میں حکومت کرنے کی یہ خواہش پروان نہ چڑھی، لوگوں نے ان کی مملکت کا انکار کر دیا (اس کا بدلہ وہابیوں اور سعودی حکومت نے اس طرح لیا کہ پورے افغانستان میں بدامنی، خانہ جنگی، وحشت اور بربریت کا ننگا ناچ نچایا اور اسلام ساری دنیا میں بدنام ہوا) اور بنگال میں طوتو میر اور حاجی شریعت اللہ نے شاہ اسماعیل کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔

۱۹۷۰ کی تیل کی دریافت کے بعد ان میں شدت پیدا ہوگئی۔وہابیوں نے سعودی حکمرانوں کی مدد سے دور دراز مدرسے قائم کر کے وہابی تعلیمات سے لوگوں کو متعارف کرایا۔دینی تعلیمات کے عام نہ ہونے سے لوگ ان کی سازش کا شکار ہوتے چلے گئے۔سعودی حکمرانوں نے اسلام دشمن امریکہ کو اپنا حلیف بنائے رکھا جس نے مسلم دنیا پر اسرائیل کو مسلط کیا تھا تا کہ مسلم ممالک ان سے مقابلہ کرنے کی

ہمت نہ کریں اور آہستہ آہستہ تمام جزیرہ عرب کو وہابی نظریات سے بھر دیا (یوگندر سکند، سنٹر فار جواہر لال نہرو اسٹیڈیز) حسنی مبارک، قذافی انہیں کی دین ہیں جن کی دولت اور دنیا پرستی اور عیاشی و بدکاری کا بھانڈا اب پھوٹا ہے۔

اب ذرا سوچئے جنہوں نے اپنا مذہبی چولا ایک صدی میں کئی بار بدل دیا، پہلے مقلد تھے پھر غیر مقلد پھر اہل حدیث اور پھر اہل قرآن، کبھی نیچری کبھی جماعتی کبھی تبلیغی، کبھی کچھ، کبھی کچھ۔ اب ان لوگوں سے اس بات کی کیا گیارنٹی کہ جس طریقہ پر یہ آج ہیں کل قائم ہوں گے بھی یا نہیں؟ اب ایسے لوگ اہلسنت اور سواد اعظم کا حصہ رہنے والے مسلمانوں کو اسلام کا سبق پڑھانے چلے ہیں (جبکہ ایمان تو ان کے پاس ہے ہی نہیں) اولیاء و صالحین نے دشت و صحراؤں میں اسلام کا پرچم امن اور چین سے لہرایا اور تمام طبقہ کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اور اسلام کو چودہ صدیوں سے ایک باوقار مقام پر لے آئے اور آج ان دین دار نما بے دینوں نے اپنی بربریت اور دہشت سے اسلام کو بدنام اور رسواء کیا ہے۔ آج کے موجودہ لوگوں کی بات نہیں وہ کونسے صحابہؓ، تابعین، صالحین اور اولیاء تھے جو اسلام کی سبکی اور بدنامی کا سبب بنے۔ جن کی خبروں کو انہوں نے مسمار کیا ہے۔ کیا ان کا جرم یہ تھا۔ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے انہوں نے زندگیاں وقف کر دیں اور یہ لوگ عیاشی کی مسندوں پر بیٹھ کر ان پر بے دینی اور بدعتی کا فتویٰ صادر کر رہے ہیں۔ جو جرم ان کے پیروکاروں کا تھا اس کا الزام ان پاکان خدا پر کیوں؟

جن کا آغاز ہی بدبختانہ ہے وہ دوسروں پر حرف زنی کر رہے ہیں اور خاتم الانبیاء ﷺ اور ان کے آل اور صحابہؓ کی بے حرمتی کی ہے۔

جو لوگ پیٹ پالنے اور دنیا کمانے کے لئے تعلیم اسلام حاصل کرتے ہیں، نماز پڑھنے کی تنخواہ، خطبہ جمعہ کا معاوضہ، قرآن و حدیث اور واقعات اسلام کے واعظ و بیان کی موٹی سی فیس معاوضہ کے طور پر طلب کرتے ہوں، جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کے فتوے دیتے ہوں اور عوام اور حکومتوں سے تقاضا کرتے ہوں کہ ان کی عزت کی جائے کیوں کہ وہ دینی عالم ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ رب العزت کیا فرماتے ہیں سنیئے۔ ''جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں بمقابلہ اللہ سے عہد کرنے کے بعد ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں نہ ملے گا'' (آل عمران رکوع ۸)

قرآن مجید پڑھنے اور ایمان حاصل کرنے کی جو پہلی شرط اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے وہ ہے

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وِيُقِيْمُوْنَ الصَّلوٰةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

یہ کتاب راہ بتلاتی ہے پرہیزگاروں کو جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے دیا ہے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب سے فلاح پانے کی شرائط بتا دیں یعنی یہ کتاب صرف متقی پرہیزگار لوگوں کو راہ بتاتی ہے اور غیب پر ایمان لانے کے بعد نماز کو قائم کرنا اور جو کچھ اللہ نے دیا (حلال طریقے سے کمایا ہوا) اس میں سے خرچ کرنا، نماز روزہ اور زکوٰۃ سے پہلے غیب پر ایمان لانا ہوگا ورنہ ایمان حاصل نہیں ہوگا۔

اب اندازہ لگائیے جو لوگ قرآن کو نعوذ باللہ بیچ کر پیٹ پال رہے ہیں کیا وہ متقی اور پرہیزگار ہیں، جن کے پاس بزرگوں کا لحاظ ہے نہ غیب پر ایمان (قرآن مجید کی پیشین گوئیاں بھی اخبار غیب ہی ہیں) نماز واعظ و بیان کا معاوضہ شرطیہ باقاعدہ وصول کرنا حلال کمائی تو ہرگز نہیں ہوسکتی۔ دنیا اور لوازمات دنیا جیسے مسجدوں اور منبروں سے کمائی ہوئی دولت تیل کے کنوؤں سے حاصل شدہ دولت جو وہاں کے عوام کا حق ہے اس سے ایرکنڈیشن محلوں، مدرسوں، لذیذ قسم کے کھانوں سے پیٹ بھر کر کیا اللہ کو پایا جاسکتا ہے؟ کیا متقی کہا جاسکتا ہے؟ یہودی اور عیسائی بھی اہل کتاب ہونے کے ناطے یہ سب کرتے ہیں کیا وہ اللہ والے کہلائیں گے؟ وہ بھی قرآن وحدیث پڑھتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے۔ اور یہ لوگ بھی ایمان والوں کی دل آزاری کے لئے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرتے ہیں۔ وہ صحابہ رسول ﷺ اور آئمہ و اولیاء تھے جنہوں نے دنیا اور متاع دنیا کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم اور محبت میں ٹھوکر ماری تھی۔ فقر و فاقہ اختیار کیا، لوگوں کی حق تلفی نہ ہو اس لئے امیر المومنینؓ ہوتے ہوئے بھی پیوند لگے کپڑے پہنے جو کی سوکھی روٹی کھائی۔ ایسی ہستیوں کی برابری کر رہے ہو، دینی بددیانتی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوسکتی ہے۔ جن پاک روحوں سے تم نے دین کی باریکیاں سیکھی انہیں پر حُرف زنی کرتے ہو، ان کی تقلید کو شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہو۔ یہ بدترین قسم کی احسان فراموشی نہیں تو اور کیا ہے کہ انہیں کی خبروں کو زمین دوز کر دیا، ان پر بلڈوزر چلا دیا اور اپنے لئے عالی شان محل بنوائے اور عیاشی کرتے ہو اور اہل سنت الجماعت کو بدعتی قرار دیتے ہو۔ اب تم ہی فیصلہ کرلو بددیانت اور بے دین کون ہے؟

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے صدائے غیب سنی کے اطلس وکمخواب کے بستر اور محلوں میں خدا

نہیں ملتا تو آپؑ نے بادشاہت اور محلوں کے عیش وعشرت کو چھوڑ حکومت وعزت کو لات مار کر ایک ویران غار میں اپنا مسکن بنا لیا تا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یکسوئی سے کرسکیں اور اسے راضی کرسکیں حیف ہے تم پر ایسی ہستیوں کو بدعتی کہتے تمہیں شرم نہیں آتی ؟

دوسروں پر اپنے باطل نظریات کو زبردستی تھوپنے کا طریقہ یہودیوں کا ایجاد کردہ ہے۔ پچھلی صدی عیسوی کے اوئل میں کارل مارکس Karl Marks نے دہریت اور کمیونزم پر داس کاپیٹل Das Kapital نام کی کتاب لکھی جس سے دنیا میں غلغلہ پیدا ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام برآعظم ایشیاء کمیونزم کے شکنجے میں آ گیا۔ کارل مارکس کے شاگردوں، ولادمیر لینن نے روس اور ماؤتسے تنگ نے چین میں بڑا عروج حاصل کیا اور ظلم زبردستی اور مذہبی منافرت کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ آگے چل کر برصغیر اور اسلامی ممالک بھی اس گرفت میں آ گئے۔ اعراق میں صدام حسین اور شام میں حافظ الاسعد کی بعت پارٹی نے کمیونزم کے طرز پر اقتدار حاصل کیا۔

اس دور میں عبدل وہاب نجدی کی وہابیت اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی اسے اس پرتشدد تحریک سے شہ ملی اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جو روحانیت اور علم الغیب کے اعمال کی پابندیوں سے نالاں تھا اسے مسلمانوں کے ان پڑھ اور نادان لوگوں کی بدعات اور بے راہ روی کو بہانہ بنا کر میدان عمل میں آ گیا اور اسلام کے بارہ صدیوں کے ورثے کو تہس نہس کر دیا۔ جب اعراق اور شام میں صدام اور حافظ الاسعد کے بت بنائے جا رہے تھے وہیں پر عرب میں صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کے قبروں کو مسمار کیا جا رہا تھا اور آل رسول ﷺ کو بھی نہیں بخشا گیا۔ یہ سب کچھ دین کے نام پر کیا جا رہا تھا مگر در پردہ وہاں کے حکمرانوں کی نظر نئی دریافت شدہ تیل کی دولت پر تھی جس کے ذریعہ اپنی عیش پرستی کا سامان مہیا کرنا تھا۔ کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کو دین کے نام پر ہی ورغلا کر ان کا استحصال کیا جا سکتا ہے اور دین کے ذریعہ حکومت حاصل کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے ہوئے اسلامی عرب کا نام اپنے خاندان کے نام پر سعودی عرب رکھ دیا اور انہیں خطوط پر اسلامی ممالک میں نئی نئی تنظیمیں اور فرقے پیدا ہوئے جن کی سرپرستی سعودی حکومت کرتی آئی ہے جیسے اخوان المسلمین، جماعت اسلامی، اہل حدیث، تبلیغی جماعت وغیرہ۔ اپنے پرتشدد عزائم کو دنیا میں پھیلانے کے لئے طالبان کی سیاسی اور مالی سرپرستی کی جس سے دنیا بھر میں اسلام دشمنوں کو اسلام کو تشدد والا مذہب کہہ کر

بدنام کرنے کا موقع فراہم کردیا جو کام یہودی اور عیسائی چودہ سو سالوں میں نہ کر سکے وہ مسلیمہ کذاب کے وارثوں نے نصف صدی میں کر دکھایا۔

جیسا کہ تاریخ عالم شاہد ہے ایسی بد بخت تحریکیں کچھ عرصہ اپنی انتہا کو پہنچ کر نیست و نابود ہوجاتی ہیں۔اس کا سلسلہ روس کی بکھراؤ اور چین میں دن بہ دن کمزور ہوتی ہوئی کیمونزم،صدام کی ذلت اور اسعد کی زبوں حالی سے شروع ہوا ہے۔اب سعودی حکومت اور اس کی ہمنوا وہابی جماعتیں جتنا زور لگادیں ان کا ایرکنڈیشن اور الٹرا ماڈن اور ضرورت اور وقت کے مطابق ڈھلنے والا مذہب اور دین داری نما بے دینی کی دن گنے جارہے ہیں اور یہ شدت سے اپنے دولت مند اسلام کی جوان کی عیش کوشی کا سامان مہیا کرر ہا تھا اسے بے سروسامان صحرا نوا بھوکے کے فاقہ بزرگوں آئمہ واولیاء کی تعلیمات سے خطرہ درپیش ہے۔جس وقت روحانیت جو اسلام کا اصل ہے اپنے صحیح اور اصل اعمال کے ساتھ لوگوں کی زندگیوں میں داخل ہوگی۔ یہ باطل پرستی کوڑے کے ڈھیر کی طرح ہوا میں اڑ جائے گی۔صدیوں کے طاغوتی غلبہ کو اللہ تعالیٰ نے تیئیس (۲۳) کی قلیل مدت میں بکھیر دیا تھا، یہ تو بس اللہ کے رسول ﷺ اور ایمان والوں کے دشمن ہیں۔

جس طرح عبداللہ بن صباء نے اپنی نصی عصبیت اور دشمنی سے خوارجیوں کی تحریک بنائی، حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت کا سبب بنا اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی۔اس طرح مسلیمہ کذاب کے وارث نے وہابیت کی بناء ڈالی ہے۔تبلیغی جماعت اہل حدیث اخوان دین کے ذریعہ دنیا پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔کچھ الگ قسم سے مگران سب کی نیت ایک ہے دین کے ذریعہ بے دینی پھیلانا۔

اخوان المسلمین مصر میں دین کے ذریعہ حکومت حاصل کرنا چاہتی ہیں یعنی متاع دنیا جو اسلام کے بنیادی نظریہ کے خلاف ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان اور کشمیر میں نظام مصطفیٰ کے نام پر حکومت حاصل کرنا چاہتی ہے اور طالبان کا مقصد کیا تھا ساری دنیا نے دیکھ لیا۔تشدد اور بربریت کا ایسا ننگا ناچ کھیلا کہ ساری دنیا میں اسلام کو بدنام کیا۔تبلیغی جماعت ساری دنیا کو وہابی نظریات میں رنگ دینا چاہتی ہے

حکومتیں دنیا میں انسانوں کی سہولیات کے انتظامات جرم کی روک تھام اور قانون کی بالا دستی کے لئے بنائے جاتے ہیں اور دین انسانوں کو اللہ سے متعارف کرنے اور اس کی بندگی اور اطاعت پر

راغب کرنا سکھاتا ہے۔قرآن میں قوانین، اصلاحات،تعزیرات زمین پر عدل اور انصاف اور توازن قائم رکھنے کے لئے ہیں تا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور قرآن کا اصل پیغام اللہ کے بندوں کو اس کی اطاعت پر راضی کرانا ہے نہ کہ ظلم و جبر و تشدد۔حکومت طلبی فرماں رواؤں کی عیش پرستی ہے مگر وہابیوں نے دو الگ حقیقتوں کو گڈ مڈ کر کے دین کا تیہ پانچہ کر کے رکھ دیا اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے اسلام کے دوسرے عقائد کے لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور جب ان سے مصیبت دور ہوتی ہے ان کے عقائد پر حملے کرنے لگتے ہیں۔

جزیرہ عرب اسلام کا مرکز رہا ہے انہوں نے ''سعودی عرب'' کے نام سے اپنی خاندانی جاگیر بنا رکھی ہے اور دنیا کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے مسجد حرم کے فرش کو ایر کنڈیشن آرائش سہولت آسانی کے لوازمات مہیاء کر کے دنیا کے مسلمانوں کو چوں چرا کرنے سے روک دیا ہے۔جب مسجد حرم میں سہولیات نہیں تھیں اور تپتی گرمی ہوا کرتی تھی بدو قافلوں کو لوٹتے تھے تب بھی ایمان والے فرض حج ادا کرتے تھے۔ان کے مہیا کردہ عیش وراحت سے فرض حج کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔یہ ایمان کا معاملہ ہے۔دراصل تیل کی دولت کا بڑا حصہ بادشاہ اور شاہزادوں کے عالی شان محلوں، ہوائی جہازوں، پانچ ستارہ ہوٹلوں، قیمتی کاروں، خوبصورت ریزارٹس، دریائی ساحلوں میں عشرت کدوں عیاشیوں کی خرید اور تعمیر میں خرچ کیا جاتا ہے۔کوئی وقت تھا جزیرۂ عرب میں عسرت، تنگی، غربت ہوا کرتی تھی۔اس لئے بدو حجاج کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔دنیا کے مسلمانوں نے اپنے ملکوں میں ''اوقاف'' ادارے قائم کئے اور ان سے حاصل شدہ آمدنی کا بیشتر حصہ حجاز کو بھیجا جاتا تھا تا کہ حاجیوں کی خدمت میں کام آئے اور بدوؤں کی مالی مدد بھی ہو جائے تا کہ وہ حجاج کو لوٹیں نہیں اور آج حجاج کی خدمت ایک دکھاوا ہے۔باقی عیاشی کا بھرپور مظاہرہ ہے۔آج دنیا کی غیر اقوام میں ''شیخ'' کی معنی عیاش کے ہیں۔ان باتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہابیت ڈھال کا کام کر رہی ہے۔چونکہ ولایت کی تعلیمات میں ان عیاشیوں اور دنیا طلبی کی کوئی جگہ نہیں اس لئے اولیاء وصالحین کے طریقوں کو بدنام کیا جاتا ہے اور نہ ہی ولایت کے اعمال اور طریقوں میں بدعات شرک اور بے دینی کی کوئی جگہ ہے۔

میر کے دین و مذہب کا کیا پوچھتے ہو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب سے ترک اسلام کیا

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

محسن انسانیت ﷺ اور خاتم ولایت محمدیہ مہدیٔ موعودؑ کے نقال!

وَ مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً اللعالمین آپ (محمدؐ) کوتمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ نے محسن اعظم باعث تخلیق کائنات حضرت محمد ﷺ کو دیا ہے جوان انبیاء ومرسلین کے سردار ہیں جنہیں اللہ نے ہر دور میں زمین کی طہارت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اصلاح کے لئے وقتاً فوقتاً مبعوث فرماتے رہے۔ آیئے پہلے ہم محمد الرسول اللہ ﷺ کے انسانیت پر عظیم احسانات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اگر ہم تمام تاریخ عالم کا غور سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے جو جنگیں ہوا کرتی تھیں وہ حکومت، وسعت، زر، زمین، طاقت اور غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہوا کرتی تھیں۔ مگر اللہ کے لئے یا اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ہی معرکہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء کے مطابق زندگی کے معاملات کروانا عمل کروانا اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی شریعت نافذ کرنا آپ ﷺ کا نصب العین تھا۔ جس میں حکومت، وسعت، زر، زمین اور طاقت کے مظاہر کا کوئی بھی پہلو نہیں تھا، جن کا خلاصہ کئی احادیث میں کیا گیا ہے، مشکواۃ میں بخاریؒ سے روایت کی گئی ہے کہ "ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑا اور فرمایا دنیا میں غریب الوطنی کی سی زندگی گذار یا مسافر کی طرح اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کر (مشکواۃ ۵۲۷۴) آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی رسول یا پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کے لئے یا شریعت نافذ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے معرکہ یا جنگ نہیں کیا، اگر کسی پیغمبر نے ایسا کرنا چاہا تو ان کی امت نے ان کا ساتھ نہیں دیا جیسے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ اعلی نبیانا سے اعراض کیا" جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو محض تھوڑے لوگوں کے سب پھر گئے، اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے" (بقرہ ع ۳۲) جب کبھی بھی کسی نبی یا رسولؑ کو اذیتیں دی جاتیں اور وہ تکلیفیں اٹھاتے مگر ان کی امتیں ان کا ساتھ نہ دیتیں اور نہ مجتمع ہوکر اپنے نبی اور رسولؑ کا ساتھ دیتے اس لئے وہ انبیاء اور رسول اللہ تعالیٰ سے عذاب طلب کرتے تا کہ اللہ کے باغیوں کو سزاء دیں۔ موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی بنی اسرائیل نے کہہ دیا کہ آپؑ اور آپ کا رب فرعون سے معرکہ اور مقابلہ کرلو ہم تو نہیں آنے والے۔ حضرت محمد ﷺ نے ہی اللہ کے بھروسے مٹھی بھر صحابہ کے ساتھ دشمنان خدا سے معرکہ کیا اور فتح پائی۔

تاریخ عالم میں یہ ایک انقلابی طرز اور طریقہ کار تھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا گیا۔ آپ ﷺ کے جاں سپار صحابہؓ نے دشمن کی کثرت کی قطعی پرواہ نہ کرتے ہوئے یقین وایمان کے بل بوتے پر اللہ کے لئے میدان کارزار میں دشمنان خدا سے نبرد آزمائی کی، اپنے نبی ﷺ کے آگے رہ کر اپنی جانوں اور مالوں کا نذرانہ پیش کیا اور دنیا کو دکھایا کہ نظریہ جہاں اللہ کی شریعت نازل کرنے کے لئے ہے نہ کہ حکومت اور غلبہ حاصل کرنے کے لئے۔

قانون قدرت کی بالا دستی نافذ کرنے کے لئے منصف یا اصحاب الرائے یا جیوری کا نظریہ سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا، اس سے پہلے انسان کی عدالت یا تو بادشاہ کے ہاتھوں ہوتی تھی یا اس کے وزراء کے، اس میں بغیر کسی جرح یا بحث کے بادشاہ یا وزیر فیصلہ صادر کردیتا جس میں حق اور ناحق کا کوئی جواز نہیں تھا۔ انصاف قانوں اور عدلیہ کا کوئی نظام نہ تھا۔ اسلام نے سب سے پہلے انصاف اور قانون کی بالا دستی اور عدلیہ کا نظام پیش کیا۔ رسول ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ کرنا، اصحاب الرائے کی معقول مشوروں کو اعلیٰ وادنیٰ کے تفریق کے بغیر پیش نظر رکھنا اسلام نے سکھایا۔ اسیران بدر کا معاملہ لیجئے، دوسرے صحابہؓ کی رائے تھی یا تو معاف کردیا جائے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس میں رشتہ اور قرابت داری کا لحاظ ہوا مگر حضرت سیدنا عمرؓ جو اس جیوری کے ممبر تھے ان کی رائے تھی جو جس کا جتنا قریبی رشتہ دار ہو وہ دشمنان خدا کو قتل کرے اور بعد میں اسی رائے کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور حضرت عمرؓ کی تائید کی۔ جس میں سفارش اور نرمی کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ جبکہ حضور ﷺ نے صحابہؓ کی اکثریت کی رائے کو منظوری دی تھی۔

موجودہ دور کا مالی نظام بھی اسلام کا مرہون منت ہے، پہلے عمال لوگوں سے مال ودولت غلہ و اجناس جو کچھ ہوتا رعایا سے جبراً وصول کرکے بادشاہ کے خزانے میں جمع کرتے، اس کا حقدار بادشاہ ہوتا تھا اور امراء کو بھی اس کا حصہ ملتا۔ اس دولت سے جو ظلم جبر واستبداد حاصل کی ہوتی بادشاہ اور امراء محلات اور عیش وعشرت کے سامان مہیا کرتے، ایسے میں غریبوں، ناداروں اور بیکسوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ اسلام نے پہلے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا پھر بیت المال کے ذریعہ اس میں ہر خاص و عام غریبوں، بیکسوں اور ناداروں کا الگ حصہ رکھا۔ زکوٰۃ نہ ادا کئے جانے پر عذاب کی وعید اور ثواب کے ملنے پر بیت المال میں صدقات وعطیات کے انبار لگادیئے۔ جس سے فوج کی تنخواہ، سڑکیں بنانا، نہریں کھدوانا اور مالی نظام کے قائم کرنے میں مدد ملی۔ اس طرح اسلام نے انسانیت کے لئے ایک مالی نظام

کی بنیاد رکھی اور اکنامی اور فیناننشل ریگولیٹر سسٹم کا ڈھانچہ پیش کیا۔

پہلے قبیلہ گروہ اور ذات پات اعلیٰ وادنیٰ کے نام پر جنگیں ہوتی تھیں۔کوئی جنگی قانون نہیں تھا، جنگ کا مطلب لوٹ مار، وحشت و بربریت، ایک گروہ یا قبیلہ کی دوسرے پر برتری شکست خوردہ اور محکوم کی ذلت جنگ کا قانون تھا اور باقاعدہ فوج اور قانون نہیں تھا۔ایک شہ زور دوسرے پر ایک مجمع دوسرے سے بھڑ جاتا تھا۔اسلام نے فوجی قانون ترتیب دیا۔فوج کا امیر یا سالار مقرر کیا اس کے حصے اور کمان بنائے جسے ہراول (فرنٹ فورس یا باڈر فورس) میمنہ، میسرہ، قلب تیرانداز پیدل، سوار اور شبخون (گوریلا) کی ٹکڑیاں بنائیں اور ان کے دستے تیار کئے، ان کی حیثیت اور معاوضہ بھی الگ طے کیا اسی طرح ان کے رتبے بنائے اور ایام جنگ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی حفاظت کا معقول انتظام کیا اور جنگ میں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو وحشت و بربریت سے بری رکھا گیا۔فوج کے سالار یا کمانڈر کا ذمہ اس کا محاذ ہوتا جس کی تمام تر ذمہ داری اسی کی ہوتی اور چیف کمانڈر یا فیلڈ مارشل امیرالمومنین یا خلیفہ ہوتے اور ہر فوجی کو میدان کارزار میں صرف چھ مہینے رہنے کی اجازت تھی اس کے بعد اس کی گھر واپسی ضروری قرار دی گئی تاکہ وحشت، مجبوری اور زنا کاری کا خدشہ نہ رہے اور تاوان جنگ جو کبھی بادشاہ حق تسلیم کرلیا گیا تھا اس کو مال غنیمت اور بیت المال کے ذریعہ عوام کی ملکیت بنایا گیا۔اسلام سے پہلے غنیم کے باغات اور گھر اور شہر اجاڑ دئے جاتے تھے جبکہ اسلام نے باغات اجاڑنے اور شہر تباہ کرنے سے منع کیا۔اس کے بجائے انہیں مزید سنوارنے اور بہتر بنانے پر توجہ دی اس کی باز آبادکاری اور ترقی کا نقشہ بنوایا، نہریں کھدوائیں، مدرسے بنوائے، سڑکیں بنوائیں، ان شہروں کو رونق بخشی اس طرح اسلام کی فتح کے بعد وہ شہر دنیا میں مشہور ہوگئے۔

جنگی خدمات سے سبق حاصل کر کے شعبہ طب اور دواسازی بنایا، اس کا الگ محکمہ بنایا اور کئی مامور حکماء و ریاضی داں دنیا کو دیئے جیسے بوعلی سینا الکندی، ابوالحسن فارابی وغیرہ۔یہی نہیں حضور ﷺ نے زیتون، کلونجی و دیگر چیزوں کے طبی فائدہ بتا کر امت کو علم طب کی طرف راغب کیا اور جادوٹونا، جھاڑ پھونک، تنتر منتر، جن، پری، بھوت پریت سے مدد مانگنا انسانیت کی پستی اور ذلت کی وجہ تھی۔قرآنی دعائیں اور اللہ سے مدد مانگنے کا طریقہ سکھا کر انسان کو اس کی حقیقت اور حیثیت دکھائی۔اس طرح بعد میں لولیاسٹک میڈیسن کی بنیاد پڑی اور واقعہ معراج سے انسانیت یہ سوچنے پر مجبور ہوئی کہ آسمانوں پر

بھی سفر کیا جا سکتا ہے۔

دنیا میں وافر مقدار میں پانی کے ذخائر ہونے کے باوجود اس کا صحیح استعمال نہیں ہوتا تھا۔ عام انسانوں کو اس کے استعمال کے حق سے محروم رکھا جاتا۔ کنویں پر مالکانہ حقوق ہوا کرتے تھے۔ حوض اور بڑے کنویں صرف صومعوں، گرجوں اور مندروں کے آس پاس بنائے جاتے۔ اس لئے آبادیاں اور بستیاں یا تو ندیوں کے کنارے یا تالابوں اور چشموں کے آس پاس ہوا کرتی تھیں۔ اسلام نے پانی پلانا، کنواں کھدوانا ثواب قرار دے کر اس مزاج کو یکلخت بدل دیا۔ لوگ کنواں کھدوانے لگے تا کہ ثواب دارین حاصل ہو۔ اس طرح پیاس بجھانے کے علاوہ سینچائی بھی ہونے لگی۔ کھیتی اور پیدوار میں اضافہ ہوا لوگ ندیاں اور تالاب چھوڑ کر ان علاقوں میں بھی بسنے لگے جہاں زمین میں پانی ہوا کرتا تھا اور اس طرح ندیوں اور تالابوں کے آس پاس آبادی کی شرح گھٹ کر بکھرنے لگی اور پھیلتی گئی ورنہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ اسلام سے پہلے دریائے نیل، دریائے فرأت، گنگا جمنا، دریائے آمیزان اور چین کے دریاؤں کے آس پاس گھنی آبادیاں ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے ان دریاؤں کو انسانی تہذیب اور ترقی کا گہوارہ مان لیا گیا تھا اور اسلام کے بعد زمین کے وہ قطعے جو سوکھے اور غیر آباد ہوا کرتے تھے آباد ہونے لگے اور انسانی تہذیب پر اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ نئے ملک نئی وادیاں، نئے اسباب تلاش کرنے لگے اور جنگ و جدل سے لوگوں کا رجحان کم ہونے لگا امن و چین کا بول بالا ہوا اور نئی نئی ایجادات اور ترقیاں معرض وجود میں آئیں اور آسانیاں اور سہولیات بڑھتی چلی گئیں اور لوگوں نے زمین کی وسعتوں میں اللہ تعالیٰ کے جمال قدرت اور کمال قدرت کا مشاہدہ کر کے اسے پہچاننے اور پانے کی سعی اور جدوجہد کی۔

سب سے پہلے اسلام نے حقوق انسانی کا جھنڈا بلند کیا۔ جنگوں میں پکڑے جانے والے فوجیوں اور عام انسانوں کا قتل عام کیا جاتا شہروں پر قبضہ ہونے پر مردوں اور بچوں کو غلام، عورتوں کو لونڈی، کنیز بنا کر ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا اور ان کے مالکانہ حقوق میں ان کو سر بازار نیلام کیا جاتا۔ اسلام نے بطور ثواب انہیں آزاد کرنے اور حقوق انسانی سے نہ محروم رکھنے پر زور دیا۔ حضرت بلالؓ کا آزاد کرایا جانا اور حضورﷺ کے منہ بولے بیٹے زیدؓ کا آزاد کیا جانا، ان کے علاوہ شہنشاہ یزدگرد کی دختر شہر بانو جو جنگ میں مال غنیمت تھی ان کو آزاد کر کے نواسۂ رسولﷺ حضرت امام حسین شہزادۂ جنت کے ساتھ ان کا نکاح اور ان کو ام السعادات کے مرتبہ پر فائز کیا جانا اسلام کی حقوق انسانی کی

طرف پہلے اقدام کی اولین مثالوں میں ہے۔اس کے بعد جنگی قیدیوں کے حقوق ساری انسانیت کے لئے مشعل راہ بن گئے اور ساری دنیا میں غلامی سے آزادی ایک نعرہ بن گیا اور مسلمانوں نے قبول اسلام کے بعد اس قبیہہ رسم کو چھوڑ دیا اور خود کو مہذب اور ترقی یافتہ اور شائستہ ہونے کا ڈھونگ رچانے والوں نے آج تک اس کو اپنائے رکھا اور انسانی حقوق کو پایمال کیا۔اس جدوجہد آزادی کی بھینٹ ابراہم لنکن، مارٹن لوتھر کنگ، نیلسن منڈیلہ ہے اور آج برما میں آن سان سوکھی اس بربریت سے جوجھ رہی ہے اور آج کے اس ترقیاتی دور میں بھی انسانی غلامی کے پہلو کا دوسرا رخ موجود ہے۔تیل اور معدنیات حاصل کرنے کے لئے ملکوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔جزیرہ عرب اور افغانستان اس کی مثال سامنے ہے۔غیر اقوام جہاں گئے انہوں نے وہاں اپنی کالونیاں بنائیں اور مسلمان جہاں گئے وہاں کے قطعہ اور ملک اور زمین کو عروف اور ترقی بخشی۔ترکی وسطی ایشاء برصغیر اور آج امریکہ اور یورپ اس کی مثال ہیں لیکن اس کے باوجود آج خود اسلامی حکمراں اس ظلم اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔تیونسیا، مصر،شام،لیبیا اور سعودی حکمرانوں نے اس معاملے میں اپنے مغربی آقاؤں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔انہوں نے خود اپنے عوام کو لوٹ کر انہیں غلام بنا رکھا ہے۔

انسانی معاشرے پر اسلام کے بڑے دورس اور وسیع ترین نتائج رہے۔اس کی ایک چھوٹی مثال شادی بیاہ ہے۔اسرائیلی اور یہودی سماج میں یہودی ہونے کے لئے پیدائشی یہودی نژاد ہونا ضروری ہے۔اسی طرح پارسی یا آتش پرست ہونے کے لئے پیدائشی پارسی ہونا ضروری ہے اس لئے ان کی نسل اور آبادی گھٹتی چلی گئی۔آج یہودی چند لاکھ اور پارسی ایک لاکھ سے بھی کم رہ گئے۔جب کہ یہ دنیا کی قدیم ترین قومیں ہیں۔کسی زمانے میں اسرائیلی تمام جزیرہ عرب یوروپ میں چھائے ہوئے تھے اور فارسی حکومت کا طوطی تمام براعظموں میں بولتا تھا۔یہاں تک کہ حکومت روم فارسیوں سے لرزاں وترساں تھا اور ہندومت میں ایک بیوی سے بیاہ رچانے کے بعد دوسری بیوی کی کوئی جگہ نہیں۔اس طریقہ کار نے ہندوستان میں دیوداسی رسم کو رائج کیا۔جس میں بغیر بیاہ کئے ایک عورت کئی مردوں سے تعلق رکھتی ہے۔اس کے ساتھ بڑے بڑے عزت دار لوگ وابستہ رہتے،بعد میں چلتے چلتے اس طریقہ نے چکلے،کوٹھے،عیاشی اور زنا کے اڈوں کی شکل اختیار کرلی۔مگر اسلام نے ایک عورت کے ساتھ بہتر طور پر نباہ کرنے اور اس کے تمام حقوق کی ادئیگی پر زور دیا فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اگر تم کو

احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو (النساء ۳ ع ۱) مگر چند نا مساعدہ حالات میں دیگر نکاح کی اجازت بھی دی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جنگوں میں مرد مارے جاتے، دور دراز سفر کرنے کی وجہ سے بیمار اور پریشانی کا شکار ہوتے، حادثوں کا شکار ہو جاتے۔ اس سے مردوں کا تناسب گھٹ کر عورتوں کا بڑھ جاتا۔ اس سے اس بات کا اندیشہ ہوتا کہ بدکاری اور برائی وفساد کا باعث نہ ہو اور اس میں عورت کے تحفظ کا انتظام بھی کیا گیا اور صنف نازک کا استحصال نہ ہو اس بات پر اس کے تمام حقوق کی گارنٹی لی گئی اور تم لوگ بی بیوں کو ان کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو............اور جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے معشیت قائم رکھنے کے لئے دیا ہے اور ان مالوں میں ان کو کھلاتے رہو، پلاتے رہو، پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو......(النساء)

عیسائیوں کی بدکاری اس زمانے میں بھی مثال تھی اور آج تو اپنی انتہا پر ہے۔ پہلے خانقاہیں، گرجے، صعومعے عیاشی کے مرکز تھے۔ آج کھلے عام لوگ پہلے زنا کر کے بچے پیدا کرتے ہیں پھر نام نہاد ویڈنگ ہوتی ہے اور چھوڑے جانے یا الگ ہونے پر فریقین میں جو بھی مالدار ہوتا ہے اس کو اس کا معاوضہ ایک خطیر رقم کے ساتھ ادا کرنا پڑتا ہے۔ جس کی مثال گولف کا مشہور کھلاڑی ٹائیگر وُوڈ، پوپ گا یکہ میڈونا اور ہندوستانی نژاد تاجر ارون نایر اور ماڈل ایلزیبت ہرلی کی شادی اور طلاق ہے اور ایسی بے حساب مثالیں ہیں۔

مذہبی اجارہ داری کی بات لیجئے صلیب کو پاپائے روم اور اس کے اہل کاروں کے سواء کوئی ہیں چھوسکتا۔ مندروں میں خانہ صنم کو پجاری کے علاوہ کوئی نہیں ہاتھ لگانا تو کجا نزدیک بھی نہیں جا سکتا۔ صرف دور سے درشن کر سکتا ہے اور پارسیوں میں آگ کو دستور (آگ کے رکھوالے) کے علاوہ کوئی نہیں پوجتا۔ ایسا ہی کچھ دیگر مذاہب میں ہے لیکن اسلام میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ اللہ کا ہر بندہ اس کا مقرب بننے کی سعی وکوشش کر سکتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ جنہیں رحمت عالم بنا کر بھیجا گیا ان سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا بشر ہوں اور میرے طرف وحی کی جاتی ہے اور یہ کہ معبود تمہارا (اور میرا) ایک ہی ہے۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہے پس اسے چاہیئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے (سورہ الکھف ع ۱۲) ان آیات مبارکہ کو علمائے اہل سنت اور گروہ مہدویہ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات یا دیدار کے دلائل کے ضمن میں پیش

کیا ہے، تو اسی نکتہ نظر سے دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضورﷺ پیغمبر آخرالزماں اور اللہ کے نبی ہونے کے جن پر وحی بھی نازل ہوا کرتی تھی بحیثیت بشر ہی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تھی اور یہاں کہا جارہا ہے کہ اگر کوئی انسان یعنی جو شخص اللہ سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہے وہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ یعنی اللہ سے ملاقات کے لئے کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت نہیں صرف اتنا ہو کہ شرک نہ کرے۔ یہاں نفس پرستی بہ معنی شرک ہے۔ نفس کے بت کو توڑ کر جو شرک خفی ہے اپنی ہستی کو فنا کر کے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا متمنی ہوسکتا ہے اور کعبۃ اللہ جسے اللہ کے دو برگزیدہ پیغمبروں نے خلوص نیت سے بنایا تھا تاکہ اللہ کے بندے ایک جہتی کے مظاہر کے طور پر اس کی طرف رخ کر کے عبادت کریں اور اس کی طرف سجدہ کرنا اللہ کے حکم کو سجدہ کرنا ہوا ہے۔

مافوق الفطرت اور غیر مرئی طاقتوں سے گھبرانے، بتوں اور شیاطین و جنات سے خوف زدہ رہنے سے بھی اسلام نے نجات دلائی۔ بتوں کی پرستش دراصل اسی خوف و ہراس کا نتیجہ ہے جو انسان خود اپنے اندر احساس کمتری کے طور پر پیدا کر لیتا ہے اور احساس پر قابو پانے کے لئے وہ طرح طرح کے کریہہ صورت بتوں کو تراش کر خود ان کے آگے سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور ان سے نجات کامیابی اور طلب کا امیدوار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انسانی ذہن ان پرستشوں سے دامن ہی نہیں چھڑا پاتا۔ وہ کہیں نہ کہیں اپنی تسکین کا سامان تلاش کر لیتا ہے۔ کبھی قبر پرستی میں مبتلا ہوتا ہے، کبھی کتاب توحید کو بت بناتا ہے، کبھی دیو بند کو کبھی تفہیم القرآن کو یہ سبھی مخفی بت ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتے۔ انہیں احساسات کو مٹانے اور انسان کے اندر کی روحانی قوتوں کو جگانے اور انہیں بروئے کار لانے کے لئے اسلام راستہ بتاتا ہے کہ دیکھو تمہارا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے اس کائنات کی تخلیق کی ہے، علم پرستی، نفس پرستی، دولت پرستی سبھی اعلانیہ اور خفیہ بت پرستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ اس کی عظمت اور جلال کا نظارہ کیجئے اس کی رحمت و کبریائی کا احساس اپنے گرداگرد محسوس کیجئے کہ جس میں خوف و دہشت کا اندیشہ نہیں ہے یہ ایک ایسا احساس ہے جو انسان کو بندہ اور خالق اعلیٰ کو معبود سمجھنے میں مددگار رہتا ہے۔

محسن انسانیت محمد رسول اللہﷺ کے احسانات کو تسلیم کرنے کے بجائے اقوام عالم نے اسلام کے اعمال صالحہ کی نقل میں نئی نئی اصطلاحیں اور طریقے نکال لئے اور ان کو اپنے جانب منسوب کر لیا اور خود کو معزز و محترم اور ترقی یافتہ سمجھنے لگے۔ جب کہ ان کی خود غرضی اور جہالت دنیا کے سامنے

ہے۔ایسا ہی کچھ اہل اسلام بھی کرر ہے ہیں۔ وہابی جنہیں صلافی بھی کہا جاتا ہے دولت دنیا سے جن کی رغبت اور عقائد اسلام سے دشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔انہوں نے گروہ مہدویہ کے اعمال صالحہ کو توڑ مروڑ کر اپنی جانب منسوب کرتے ہیں۔مہدویوں کی ہجرت ان کی اصطلاح میں چلہ چلی اور گشت کہلاتی ہے۔صحبت صادقین کو'جوڑ' کا نام دیا ہے۔بیان قرآن کو کتابی تعلیم سے منسوب کیا ہے،جس میں وہابیوں کے قول اور طریقے بیان ہوتے ہیں،مہدویہ کے اصلاح امت کو تبلیغ اور دائرہ کے سرپرست کا نعم البدل امیر جماعت ہو گیا ہے۔ یہ سب کچھ پچھلی صدی سے گروہ مہدویہ کے اعمال صالحہ کو ترک کر دینے کے بعد ایک منظّم طریقہ ایک سونچی سمجھی سازش کے تحت کیا گیا ہے تا کہ مہدویوں کے اعمال صالحہ کو ترک کرنے کے بعد مہدیؑ موعود علیہ السلام کی تعلیمات کو بے اثر اور کمزور کیا جائے اور ان کا یہ حربہ کہیں کہیں کام کر گیا۔تعلیمات سے بے بہرہ اور عمل وعقیدہ سے نابلد لوگوں نے خود کو اور اپنے اسلاف کو کوسا اور موردالزام ٹھیرایا۔جس طرح مغربی ترقی اور فحاشی کے دلدادہ مسلمانوں نے طلاق، پردہ، اسلام کے طرز معاشرت پر انگلیاں اٹھائی اور جہاد کے نظریہ کو غلط قرار دینے کی کوشش کی۔حالانکہ اسلامی جہاد اور وہابیوں کے جہاد میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔اسلام کا جہاد اللہ تعالیٰ کی شریعت نافذ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔وہابیوں کا جہاد دنیا میں دین کے نام پر حکومت کرنے کے لئے ہوتا ہے جیسے کہ مصر میں اخوان المسلمین کا حکومت کرنے کا خواب، پاکستان میں جماعت اسلامی کا نظام مصطفیٰ کا نعرہ، افغانستان میں طالبان کی وحشت وبربریت اور سعودی عرب کا عبدالوہاب نجدی کا تیل کی دولت سے عیاشی اور مغربی ملکوں کی فحش اور بے حیا معاشرے کے مقابلے میں نادار غریب مسلم ملکوں کی حقارت ہے جس کی مثال ہندوستانی اور بنگلہ دیشی مسلمانوں کو حقارت سے ہندی اور مسکین سمجھنا اور ان کے ہمنوا اب خود کو نبیوں کے برابر قرار دینے لگے ہیں اور دنیا میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے اصلاح کے نام پر مسلمانوں کو ورغلا کر اپنی تحریک کو نبیوں والا کام قرار دیا ہے۔حالانکہ نہ اس میں نبیوں والی بے غرض خدمت ہے نہ ہی وہ معصومیت جو نبوت کے مقام کی بنیادی ضرورت ہے کوئی بھی نبی سر پہ چولہا، کھانے پینے کا اناج، حلوہ مانڈہ لے کر تبلیغ کے لئے نہیں نکلے، وہ تو خدا پر توکل کر کے اللہ کی راہ میں جان ہتھیلی پر لے کر نکلتے تھے۔ حضور ﷺ نے ایک مہدی موعود کے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ان وہابیوں نے نبیوں کے کام کرنے والے سینکڑوں پیدا کر دئے۔اب انہیں کسی مہدی کی کوئی ضرورت بالکل ہی نہیں ہے۔ جب لاکھوں ہادی

اور رہبر پیدا ہو گئے ہوں وہاں ایک مہدیؑ کی کیا ضرورت ہے۔

ہوا اب کار ہدایت کس قدر آسان ہمیں ایک امتی ہیں ہر کس و ناکس پیمبر ہے

اور اب یہ خود کو روئے زمین کے سب سے زیادہ اصلاح شدہ علم و عمل والے اور دیندار سمجھتے ہیں۔ اب تو عالم یہ ہو گیا ہے کہ ان کے کچھ امیر جماعت خدا کے برگزیدہ ہی نہیں بلکہ جنت کے زبردستی مستحق سمجھے جانے لگے ہیں۔ وہ بھی وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

رسول ﷺ کی گستاخی تو ان کے رہبروں نے پہلے ہی بھی کی ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قرب قیامت ایک گروہ نوجوانوں کا ہوگا جو دماغی طور پر کمزور ہوں گے (دینی طور پر نا سمجھ) مگر وہ دین کی باتیں بتائیں گے۔ مگر ان کے اندر ایمان نہیں ہوگا اور دین ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب تم ان کو پاؤ تو ان سے جہاد کرو (بخاری شریف ۱۰۲۴)

شواہد النبوہ میں حضرت عبدالرحمٰن جامی علیہ رحمہ سے منقول ہے کہ ''جو (لوگ) آنحضرت ﷺ کے معجزات و تصدیق کے متعلق ہمیشہ سننے کے باوجود بھی دولت ایمان سے بہرہ مند نہیں ہوتے......ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے صفت مناسبت مٹ چکی ہے، نور جنبیت ختم ہو چکا ہے، ہر چند ان کے سامنے معجزات و آیات پیش کئے گئے لیکن وہ عداوت و عناد اور تکبر و غرور کے راستے پر گامزن ہیں، ایسے لوگ آپ ﷺ سے معجزات طلب کرتے اور مشاہدہ کے بعد یہ کہہ دیتے تھے کہ یہ جادو اور شعبدہ بازی ہے اور اس مشاہدہ سے محض ان کی بدبختی اور شومی قسمت میں ہی اضافہ ہوا اور انہیں لوگوں سے ملحدوں اور زندیقوں کی ایک جماعت نکلی جو صدیوں سے معجزات کا انکار کرتی چلی آئی ہے ......ایسے کچھ لوگ معجزات، خوارق عادات کے کلیتہً منکر ہیں اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ باوجود کلی انکار لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اور حصول منفعت کے لئے کرامات و خوارق عادات کا دعویٰ کرتے ہیں اس طرح مکر و فریب سے احمق و کمینہ لوگوں کو اپنا معتقد بناتے ہیں''

حضور ﷺ نبی اور پیغمبر آخر الزماں کے مقام پر ہونے سے آپ ﷺ پر بڑی بھاری اور عظیم ذمہ داری تھی، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے یوں کہا ہے ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ اللہ کی خشیت (خوف) سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ آپ ﷺ کا اعجاز تھا کہ آپ ﷺ نے اس عظیم ذمہ داری کو

اٹھالیا۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت، بندوں پر جاری کرنا، حدود طے کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری پر بندوں کو راغب کرنا، تعزیرات کا خلاصہ کرنا، فرائض وعبادات کے طریقے اور اصول بتانا، وحدت اور شرک کا فرق سمجھنا انسان کو ذلت سے نکال کر شرف کے مقام پر فائز کرنا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس پر عمل کروانا اور جو ناپسند کرتا ہے اس سے روکنا یہ آپ ﷺ کی نبوت کی ذمہ داریاں تھیں۔ صدیوں سے ذلت آمیز پستی میں گر چکی انسانیت کو باوقار مقام عطا کرنا تھا۔ آپ ﷺ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں گزارتے جو نبوت سے متعلق تھیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی شفقت مہربانی عظمت و کبریائی کا حق ادا کرنے کے لئے آپ ﷺ قربت خداوندی کے ان خاص مراحل کی طرف بھی متوجہ رہتے جو آپ ﷺ کی ولایت سے متعلق تھیں۔ ان امور کی جانب آپ ﷺ برابر متوجہ رہتے۔ اس طرح آٹھوں پہر یا چوبیس گھنٹے آپ کا واسطہ اللہ تعالیٰ سے متعارف و متعلق ہوتا اس کا زیادہ تر وقت رات کا وہ حصہ ہوتا جس میں آپ ﷺ چند لمحے آرام کے بعد اطاعت میں گزار دیتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔ اس کے بعد پھر سے معاملات بشریت پر توجہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ایسا وقت حاصل ہے کہ جہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا گزر نہیں'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **تلک الرسول فضلنا بعضھم اعلی بعض**'' (یہ رسول ہیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے) نماز تہجد کو اسی کی مغائر میں دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر یہ نماز فرض کی تھی آپ کو حکم دیا تھا کہ رات کو اُٹھ کر آپ یہ نماز پڑھیں یہاں تک کہ صبح نمودار ہو جائے تا کہ آپ کو مقام محمود میں جگہ دی جائے۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرا ہونے تک نماز ادا کیجئے اور صبح کی نماز بھی۔ بے شک صبح کی نماز حاضر ہونے کا وقت اور کسی قدر رات کے حصے میں بھی، سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز ہے امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے (انعام ع ۹) مقام محمود میں جگہ دیا جانا یہ اللہ تعالیٰ جانیں یا پھر اللہ کے رسول ﷺ، مگر جب ہم جریر بن عبداللہؓ کے روایت کردہ حدیث کو چند قرآنی آیات کے سیاق وسباق میں دیکھتے ہیں تو کچھ معاملات صاف نظر آتے ہیں۔ سنن ابوداؤد جلد ۳: ۱۳۰۲ میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سات بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا نزدیک ہے کہ تم اپنے رب کو دیکھو گے جیسے اس کو دیکھتے ہو اس کے دیکھنے میں کشمکش اور زحمت نہ ہوگی۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو حفاظت کرو اس نماز کی جو آفتاب نکلنے سے پہلے ہے اور جو آفتاب ڈوبنے سے پہلے ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھا **فسبح بحمد**

ربک قبل طلو الشمس غروبہا یعنی پا کی بیان کر اپنے رب کی آفتاب نکلنے سے پہلے اور آفتاب ڈوبنے سے پہلے اور رات کے ٹکڑوں میں اور دن کے ٹکڑوں میں آخیر تک۔

حدیث مذکور میں غور طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی شرط اللہ تعالیٰ کی پا کی بیان کرنا طلوع وغروب آفتاب سے پہلے، رات اور دن کے ٹکڑوں میں اور اخیر تک، ہم اس حدیث مبارک کو یوں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نماز فجر طلوع آفتاب سے پہلے ہوتی ہے اس کے بعد ذکر اللہ کا ایک خاص درجہ ہے پھر دنیا کے کاروبار میں انسان مصروف رہتا ہے اور نماز ظہر کا وقت آن پہنچتا ہے۔ دن کا یہ ٹکڑا انسان کاروبار دنیا کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یا پا کی کی بیان کرنے میں گزرا پھر کاروبار دنیا میں مصروف ہوا اور عصر کی نماز ادا کی ایک اور ٹکڑا اس طرح گزرا، پھر ذکر اللہ کی خصوصیت سامنے آئی، پھر نماز مغرب کے بعد ایک اور ٹکڑا دن کا گزار دیا اور گھریلو معاملات یا مصروفیات ہوئیں پھر عشاء کا وقت ہوا، اب یہاں نماز کی شرط کے مطابق نماز وتر نہ پڑھ کر سوکر اٹھنے کی تیاری کرتے ہیں اور اس طرح ایک اور ٹکڑا پورا ہوا اور اس کے سوکر اٹھنے کے بعد تہجد گزارتے ہیں گویا یہ وقت بھی عبادت کی تیاری اور انتظار میں ہی گذار دیا اور وتر پڑھ کر صبح تک یا آفتاب کے طلوع ہونے تک تلاوت اخیر تک قرآن یا ذکر اللہ میں رہنے کے بعد نمازِ فجر ادا کر کے پھر سے ذکر اللہ یا اللہ کی پا کی بیان کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ کے حکم ''**اقم الصلواۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقرآن افجر. ان قر ان الفجر کان مشھودا**'' کے مطابق طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے حصے میں یعنی تمام آٹھوں پہر چوبیس گھنٹے عبادت یا بندگی کے انتظار میں ٹکڑوں ٹکڑوں، اخیر تک گزارنے کی شرط اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انعام ہے۔ اس کے بعد جمال قدرت کو بے حجاب کسی زحمت اور تنگی کے بغیر دیکھا جاسکتا ہے یا جس کو مقام محمود میں جگہ پانا قرار دیا گیا، یہ نماز تہجد کا بھی فلسفہ ہے مہدی موعود علیہ الصلواۃ والسلام نے اعمال ولایت کے طریقوں میں اسے آسانی سے بتایا ہے۔

اب اگر کوئی قرآن کے اعلان کو اور حدیث کے متن کو سمجھ نہیں پاتا تو یہ اس کی کوتاہ فہمی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نبی آخرالزماں اور خاتم الانبیاء ہونے کے احکام نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ آپ کی ولایت مخصوصہ پر عمل آور اور کاربند تھے۔ اس لئے فرمایا ''**الولایت افضل من النبوۃ**'' یعنی اللہ تعالیٰ سے میری قربت کا معاملہ میری نبوت کی ذمہ داریوں سے زیادہ فضیلت کا ہے، شواہد النبوہ میں ہے ''ولایت نبوت سے افضل ہے اس بات کی اساس اس بات پر ہے کہ نبی ہونے کے لئے دو اسباب

ہوتے ہیں۔ایک سبب ولایت جو نبوت کا باطن ہے اور دوسرا نبوت ظاہر۔اور نبی کو ولایت کے سبب حق مجدہ سے فیض وعطا پہنچتے ہیں اور نبی از راہ نبوت جو ظاہری ولایت خلق کو پہنچاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جس چیز کا رخ حق سبحانہ کی طرف ہو وہ اس چیز سے افضل و اشرف ہوتی ہے جس کا رخ مخلوق کی طرف ہو'' اور اس کا کچھ حصہ اپنے صحابۂ خاص کو بھی بتایا مگر ! حالات کیفیات اور انسانی ذہن کا قرآن کی ابتدائے اسلام میں تعلیمات کو قبول کرنے کا ابتدائی مرحلہ شروع ہی ہوا تھا۔ایسے میں لگا تار ٹکڑوں میں مسلسل عبادت یا اللہ تعالیٰ کی پاکی کے بیان میں انسانوں کو راغب کرنا اور مشقوں کی ترغیب کم فہم غیر متوازن انسانوں کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرسکتا تھا۔اس کی مثال آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے فوراً بعد تحریک ارتداد ہے جس میں زکوٰۃ کی ادائیگی لوگوں کو گراں گزر رہی تھی اور احبار حیل و حجت نے ہارون و موسیٰؑ کی تمثیلوں سے اسلام رخنہ پیدا کر دیا تھا۔اس لئے حضور ﷺ نے اس خاص موقعہ اور وقت پر ایک ہستیِ مخصوص کے ذریعہ اللہ کے خاص بندوں کو جو اللہ سے زیادہ سے زیادہ انعام پانا چاہتے تھے انہیں '' لِلَّذِيْنَ احْسَنوُ و ذِيَادہ '' کا مژدۂ جاں فزاء سنایا تھا اور اس کو عام کرنے کا احتمال ہوا جو خاتم ولایت محمد ﷺ کے توسط سے تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے یا دیدار کرنے کا شوق رکھنے والے اپنی آرزو پورا کر سکتے تھے اور اس کے لئے کھلے اشارے اور صاف پیغام دئے گئے۔

سنن ابوداؤد جلد ۳، ۱۳۰۳ حدیث میں ہے کہ اسحاق بن اسماعیل، سفیان، سہیل اور ان کے والد ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے پروردگار کو قیامت میں دیکھیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم کو دوپہر میں سورج کو ابر میں دیکھنے میں مشکل ہوتی ہے، لوگوں نے کہا نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں مشکل ہوتی ہے جب ابر نہ ہو، لوگوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا قسم ! اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم کو اللہ کے دیکھنے میں کوئی مشکل نہ ہوگی مگر جتنی چاند اور سورج کو دیکھنے میں ہوتی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں غور کیجئے۔صحابہؓ نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ کو ہم قیامت میں دیکھ سکیں گے۔یہاں پر اللہ کے رسول ﷺ نے قیامت کا لفظ نہیں دہرایا بلکہ یہ کہا کہ سورج کو ابر میں اور چاند کو بغیر ابر کے دیکھنا مشکل ہوگا مگر ! اللہ کو دیکھنا آسان ہوگا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی ذات سے اپنی جان کی قسم کھائی جو کہ انتہائی یقینی امر ہونے کی بات تھی اور اس بات پر اپنی مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا '' فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهِ فَلْيَعمَلْ عَمَلا صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَهِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا

(الکہف ع ۱۲) سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ فرائض کی ادائیگی ہیں۔ ان کے ساتھ یا ان کے علاوہ اچھے اعمال یہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اس میں ہر قسم کا شرک ہے۔ شرک جلی و شرک خفی یہاں اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں موجودگی کے لئے خود کی ہستی کو مٹانا یا فنا کر دینا ہے۔ کسی نے مہدیؑ موعود علیہ السلام کے سامنے یہ حکایت بیان کی کہ بایزیدؒ نے کہا کہ اتنی مدت سے بایزید اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈ رہا ہے مگر باریابی نہیں ہوتی۔ مہدیؑ موعودؑ نے فرمایا ڈھونڈنے کے لئے باقی کیوں ہے؟ یا خود اس کے لئے فنا کیوں نہیں کیا۔ شرعی احکام اور عملی پابندیاں دنیا میں انسان کو ڈھنگ سے زندگی گزارنے کے لئے اور امن وامان قائم رکھنے کے لئے ہیں تاکہ بندگان خدا اس کی عبادت یکسوی سے کریں اور دیدار خدا میں قیل وقال دلیل وحجت انسان کے علمی غرور کی عکاسی کرتے ہیں۔

حدیثوں میں مہدیؑ کو دین کو زندہ کرنے والے بیان ہوا ہے۔ حضورﷺ نے نبوت کے وہ امور جو دین و دنیا سے متعلق تھے ان کی ادائیگی کے بعد بھی خود کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے وقف کر دیا تھا ۔اب آپ کی امت کے وہ لوگ جو للذین احسنو و ذیادہ کے متمنی تھے ان کو اعمال ولایت کی تربیت کرانا تھا۔ جو لوگ دنیاوی امور کی حد تک بندگی کا احتیاج رکھتے ہوں ان کے لئے تعلیمات مہدی موعودؑ کوئی معنی نہیں رکھتی اور جو اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ مہدویت کے معاملات ان کے لئے دنیا سے برأت اور خانقاہیت نہیں ہے۔ اصل دینداری ہے اور متاع دنیا کی طلب میں بندہ کا اصل مقصد کی طرف سے بے رغبت ہونے پر رسول اللہﷺ نے فرمایا دنیا مردار اس کے چاہنے والے کتے۔ یہاں انسان کو اس کا مقام دکھانا ہے۔ اسے کتا بننے سے منع کرنا ہے جو مردار کھاتا ہے۔ اسلام میں پورے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی طلب رکھے نہ کے متاع دنیا کی آفرینی میں ملوث ہو اس لئے صحابہ نے قیامت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بات کہی تو آپﷺ نے مخلوقات میں سورج اور چاند کی مثال میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں اتنی زحمت نہیں جتنی سمجھی جارہی ہے بشرطیکہ ایسے اعمال صالحہ کریں جو اس انعام کے متقاضی ہوں تو ضرور ایسا ممکن ہے کہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا نظارہ اس کی قدرت کاملہ کی نشانی ہے اسی طرح خالق کل کا نظارہ بھی اس کی قدرت کا کمال ہے اس لئے فرمایا گیا کہ ''اس کو کوئی نگاہ محیط نہیں کرسکتی وہ ہر نگاہ کو محیط ہو جاتا ہے...... (سورۂ الانعام ۱۰۳ تا ۱۰۵) اس کے لئے

087

اعمال صالحہ کرنا ہوگا۔ آٹھوں پہر، ٹکڑوں میں اخیر تک اوران اعمال کا صلہ ضائع نہیں کیا جاتا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے اعمال کو ضائع کردے'' اللہ تعالیٰ نے موقع دیا کہ سوچیں سمجھیں اور محسوس کریں۔ انگریزی کا مقولہ ہے کہ ''زندگی کی آدھی غلطیاں تب شروع ہوتی ہیں جب ہمیں سوچنا چاہیئے جبکہ ہمیں محسوس کرنا چاہیئے اور جب محسوس کرنے لگتے ہیں'' تو ہمیں سوچنا چاہیئے لوگوں کی ہٹ دھرمی ضد اور نفس پرستی نے نہ سوچنے دیا نہ محسوس کرنے اوراب بے تکی نقل پر اتر آئے ہیں اور اتراتے پھرتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھالیا ہے اوران کی علمی غرور کی انتہا یہ ہے کہ کہتے ہیں نبیوں کا کام کررہے ہیں نہ نبی ورسول کا مقام ومرتبہ معلوم ہے نہ خلیفتہ اللہ کا۔ انہیں آئمہ واولیاء صالحین کی تقلید منظور نہیں، نبیوں کے مقام پر خود کو بٹھالیا ہے جبکہ احادیث اس بات پر گواہ ہیں کہ کئی اولیاء کامل بھی حضور ﷺ کے ادنی صحابہؓ کی برابری نہیں کرسکتے چہ جائیکہ انبیاء علیہ الصلواۃ والسلام کا کام کرنا ان کی دریدہ ذہنی کی بدترین مثال ہے۔ جیسا ہم نے پہلے کہا ہے جب انہوں نے نبیوں کا کام سنبھال ہی لیا ہے تو اب مہدی موعود آخرالزماں کی انہیں قطعی ضرورت نہیں جس طرح یہودیوں نے اپنے خاندانی غرور وعصبیت کے مقابلے میں حضرت عیسیٰؑ اور خاتم الانبیاء ﷺ کا انکار کردیا اسی طرح یہ عبدالوہاب نجدی کے پیروکار مہدی موعود آخرالزماں کی بعث کو بے حقیقت ثابت کرنے کے لئے راستہ ہموار کررہے ہیں۔ مگر! اس کوشش میں بھی نقل رسول اکرم ﷺ اور مہدیؑ آخرالزماں ہی کی کی جارہی ہے۔

برباد گلستاں کرنے کو بس ایک ہی اُلّو کافی تھا
ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

معلم قرآن ﷺ و مبین کلام اللہ علیہ السلام

اُردو شاعری میں ردیف، قافیہ، گردان، میزان، قطعہ اور تخلص کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ کسی خیال واقعہ یا کیفیت کو دلنشینی سے بیان کرنا اس فن کی خصوصیت ہے۔ اس کے علاوہ فن شاعری میں حروف تہجی کے امتزاج اور میزان سے ایسا قطعہ لکھا جاتا ہے جس میں کسی مخصوص معاملہ، واقعہ یا کیفیت کی تاریخ پوشیدہ ہوتی ہے۔ اگر اس قطعہ کے حروف تہجی کو ان کے اعداد سے مرتب کریں تو دن تاریخ مہینہ اور سال ظاہر ہوتے ہیں۔

مگر! ایک ہزار چار سو سال پہلے جب یہ فنون اور باریکیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں خالق کائنات نے کلام اور بیان کا ایسا نمونہ اور معیار پیش فرمایا ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخ مذہب اور لٹریچر ایسا کلام اور اس کے اندر موجود رموز و اسرار ایسے دلکش انداز میں نہ پیش کر سکا۔ قرآن کریم کی ترتیب، ترسیل اور گرہ بندی اور انداز بیان اپنی مثال آپ ہے۔ سورۂ رحمٰن اس کی ایک مثال ہے۔ اس سورۃ میں ایسی لطافت، نغمہ سرائی، ترنم اور ہوش ربا دلنشینی ہے کہ گویا یہ ایک حمد بھی ہے۔ نعت بھی اور منقبت بھی۔ اس بات کو وہ لوگ بھی محسوس کرتے ہیں جو زبان عربی سے ناواقف ہیں۔ نہ صرف اس کا بیان شاعرانہ ہے بلکہ اس سورۃ کے بیان میں ایک مقصد کو سمجھانے کے لئے دو مثالوں سے ہر کیفیت جہت اور معاملہ کو پیش فرمایا گیا ہے۔ اس میں ایک ایسی حقیقت کو پوشیدہ طور پر آشکار کیا گیا ہے کہ جس کو اہل ایمان و اہل باطن سمجھ پائیں۔ یہ ایک ایسی سورۃ ہے جو ذات حق کی نغمہ سرائی کے بیان میں رطب اللسان ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو عطا کے بعد ایک نعمت عظمیٰ کی طرف اشارہ ہے، جسے مثالوں اور دلیلوں کے ساتھ سمجھایا گیا ہے اور وہ نعمت ہے اللہ تعالیٰ سے حد درجہ غایت بندگی کا انعام ''احسان'' یا ملاقات ہے ''هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ'' غایت درجہ (حد درجہ) اطاعت کا بدلہ بجز عنایت (نظر کرم، احسان، دیدار) کے اور کچھ نہیں اور اس حد درجہ اطاعت و بندگی کی تعلیم اور اس کے بیان کے لئے دو ہستیوں ایک بعثت حاضر ﷺ اور دوسری بعثت متوقع پر مدح سرائی اس طور پر کی گئی ہے کہ اس کے لئے ہر دو مثالوں میں مکرّ رو سکرّ رجن و انس کو ظاہری نعمتوں کو جتلا کر نعمت مخصوصہ کی جانب توجہ مبذول کروائی گئی ہے۔

****

اس سورۃ کی ابتداء ایک بہت ہی صاف اور واضح پیغام سے ہوتی ہے ''رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو بیان سکھایا'' انسانی ضعیف اور حقیر عقل کے قاعدے کے لحاظ سے تو ہونا یہ چاہیئے تھا کہ انسان (محمد ﷺ) کو پیدا کیا، قرآن کی تعلیم دی اور اس کا بیان سکھایا۔ مگر یہاں قرآن کی تعلیم دینے کے بعد انسان کو پیدا کرنے اور بیان قرآن سکھانے کی بات کہی گئی ہے، چونکہ یہ خالق کائنات کا کلام ہے جو تمام رموز و اسرار پر مقدم اور زمانوں پر محیط ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اصولاً وہ بات بتائی جو اس نے اپنے علم غیب میں پوشیدہ رکھی اور مقرر فرمائی تھی۔ اس لئے بیان کا ایسا پیرایہ استعمال کیا گیا جیسے اگلے انبیاء کے صحیفوں میں اپنے اخبار غیب کے اشارات دیئے تھے۔ اس طرح حضرت خاتم الانبیا ﷺ کے ذریعہ قرآن کی تعلیم دینے کے بعد انسان کو پیدا کرنے اور اس کو بیان سکھانے کی بات کہی۔

رسول ﷺ کے ذریعہ قرآن مجید کا خطاب عالم انسانیت کے لئے تھا۔ مگر یہاں جس انسان کی بات کہی گئی ہے وہ مخصوص انسان ہے، یہاں پر واحد کا صیغہ ہے، تمام خلق انسان کو بیان سکھانے کی بات نہیں ہے تا کہ خاطی، عاصی، گنہگار اور عالم یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ قرآن کا بیان کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں اور لوگ بھی سوار تھے مگر سورۂ القمر میں ہے'' اور چڑھا لیا ہم نے اس کو (نوحؑ) او پر کشتی تختوں والی میخوں والی کے'' پس سورۂ الرحمٰن کی آیت کریمہ سے اس خاص انسان کا مقام اور مرتبہ ظاہر ہوتا ہے جو مبین کلام اللہ ہے اور اس بات پر قرآن کریم اس طرح گواہ ہے'' کہہ و اے محمد یہ میرا راستہ ہے جس پر بلاتا ہوں بصیرت کی بنیاد پر اور وہ بھی بلائے گا جو میرا تابع ہے (یوسف ۱۰۸) یہاں بھی واحد کا صیغہ ہے، علمائے گروہ مہدویہ نے ''انا و من اتبعنی'' کے انا و من یعنی میں اور میرا تابع پر تفصیلی گفتگو کی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جیسا کیا ویسا ہی کرنا بلا خطا کرنا بغیر حیل و حجت کرنا یہ بتا رہا ہے کہ وہ تابع معصوم عن الخطا اور مامور من اللہ ہے اور حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ جس طرح خاص اور بلند ہے اس طرح مبین کلام اللہ کا مقام خاص ہے۔ کیونکہ اس بیان میں ایک ایسی دعوت کو عام کرنا تھا جس میں کسی غیر معصوم اور غیر مخصوص انسان کا اطلاق نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ نے اس خاص انسان کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا **المھدی منی یقفوا اثری و لا یخطی** وہ مہدی مجھ سے ہے میرے نقش قد پر چلے گا اور خطا نہیں کرے گا۔ اس طرح آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے

والے کا مقام معصوم عن الخطا ہونا ظاہر ہوتا ہے ۔ جو آپ ﷺ کے اہلبیت سے ہے ۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۳۶ میں لکھا ہے کہ رسول ﷺ نے کسی امام کی نسبت یہ نہیں فرمایا کہ وہ میرے بعد وارث ہوگا اور نقش قدم پر چلے گا (حیات پاک ۴۸)

اس سلسلہ کلام کو پھر آگے بڑھاتے ہیں ۔ رسول ﷺ پر قرآن نازل کر کے انسان کو پیدا کر کے بیان سکھانے کی بات ہے ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ''لا نبی بعدی'' یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں تو پھر! مبین کلام اللہ کا مقام کیا ہے؟ اس سلسلے میں احادیث نبوی ﷺ ہماری رہنمائی کرتی ہیں ، ثوبان رضی اللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ پھر خلیفۃ اللہ مہدی (موعود) آئیں گے جب تم یہ بات سنو تو ان کے پاس حاضر ہو جاؤ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو، اگر چہ کہ تم کو برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے (مسند ابو نعیم) ۔ ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ''اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک دن بھی باقی رہے تو اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا دراز کرے گا کہ اس میں اس شخص کو مبعوث کرے گا جو میرے اہلبیت سے ہوگا، اس کا نام میرے ہم نام ہوگا اور اس کے ماں باپ کا نام میرے ماں باپ کے ہم نام ہوگا، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم اور جور سے بھر دی گئی ہے'' پہلی بات یہ کہ برف پر چلنا ہی دشوار گزار کام ہے چہ جائیکہ برف پر سے رینگتے ہوئے جانا، مہدی موعودؑ کی بعثت کے لئے حضور ﷺ کی اتنی سخت تاکید بتا رہی ہے کہ مبین کلام اللہ خلیفۃ اللہ معمور من اللہ کا مقام اور اس بعثت کی اہمیت کیا ہے اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے ختم کرنے کی اتنی جلدی نہیں ہے جتنی ضرورت اس بات کی ہوگی کہ زمین کو عدل اور انصاف سے بھر دیا جائے، جیسے وہ جور وظلم سے بھری ہوگی، چاہے اس کے لئے ایک دن کو اتنا دراز کرنا پڑے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے خلیفہ کو مبعوث کرے ۔ جور وظلم یہ بھی ہے کہ جو حق بات بتائی جا رہی ہے اس کو لوگ سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھنے کی ضد کریں اور اپنی بات پر اڑے رہیں اور ایک دن کا اتنا دراز کیا جانا کہ انسانوں کو موقع دیا جائے تا کہ وہ یہ بہانہ کریں کہ ہم کو تو معلوم ہی نہیں تھا، ہمیں پتہ ہی نہ چلا یا بات ہماری سمجھ میں نہ آئی ۔ آخر وہ کونسی بات ہے جس کو سمجھانے کے اتنے جتن کئے گئے ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے میری امت میں مہدی ہوگا جو کم ہوا تو سات سال ورنہ نو سال اس میں میری امت کو ایسی نعمت دی جائے گی کہ اس کے مانند کبھی نہ دی گئی ہوگی، امت کو کھانے کی چیزیں دی

جائیں گے ان میں سے کچھ بھی ذخیرہ نہ کرے گی، مال اس دن انباروں میں ہوگا پس وہ شخص اٹھائے گا اور کہے گا اے مہدی مجھے دے تو مہدی کہے گا لے۔اس روایت میں خاص بات یہ ہے کہ ایسی نعمت کا دیا جانا جواس کے مانند پہلے کبھی نہ دی گئی تھی، اس کے بعد کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے۔ظاہر ہے کھانے کی چیزیں خاص نعمت نہیں ہوتی جو صرف جسم کی نشو ونما کے لئے ہیں اور یہاں ان کا کچھ بھی ذخیرہ نہ کرنا بھی بیان ہورہا ہے اور نعمت ذخیرہ نہیں ہوتی وہ مراتب کی بلندی وسرفرازی کا موجب ہوتی ہے اور یہاں ایک ایسی نعمت کا ذکر کیا جارہا ہے جس کے بعد کسی اور نعمت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی جس کا عطا کیا جانا انتہائے عطا ہے۔جس کا ذکر اس سورۃ میں ہے جس کے بیان کے لئے مبین کلام اللہ کا مبعوث کیا جانا متوقع تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کے بیان کا ذمہ لیا ہوا تھا ''ثُمَّ اِنَّا عَلَیْنَا بَیَانَہ' پھر تحقیق اس کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے (جز ۲۹ رکوع ۲) تا کہ اس تعلیم قرآن کے بیان سے جو فیض عام ہونے والا تھا یا انعام ملنے والا تھا اس سے مومنین مستفیض ہوں اور استفادہ حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی مراد کو پہنچیں۔اور جس طرح لیلتہ القدر کی مقبولہ عبادت کا ثواب یا انعام ایک ہزار مہینہ سے زیادہ ہے۔ اسی طرح انعام کو عطا کرنے کے لئے دن کو اتنا دراز کر دیا جائے گا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ احسان کے مستحق ہوں لِلَّذِیْنَ اَحْسَنو وَزِیَادہ یعنی احسان کا بدلہ زیادہ سے زیادہ، بے حساب جس کی کوئی تعداد مقرر نہیں اور وہ انعام ہے معلم قرآن ﷺ اور مبین کلام اللہ کے راستے پر چل کر بصیرت کی بنیاد پر اللہ سے واصل ہونا یا ملنا۔اس لئے اس آمد متوقع کی بات یا تعلیم کے بیان کی بات کہی گئی ہے۔

جیسا ہم نے پہلے کہا کہ، معلم قرآن ﷺ اور مبین کلام اللہ کے مقام ومراتب کو سمجھانے کے لئے دو دو مثالیں دی گئیں۔''چانداور سورج حساب کے ساتھ چلتے ہیں'' (الرحمٰن ا) سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے اور چاند اپنے وقت پر نمودار ہوتا ہے، سورج کا کام دن میں عالم کو روشن کرنا ہے، اسی طرح شمس نبوت ﷺ نے تمام عالم کے انسانوں کو قرآنی تعلیمات کی روشنی سے حرارت اور گرمی پہنچادی، کفر کے اندھیرے چھٹ گئے اسلام کی روشنی پھیل گئی، بندگان خدا نے اسی حرارت سے بالیدگی اور پختگی حاصل کر لی کہ ان کو معرفت الٰہی کی پہچان کرائی جا سکے اور منازل سلوک کی راہیں طے کروائی جاسکیں تا کہ وہ انتہائے انعام 'احسان' کے مقام پر پہنچ پائیں، اس کے لئے چاند جیسی ٹھنڈک وسکون اور راحت کی علامت کی مثل مومنین کو شمع نبوت ﷺ سے ملنے والے فیض اور شریعت مطہرہ کے ذریعہ بیان

****

قرآن کی تعلیمات میں خاتم ولایت محمد ﷺ کی فرحت بخش روشنی میں معرفت الٰہی کے متمنی ہوں۔اس طریقہ رسول ﷺ کو جس میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکومت و بادشاہی کے بدلے میں 'الفقر والفخری' کہہ کر طلب کیا تھا اور دعا کی کہ ایک دن کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں تا کہ تیری عبادت کرسکوں۔حضور ﷺ کی اس آرزو کی قدر و قیمت اگر جان جائیں گے تو ان کے حصے میں ختم ولایت محمدیہ ﷺ کی ضیاء پاشی آئے گی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''الولایت من افضل البوہ'' یعنی میری ولایت میری نبوت سے افضل ہے۔کیونکہ نبی ﷺ کی ولایت کا واسطہ براہ راست صرف اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے جبکہ نبوت کے معاملات امت سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں '' مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت حاصل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کا گذر نہیں (تذکرۃ الاولیاء) نبوت کا فیض ہر خاص و عام نے پایا لیکن آپ ﷺ کی ولایت کا فیض معدودے چند ہستیوںؓ کے کسی کو نصیب نہ ہوا۔اس فیض کو جاری وساری کرنا تھا، عام کرنا تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یآیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادخُلُوا فِی السِّلْمِ کآفَّۃً اے ایمان والو پورے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ (بقرہ ۲۰۸، ع ۲۵) یہ پورا اسلام کیا ہے؟ کیا اسلام آدھا بھی ہوتا ہے۔اس کا مطلب ہے مسلمان تو بن گئے اب مومن بن کر ایسے اعمال صالحہ کرو کہ اصحاب یمین میں شمار کئے جاؤ جنہیں داہنے ہاتھ والے یا سیدھے طرف رہنے والے کہا گیا ہے (سورۃ واقعہ) آیات عقلیہ و معجزات نبویہ ﷺ اور دیگر آثار قدرت دیکھنے اور غور کرنے کے بعد بھی چشم پوشی کرنا آدھا اسلام ہے۔رسول اللہ ﷺ نے کفر سے نکال کر سلامتی میں داخل کردیا۔قرآن کے احکام اور شریعت کی تعلیم فرمائی اور مبین کلام اللہ اور خلیفۃ اللہ نے قرآن وشریعت محمدیہ ﷺ کی روشنی میں ولایت محمدیہ ﷺ کی عمل پیرائی میں امت رسول ﷺ کی رہنمائی کی ہے اور ولایت یا قربت خداوندی کا وہ نکتہ بیان کیا ہے جیسے ''احسان'' کہتے ہیں جسے اہل اسلام دوسرے معاملات کی طرح ایک عام معاملہ سمجھ رہے تھے جبکہ یہی وہ خاص معاملہ تھا جس میں قربت خداوندی کا راز مضمر تھا جس کا اشارہ حدیث جبرئیل یا حدیث احسان میں دیا گیا ''......کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر کہ تو اسے دیکھ رہا ہے (جو عالیت پر مبنی ہے) یا اتنا جان لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے (جو رخصت یا کمزور ایمان کی علامت ہے)''

فرائض، سنن، عبادات، ریاضت بندے کی اللہ تعالیٰ کے تئیں حقوق کی ادائیگی پر مبنی ہیں،

****

حقوق اللہ کی ادائیگی کے بعد انعام کا معاملہ احسان سے ہونا ہے اور اس طرح تعلیم قرآن کی جہاں سے ابتداء ہوئی تھی بیان کلام اللہ کی یہ انتہاء ہے جو مکمل سلامتی یا پورا اسلام ہے، پوری طرح اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلے جانا یا مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے خود سپردگی ہے جس کے انعام میں وہ اپنی تمام جلوہ طرازیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ یہی پورا اسلام ہے باقی اعمال وعبادات آدھا اسلام ہیں، منزل احسان مکمل اسلام ہے جو خلیفۃ اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ کا وہ عظیم تحفہ ہے امت کو کہ امت رسول ﷺ کے خواص کے لئے سوغات ہے اور یہ مبین کلام اللہ کے بیان تعلیم قرآن سے ممکن ہے، لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے مشتاق اور متمنی تو تھے مگر اسباب اور طریقہ معلوم نہ تھا، مہدیٔ موعود علیہ السلام نے فرمایا ''بے اختیار ہو جاؤ، با اختیار ہو جاؤ گے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایسی خود سپردگی کی جائے کہ خود اپنی ہستی کا وجود بھی باقی نہ رہے، مکاں وزماں کے حجابات سے اللہ تعالیٰ کی حضوری کا شرف حاصل کرنا بادی النظر ایک مشکل معاملہ لگتا ہے مگر واقعی شرف نیاز کا مستحق بننے کے لئے قرآن کے باطن کو سمجھنا چاہیئے، جس نے بقید حیات خود کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا اس کے لئے دوسرے علائق اور کیفیتیں جزوی اور عارضی رہ جاتی ہیں پھر عطا، سزا وجزا کے معاملات اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے ہوتی ہیں کیونکہ جب بندہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ''موتو قبل ان تموتو'' کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتا ہے یعنی مرنے سے پہلے مر جانا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جس نے خود کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا''

سایه ، یزداں بود بندۂ خدا — مُردہ ایں عالم و زندۂ خدا (مولانا روم)

خدا کا بندہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے — وہ اس دنیا کا مردہ اور خدا کا زندہ ہوتا ہے

دو ہستیوں کی مدح سرائی سورۂ رحمٰن کی ہر نعمت اور مثال میں ایک دوسرے کی توجیہہ اور توثیق سے کی گئی ہے یعنی تعلیم قرآن کی حقانیت اور بیان کلام اللہ کی روحانیت کو نعمتوں کے اقرار کئے جانے کی فوقیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ تم دوسری نعمتوں کے علاوہ معلم قرآن اور مبین کلام اللہ کو جھٹلا نہیں سکتے جو کہ حقیقی نعمتیں اور نعمت عظمیٰ ہیں فبی ایای الای ربکما تکذبان قرآن مجید کی روشنی میں جب ہم ان دو نعمتوں کو احادیث نبوی ﷺ میں دیکھتے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ اس کی توثیق اس طرح فرماتے ہیں کہ اس میں امت کو ہلاکت سے بچانے کا پورا اہتمام ہے'' کیسے ہلاک ہوگی میری امت جس کے

اول میں ہوں، آخر میں عیسیٰ ابن مریم اور درمیان میں مہدیؑ جو میری اہل بیت سے ہیں'' (مشکواۃ اور امام حنبل) یہاں پر امت کو بچانے کا اہتمام دو ہستیوں کے درمیان ایک خود رسالت مآب ﷺ، دوسرے مہدیٔ موعود آخرالزماں کے ہے اور عیسیٰ ابن مریمؑ کا معاملہ آخرت اور ان دو ہستیوں کی گواہی اور تصدیق پر موقوف ہے۔

''بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت اللہ کے مطیع ہیں''

اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوقات بھی تو ہیں ان کے بجائے درختوں کی مثل بیان کی گئی ہے

اسلام کا دور اول بے تنے کا درخت تھا، اس کو بویا گیا اور اس کی آبیاری تعلیم قرآن سے کی گئی، پھر اس کو شریعت نبوی ﷺ کے پانی سے اچھی طرح سینچا گیا۔ یہ تنا آور درخت بن گیا اب اس شجر اسلام کو بندگی اور زیادہ اطاعت سے اس کی شجر آوری کرنی تھی۔ اس میں علم و اجتہاد کے پھول کھلنے لگے تو اس کے ساتھ 'انا' غرور اور نفس امارہ کے کانٹے بھی اُگنے لگے۔ ان کانٹوں سے انا کا زہر نکال کر نفس پر 'الا اللہ تو ہے لا الہ نہیں' میں نہیں تو ہی تو ہے کہ نشتر کا کام لیا جانا تھا اور نفس امارہ کے قوی ہیکل بت کو مسمار کرنے کی ضرورت تھی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ سے لوٹتے ہوئے فرمایا تھا، جہاد اصغر (ظاہری معرکہ) تو ہم نے جیت لیا، جہاد اکبر (نفس سے جہاد) ابھی کرنا باقی ہے

''اسی نے آسمانوں کو اونچا کیا اس میں ترازو رکھدی'' ترازو ناپ تول پیائش کے علاوہ عدل اور انصاف کی علامت بھی ہے، انصاف کیا ہے؟ حق کو حق اور باطل کو باطل جاننا اور یہاں ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا بھی مطلوب ہے کہ جس طرح ٹھیک اندازہ نہ کرنے سے دوسرے اہل کتاب کا جو انجام ہوا وہی اہل قرآن کا بھی ہوسکتا ہے۔ کیا ہے وہ ناپ تول پیائش ٹھیک اندازہ عدل؟ اس کو جاننے کے لئے انبیا ماسبق اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت مقدسہ کے پہلے کے صحائف اور انبیاء کی پیشین گوئیوں کا جائزہ بھی لینا ہوگا۔ تبھی قرآنی احکام اور اس کے باطن کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

شواہد النبوہ میں حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت حبوقؑ کے بیان کی توراۃ نے اس طرح تصدیق کی ہے کہ ''پروردگار فاران کی پہاڑیوں سے قوت بیان کے ساتھ آیا تو اس کے نام احمد کی تسبیح سے آسمان معمور ہوگئے اور اس کی امت کا سمندروں پر تصرف ایسا ہی ہوگا جیسا خشکی پر وہ ایک ایسی کتاب لے آئے گا جس کا تعارف بیت المقدس کی تقریب کے بعد ہوگا'' اہل اسلام

****

جانتے ہیں کہ بیت المقدس کی تقریب شب معراج کے سفر سے پہلے سردار الانبیاء کا تمام انبیاء و مرسلین کی امامت کرنے سے مراد ہے۔ اس سفر سے واپسی کے بعد ہی حضور ﷺ نے پورے وقار اور سکینہ کے ساتھ قرآن مجید کو اعلانیہ پیش فرمایا اور اس کے احکام نافذ کئے اور جن کو شب معراج کا ہی یقین نہیں اور نہ خاتم النبین ﷺ رسالت کا اقرار ہے وہ آج بھی معراج کی اس حقیقت کو قبول نہیں کرتے۔

حضرت شعیبؑ کے کلام میں ہے کہ ''اے! قوم میں نے ایک صورت نورانی اونٹ پر سوار دیکھی ہے جو اپنی ضوفشانی سے چاند سے مشابہ تھی''

حضرت عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ''زبیر بن باطو جو یہودیوں میں براعالم تھا، کہتا تھا کہ میں نے ایک کتاب پائی ہے جس کا ختم میرا باپ مجھے سنایا کرتا تھا۔ اس کتاب میں احمد کا تذکرہ ہے کہ وہ ایک پیغمبر ہونگے اور سرزمین قرظ (ایک قسم کا پھل جسے عرب کھاتے اور اس کی دوا بناتے تھے) میں ظہور فرمائیں گے ان کا حلیہ ایسا ایسا ہوگا۔ اپنے باپ کے مرنے کے بعد زبیر لوگوں سے اس کا تذکرہ کرتا۔ رسول ﷺ اس وقت مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ کچھ ہی دن گذرے اس نے سنا کہ رسول ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ظہور فرمایا ہے تو اس نے اس کتاب کی تشریح مٹادی اور رسول ﷺ کی جو شان اس میں تھی چھپا ڈالی اور کہہ دیا کہ اس میں نہیں ہے (طبقات ابن سعد) حق کی اندیکھی کرنے والوں اور حق کو چھپانے والوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**ختم الله علی قلوبھم و علی سمیعھم و علی ابصارھم غشاوۃ** (اور مہر لگادی ہم نے ان کے دلوں اور کانوں پر اور آنکھوں پر ان کے پردہ ہے) اور یہ بھی فرمایا ''**ولا تطیع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا**'' اور اس کی اطاعت نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے) اور رسول ﷺ فرماتے ہیں ''**من عرفه نفسه فقد عرفه ربه**'' کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا) رہی بات حق پرستوں اور منکران حق کا کیا حال رہا اس پر تاریخ گواہ ہے۔ قرآن کریم کے عدل اور توازن کے اس میزان کو احادیث نبوی ﷺ میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ حضور ﷺ اور عیسیٰ اعلی نبیانا کے درمیان خلیفۃ اللہ مہدی آخرالزماں میزان ہیں۔ ایک پیغمبر آخرالزماں ﷺ جن کی شریعت جاریہ ہے۔ دوسرے پیغمبر ساقطہ (شریعت موسیٰؑ) کے درمیان جو پیغام احسان ہے اس کی آرزو شریعت موسیٰؑ میں ہی کی گئی تھی۔ عیسیٰؑ پہلے شریعت موسیٰؑ کی اتباع کرتے تھے اور اب شریعت محمدیہ ﷺ کی اتباع

***

کریں گے اور پہلے محمد ﷺ کی آمد کی خبر دے چکے تھے۔اب آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ اور ختم ولایت محمدیہ ﷺ کے بعد ان کا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جس طرح حضور ﷺ کی آمد کے گواہ تھے اس طرح معلم قرآن ومبین کلام اللہ کے مقام ومرتبہ کے گواہ ہونگے ۔حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور آپؑ کا آسمانوں پر اٹھالیا جانا معجزاتی عمل تھا اور پھر سے دنیا یں آپؑ کا بھیجا جانا بھی ایک حتمی اور قطعی معجزہ ہی ہوگا اور انسانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ ان کے درمیان ایک انسان ہی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے، نہ کوئی فرشتہ کوئی مافوق الفطرت وجود اور نعوذ باللہ کوئی خدا کا بیٹا ہوتا ہے جیسا کہ اہل ہنود اور دیو مالائی نظریات ہوتے ہیں جس کی نفی بار ہا قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں کی گئی ۔یہی معاملہ مبین کلام اللہ کا بھی ہے ۔اللہ جو چاہے کرسکتا ہے اس کو انسانوں کے بے جا تصورات ،مرضی اور لحاظ سے کوئی واسطہ نہیں اور اس کی قدرت کاملہ میں کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہونی چاہیئے ، وہ اپنی مرضی کا مالک ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے ۔شریعت موسیٰؑ میں دیدار کی تمنا ہوئی تو کہہ دیا ''لن ترانی'' کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا ۔ شریعت محمدیہ ﷺ میں اس آرزو کی تکمیل ہوئی اور فرمایا ''کوئی نگاہ اس کو محیط نہیں کرسکتی اور وہ ہر نگاہ کو محیط ہوجاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین اور باخبر ہے اور بلاشبہ تمہارے پاس حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا'' (سورۃ الانعام ۱۰۳ تا ۱۰۵) حدیث جبریل یا حدیث احسان اس بات کی توثیق کرتی ہے ،شریعت موسیٰؑ میں دیکھ نہیں سکتے تھے،شریعت محمدیہ ﷺ میں وہ ہر نگاہ پر محیط ہے،بس حجابات دور کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نبی مصحف تھے ، آپؑ پر انجیل مقدس نازل ہوا تھا ، اس کے باوجود آپؑ شریعت موسیٰؑ کے تابع تھے اور مہدیٔ موعود آخرالزماں خلیفۃ اللہ مامور من اللہ اور مبین کلام اللہ ہونے کے تابع تام رسول اللہ ﷺ ہیں ۔آپؑ نے فرمایا ''مذهب ما كتاب الله و اتباع سنت رسول الله'' یہاں پر نبی مرسل اور پیغمبر آخرالزماں کے بعد خلیفۃ اللہ کا مقام ومرتبہ ظاہر ہورہا ہے جن کی توثیق رسول اللہ ﷺ یوں فرماتے ہیں ''المهدى منى يقفوا اثرى ولا يخطى'' مہدی مجھ سے ہے میرے نقش قدم پر چلے گا خطا نہیں کرے گا ۔اگر عیسیٰؑ کی نبی مصحف ہونے اور تابع شریعت موسیٰؑ ہونے سے آپؑ کے مقام ومرتبہ اور تقدس میں کوئی فرق نہیں ہے تو مہدیٔ موعودؑ کے تابع قرآن تابع شریعت محمدیہ ﷺ اور مبین کلام اللہ ہونے سے آپؑ کے مقام ومرتبہ میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیئے ۔انجیل میں

****

حضرت عیسیٰؑ سے حکایت ہے کہ ''میں شریعت موسیٰ میں تبدیلی کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ میں اس کی تکمیل کرنے کے لئے آیا ہوں'' (شواہد النبوہ)

مہدیٔ موعود آخر الزماں کا معصوم عن الخطا ہونا ہی اس مقام و مرتبہ کا موجب ہے کہ آپؑ نے فرمایا ''مذهب مآبصیران آوردیم'' کہ میں دیکھنے والوں کا مذہب لے کر آیا ہوں اور اس کی تصدیق قرآن کریم میں اس طرح کی گئی ''کہد و (اے! محمد) یہ میرا راستہ ہے جس کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کی اساس (دیدار کی بنیاد پر) میں اور میرا تابع (سورۂ یوسف ۱۰۸)

اور اسی نے خلقت کے واسطے زمین کو (اس کی جگہ پر) رکھدیا کہ اس میں میوے، کھجور کے درخت ہیں۔ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس مٹی سے اس کی غذا کا بھی انتظام اس طرح کیا گیا کہ زمین کو اس کی جگہ پر رکھدیا اس میں ہماءقسم کی غذائیں پیدا کیں جسے انسان کھاتا ہے جس سے انسان کی حیات اور تولد و تناسل کا سلسلہ چلتا رہے۔ جس سے زیادہ سے زیادہ انسان اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تمہید میں مصروف ہوتے رہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت، کبریائی اور عظمت کا اظہار فرماتا ہے اور ہر لمحہ اس کی نئی تجلیات ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور انسان ان صنائے قدرت کو دیکھے اور اللہ کے حضور سربسجود ہوجائے، نہ کہ اس کی خلقت کے سامنے قعر مذلت میں گر کر اور اپنی اناء اور غرور اور کوتاہ فہمی کا مظاہرہ کرے۔ جب آدمؑ کو مٹی سے پیدا کر کے اس میں روح پھونکی تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف ہی کی تھی۔ انسان کا مٹی سے بنا جسم اور روح کے درمیان ایک مہین سا حجاب ہے۔ جب انسان خالق کائنات کے سامنے سربسجود ہوتا ہے تو روح اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اس طرح حیات کا حق اور روح کی امانت کا ذمہ پورا ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' ویسئلونک عن الروح. قل الروح من امر ربی و مآاوتیتم من العلم الاقلیلا '' لوگ تم سے (محمدؐ) روح کے بارے میں پوچھتے ہیں کہد و روح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس بارے میں تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے (بنی اسرائیل رکوع ۱۰) رسول اللہ ﷺ نے نماز کو معراج المومنین فرمایا۔ جب نماز اور حیات ایک مرکز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہاں سے ''احسان'' کا مرحلہ شروع ہوتا ہے، حدیث احسان یہی بتاتی ہے۔

اس نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہے اور جنات کو خالص آگ سے (رحمٰن ع ۲) دوسری مخلوقات کی تسبیح و تمہید ہمیں سنائی نہیں پڑتی۔ انسان ٹھیکرے کی

طرح بجنے والی مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے زبان سے ذکراللہ کرتا ہے جو اس کا وصف ہے۔ دل سے ذکر کرتا ہے جو دوسری مخلوقات خصوصاً ملائیکہ کا وصف ہے اور روح سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتا ہے اور یہ مرتبہ دوسری مخلوق کو حاصل نہیں ''یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمادیجئے روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے'' (الانعام ۸۵) اسی سورۃ کی پہلی والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے دیگر نمازوں کے علاوہ نماز تہجد کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ ''امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے'' یہاں نماز تہجد قائم کرنا مقام محمود میں جگہ پانا ہے، اس طرح کچھ خاص عبادتوں کی اہمیت اور ان کے درجات ظاہر ہوتے ہیں۔ کچھ اس طرح خاص عبادتوں اور اعمال صالحہ کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جاسکتا ہے۔ جس کا انعام احسان بھی ہوسکتا ہے۔ بزرگان اہل ایمان نے کچھ خاص اعمال کا مشاہدہ اور تجربہ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے اور روح کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھنے کے مراتب بتائے ہیں۔ جیسے ''دیدنی'' کلمہ یا ذکراللہ پڑھنا، کشیدنی، کلمہ یا ذکراللہ چکنا یا سونگنا اور شدنی کلمہ یا ذکراللہ میں تحلیل ہوجانا اور ٹھیکرے کی طرح بجتے رہنا (ذکراللہ میں مشغول ہونا) اور ایمان کی پختگی کی نشانی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ہم نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے مع ان کے آثار وخوص کے'' انسان کو ایسا علم دیا گیا ہے جو دوسری کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا، وہ تمام چیزوں کے آثار وخصوصیت کے ساتھ ان کی کیفیت بھی جانتا ہے۔ اس طرح دوسری مخلوقات پر اسے شرف دیا۔ انگریزی زبان کی کہاوت ہے کہ ذرّہ (Atom) کہتا ہے کہ میری جسامت ذرّہ ہونے کی وجہ سے سارے عالم نے مجھے نگل لیا، لیکن! مجھ میں چھپی مخفی طاقت نے سارے عالم پر غلبہ پالیا۔

انسان مٹی سے پیدا ہونے والی غذاؤں پر زندہ رہتا ہے جس سے اس کے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے جو زندگی کے تسلسل کو قائم رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ نفس کو بھی جنم دیتی ہے جو جسم اور روح کے درمیان تفریق وفساد کا موجب ہوتی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اس نفس کی حرارت کو ٹھنڈا یا قابو میں کیا جاسکتا ہے، ورنہ یہی نفس 'انا' یا 'میں' کا نعرہ لگانے سے نہیں چوکتا۔ اسی نفس کی پہچان کرنے اور اس کو قابو میں کرنے اور انسان کی پختگی کو مضبوط کرنے کے لئے قرآن کے باطن کی تعلیم کا بیان ضروری تھا۔

مٹی صبر وسکون کی علامت ہے اس کے اندر کئی سربستہ راز اور خزانے دفن ہوتے ہیں وہ ایک

****

مدت تک اس امانت اور راز کو پوشیدہ اور محفوظ رکھتی ہے اور آگ (نفس) شرارہ اور وحشت ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا تھا'' انی اعلمو ما لا تعلمون'' جب آگ کو عزت اور مرتبہ دیا گیا تو اس (ابلیس) نے اس مرتبے کو جلا کر خاکستر کر دیا اور نور محمد ﷺ کو مٹی (آدم) میں ڈالا گیا تو عجز و انکساری میں بندگی کو آپ ﷺ نے معراج پر پہنچا دیا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''لَا اُحْصِي ثَنَاءَ عَلَيْکَ'' تیری حمد و ثنا کرنا میرے بس کی بات نہیں تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''لَعَمْرَکَ اِذَاسَکَتَ عَنْ ثَنَائ فَالِکُلِّ مِنْکَ شَائ'' مجھے تیری زندگی کی قسم! جب تم اپنے آپ کو میری حمد و ثناء والوں میں سے نہ جانو گے تو میں جہاں کے تمام اجزاء کو تیرا تائب کر دیتا ہوں تا کہ وہ سب میری ثناء کریں اور تیرے حوالے کر دیں، تو یوں تمام کائنات کی ثناء دراصل آپ ﷺ کی طرف سے ہی میری ثناء ہوگی (کشف المحجوب) دیکھئے جب خودسپردگی اور نیستی اپنی انتہاء پر پہنچ جاتی ہے تو عطا بھی بے انتہا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے مبین کلام اللہ نے ''الا الله تو هے لا اله' نهيں'' میں نہیں ہوں تو ہی تو ہے کی تعلیم کا بیان فرمایا اور انا کو فنا کرنے کے طریقے بتائے اور آگ نے میں بھی کچھ ہوں کہہ کر اللہ تعالیٰ کے قہر کو آواز دی اور مٹی نے تو ہی تو ہے کہہ کر رحمت و کبریائی کے دامن میں پناہ پکڑی اور خود کو فنا کیا اور انعام میں احسان پایا۔

وہ دونوں مشرق و مغرب کا ملک ہے۔ مشرق و مغرب دو الگ سمتوں میں رہنے کے باوجود اللہ کی مخلوق اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح معلم قرآن و مبین کلام اللہ دو الگ زمانوں اور مقررہ وقتوں پر مبعوث کئے جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ہیں، ایک مشرق سے نکلنے والے سورج کی طرح اور دوسرے مغرب سے طلوع ہونے والے چاند کی مانند مگر! دونوں کا کام نور کا پھیلانا۔ ایک نے قرآن و شریعت سے روشنی پھیلائی دوسرے نے ان کی اتباع میں قرآن و سنت پر چل کر احسان کی روشنی پھیلائی اور ایک کے نور سے تمام عالم منور ہوا جس میں مومنین نے فائدہ حاصل کیا دوسرے کے نور سے اصحاب الیمین نے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی امت کو بہترین امت قرار دیا تو مبین کلام اللہ کی قوم کی شان یہ بتائی ''اے ایمان والو اگر تم دین سے مرتد ہونا چاہو تو ہو جاؤ، اللہ ایک ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ سے محبت کرے گی اور اللہ ان سے محبت کرے گا'' (المائدہ) یہاں اللہ تعالیٰ کا خطاب ایمان والوں سے ہے نہ کہ کافر و مشرک سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو انسانی نفس کے فساد کا علم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے

****

کہ اہل قرآن بھی دوسرے اہل کتاب کی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کریں گے اور ارتداد کی راہ اختیار کریں گے۔

''اور اسی نے دو دریا چلائے جو ایک دوسرے سے باہم مل جاتے ہیں اور ان دونوں میں ایک حجاب ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے''۔ معلم قرآن و مبین کلام اللہ دو دریا کے مانند ہیں، دونوں کے درمیان نہ صرف وقت اور زمانے کا حجاب یا فاصلہ ہے بلکہ مقام و مرتبہ کا بھی۔ معلم قرآن خاتم الانبیاء اور رحمت اللعالمین اور صاحب تنزیل اور صاحب شارع عالم ﷺ ہیں اور مبین کلام اللہ مہدیٔ آخر الزماں و خلیفۃ اللہ ہونے کے تابع تام رسول اللہ ﷺ اور خاتم ولایت محمدیہ اور دافع ہلاکت امت محمدیہ ﷺ ہیں۔ ایک قرآن کی تعلیم اور شریعت نافذ کر کے امت کو دین کے فضائل سے سیراب کرنے والے، دوسرے آپ کی متابعت اور شریعت کے اعمال مخصوصہ کے دریا سے معرفت الٰہی کے ہیرے موتی مونگے جیسے ذکر دوام، ترک دنیا، ہجرت، توکل، عزلت از خلق، صحبت صادقان اور طلب دیدار سے مومنین کو سرفراز کر کے اصحاب الیمین بننے کی تربیت کرنے والے، کیونکہ ولایت محمدیہ ﷺ یا معرفت الٰہی کی راہ اتنی آسان بھی نہیں ہے، اس راہ میں نفس کے بے قابو ہونے کا احتمال اور خطرہ ہمیشہ بنا رہتا ہے۔ کئی اولیائے کبار نے اس راہ میں بے اختیار ہو کر ''انا الحق'' اور ''سبحانی ما اعظم شانی'' کا نعرہ لگا کر ایوان شریعت میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس لئے بندگان خدا کو ''میں نہیں تو ہی تو'' کی تربیت اور درس دے کر اعمال ولایت کے ذریعہ عاجزی و انکساری کا پیکر بنا کر خدا کے حضور پیش کرنا تھا۔ اس طرح معلم قرآن اور مبین کلام اللہ اللہ کے بندوں کو اللہ سے واصل کرنے کے مقصد میں باہم دریا کے کناروں کی طرح ملے ہوئے ہیں۔

''جیسے ایک کھارے پانی کا سمندر اور میٹھے پانی کا'' دنیا کی مثال کھارے پانی کی ہے اسی کھارے پانی میں معلم قرآنؐ سیپ کے مانند ہیں جس میں بیان کلام اللہ سے مستفیض بندے میٹھے پانی کی بوندوں کی طرح سیپ میں قطرہ قطرہ ایک ایک کر کے گرتے چلے جاتے ہیں اور خود کو موتی کے مانند قیمتی جوہر میں تبدیل کر لیتے ہیں' اور رحمت الٰہی ان موتیوں کو چن لیتی ہے اور دوسرے لوگ دیگر پانی کے قطروں کی طرح سمندر میں گر کر اپنا وجود کھو دیتے ہیں اور متاع دنیا میں ملوث ہو کر کھارے پانی کی عمیق گہرائیوں میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

***

''جس طرح پہاڑ کی طرح بنے جہاز پانی کی سطح پر کھڑے ہوتے ہیں'' یہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی انسانی حقیر اور ناچیز عقل کا کمال ہے کہ وہ بظاہر ایسی محیر العقل اور قوی ہیکل حیران کن چیزیں بناتا ہے، مگر اس کو پانی کی سطح پر کھڑے رکھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ مگر! انسان کی روحانی طاقت اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس کے اندر بندگی کا ایسا کمال بھی ہے کہ وہ خالق کائنات کے مقرب ﷺ ہیں۔ جن پر تمام مخلوقات کو رشک ہے ایسی ہی کچھ روحانی پرواز کا اہل بننے کے لئے اسے تعلیم قرآن اور بیان کلام اللہ کی تربیت ضروری ہے۔ جس کے لئے انسان کو رسول ﷺ کے مطابق ''موتو قبل ان تموتو''، یعنی مرنے سے پہلے مر جانے کے اعمال کو اختیار کرنا پڑے گا نہ کہ متاع دنیا کی حقیر پونجی کے لئے اپنے اصل مقصد اور مقام کو بھلا بیٹھنا ہے جو اس کی باعث تخلیق کے شایان شان نہیں ہے۔ اس کے لئے اسے کیا کرنا ہے یہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''آسمان والے اور زمین والے سبھی اس سے مانگتے رہتے ہیں'' زمین والے تو اس سے مانگتے ہی رہتے ہیں۔ زمین والوں کی طلب کیا ہے یہ تو معلوم ہی ہے۔ آسمان والے بھی اس سے مانگتے رہتے ہیں! اللہ تعالیٰ سے وہ مانگنا چاہیئے جو آسمان والے مانگتے ہیں اور ملائکہ کیا مانگتے ہیں وہ سب جانتے ہیں اور مانگتے رہنا مخلوق کی صفت ہے اور مانگنے والے کا یہ ظرف ہے کہ وہ کیا مانگتا ہے۔ جنت کی طلب دوزخ سے نجات، حور و غلماں یا ان تمام کے خالق کو مہدیٔ موعودؑ نے فرمایا ''مانگنا ہے تو خدا سے خدا کو مانگو''

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

جو سطحی چیزوں کی طلب رکھتا ہے وہ کم فہم اور کم ظرف ہے جو اعلیٰ و ارفع کی طلب رکھتا ہے وہ دانا و بینا ہے۔ کیونکہ آسمان و زمین میں ہر چیز کی طلب اور ضرورت کا احتیاج سوائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجو ہونے کے کہیں اور نہیں اس لئے فرمایا ''اگر تم آسمان و زمین کے کناروں سے نکل بھاگنے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل بھاگو''۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی اور بھی تمہاری ضرورت پوری کرسکتا تو آزمالو، تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں، یا تم یہ سمجھتے ہو کہ آسمان کے اس طرف یا مرنے کے بعد اللہ کی قدرت ہے اور یہاں دنیا میں نہیں تو یہ تمہاری ناسمجھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر عالم پر غالب اور حاوی ہے۔ نہ صرف زمین کے کناروں پر بلکہ کناروں سے باہر وہی غالب ہے اس کا دست غیب ہر عالم پر محیط ہے نہ جس کی حد ہے نہ اختتام وہ لامحدود ہے اس کے بغیر نہ زمین پر کوئی چیز موجود نہ آسمان پر وہ ہر زماں

****

ومکاں میں ہے۔ یہاں بھی وہی عطا کرتا ہے وہاں بھی وہی عطا کرنے والا ہے۔ ہمیشہ زندہ باقی اور قائم رہنے والا اس کو پانے، حاصل کرنے اور دیکھنے کی سعی و جدوجہد یہاں بھی کرنا ہے وہاں بھی، دونوں عالم اس کے کمال قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اس کو پانے اور دیکھنے کا علم اور طریقہ معلم قرآن ﷺ اور مبین کلام اللہ علیہ السلام کے تعلیم اور طریقوں میں ہے۔ مہدئ موعود علیہ السلام نے فرمایا ''ہر شخص خدا کو دیکھتا ہے مگر پہچانتا نہیں'' اگر انسان کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور وہ خدا کو پہچان لے تو گناہوں سے پرہیز کرے گا اور نیکوکاری میں سبقت لے جانے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور نیکوکاری کا بدلہ بہت بڑا انعام اور احسان ہے'' صحیح بخاری میں ہے کہ ''جس نے دنیا میں نیکی کی اس کا بدلہ آخرت میں سلوک اور احسان کے سوا کچھ نہیں'' سلوک یعنی مراتب اور احسان، اللہ تعالیٰ کا دیدار۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''لِلَّذِيْنَ اَحْسَنو و زِيَادَه یعنی زیادہ سے زیادہ احسان کیا جائے گا یہ زیادہ احسان کیا ہے، یہ آگے کی آیات میں ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ سورۃ الرحمٰن میں اکتیس قسم کی نعمتوں کا ذکر ہے، شروع کی آٹھ 8 آیات میں اللہ تعالیٰ کی عجائبات کا ذکر ہے، سات آیتوں میں دوزخ کا ذکر ہے اور پندرہ آیتوں میں جنتوں کا ذکر ہے۔ اگر عجائبات قدرت کی آٹھ جفت اور دوزخ کی بیان کی سات طاق آیات کو جوڑ دیں تو میزان ہوا پندرہ اور جنت کے آیات پندرہ، میزان برابر یعنی عجائبات قدرت اور دوزخ کی ہولنا کی کے مقابلے اللہ تعالیٰ کی رحمت دوگناہ زیادہ۔ اب یہ بندوں پر منحصر ہے کہ وہ متاع دنیا میں ملوث ہو کر دوزخ کی ہولنا کی قبول کرتے ہیں یا صرف عجائبات قدرت میں محو اور گم رہتے ہیں یا عجائبات قدرت دوزخ اور جنت کے بنانے والے کی طلب اور جستجو کر کے اس کی رحمت کی حقدار بنتے ہیں اس کے لئے انہیں معلم قرآن اور مبین کلام اللہ کی تعلیم اور تربیت کی کوشش کرنی ہوگی۔

امام احمد مردویہ نے حضرتہ اسماء بنت ابی بکرؓ سے نقل کیا ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں رکن کی طرف منہ کئے ہوئے اس سورۃ (سورۃ الرحمٰن) کو پڑھتے ہوئے سنا اور مشرکین بھی فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانُ سن رہے تھے، یہ اس سے پہلے کا ماجرا ہے جب کہ حضور کو صاف سنائی دینے کا حکم ہوا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ '' نبی ﷺ اصحاب کے مجموعہ میں ایک دن تشریف لائے اور سورۃ الرحمٰن کی اول سے آخر تک تلاوت فرمائی، صحابہؓ چپ چاپ سنتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم

سے تو جنات ہی جواب دینے میں اچھے رہے۔ میں نے جب ان کے سامنے یہ سورۃ تلاوت کی تو جب میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ پڑھتا تو کہتے کہ ''اے ہمارے رب ہم تیری نعمتوں کو نہیں جھٹلاتے اور تیرے ہی لئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں''

ان دو روایتوں میں دو باتیں ہیں پہلے اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو مشرکین نے سنا مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، دوسری مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کی جماعت کے سامنے یہ سورہ تلاوت فرمائی وہ بھی چپ رہے وہ اس کی عظمت یا اس کے باطن کو سمجھ نہ پائے، دونوں ہی گروہ نے ایک مشرکین نے جن پر اثر نہ ہونا تھا نہ ہوا اور دوسرے اہل اسلام و ایمان بھی ان نعمتوں کے اقرار کرنے یا نعمت عظمیٰ 'احسان' کا اندازہ نہ کر سکے۔ مگر جنوں نے نہ صرف اپنے جد اعلیٰ (ابلیس) کی روش کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کیا بلکہ اس نعمت عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے اس نعمت عظمیٰ (احسان) کو نہ جھٹلاتے ہوئے اس انعام پر اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کی۔ جنوں کے گروہ نے ایسی عظیم نعمت پر غرور و تکبر کو چھوڑ دیا مگر انسانوں کا ایک بڑا گروہ اپنے علم اور دلیل و منطق کے غرور میں اڑا ہوا ہے۔ ایک گروہ انسان نے اعلان اسلام سے پہلے معلم قرآن کو سمجھنے میں غلطی کی دوسرے گروہ نے اعلان اسلام کے بعد کے ادوار میں مبین کلام اللہ کو پہچاننے اور سمجھنے میں غلطی پر ہے اور رسول اللہ ﷺ کا رکن کی طرف منہ کر کے اس سورۃ کو پڑھنا یہ بتاتا ہے کہ آپ ﷺ کو دوسرے اخبار غیب کی طرح اس بات سے مطلع کیا گیا تھا کہ اس مقام رکن سے وہ انعام دیا جانے والا ہے اور بعد اعلان اسلام کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مہدیؑ اپنی بعثت کا دعویٰ مقام رکن سے کریں گے۔ حضرت بی بی عائشہؓ سے کسی نے رسول ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ رسول ﷺ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ دنیا بی بی عائشہؓ کے قول پر یقین کرتی ہے اور رسول ﷺ نے فرمایا '......(مہدی) زمین کو عدل و انصاف سے ایسا بھر دے گا جیسا کہ وہ جور و ظلم سے بھری ہوئی تھی......' (مسند ابو نعیم) عدل یہ کہ حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنا اور جور و ظلم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تئیں یہ مفروضہ گھڑ لینا کہ وہ مرنے کے بعد جو کر سکتا ہے وہ دنیا میں نہیں کر سکتا یعنی جنت میں نظر آئے گا دنیا میں نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے لامحدود ہونے کا انکار ہے اور اسے آسمانوں کے بجائے دنیا میں مقید دیکھنا۔ مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا ''جو اللہ تعالیٰ کو مقید دیکھے وہ کافر ہے'' اس طرح اس کے

حاضر و ناظر ہونے میں یقین نہ کرنا بھی جور وظلم کے معنی میں ہے۔ اسلام لانے کے بعد بھی قرآن کے پیغام پر خموشی اختیار کرنا چپی سادھے رہنا اور کچھ لوگوں کا برملا انکار کرنا جیسے کے کفار مکہ نے اعلان حق کے بعد کیا تھا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا ہی انکار ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خبردار کرتے ہوئے متنبہ کیا تھا کہ ''اگر تم دین سے مرتد ہونا چاہو تو ہو جاؤ، اللہ ایک قوم کو لائے جو اللہ سے محبت کرے گی اور اللہ ان سے محبت کرے گا'' یہاں اس قوم کا اللہ سے محبت کرنا اور اللہ کا ان سے محبت کرنا بتا رہا ہے کہ معاملہ سجدہ سجود، فرائض و سنن کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کے تقاضے کیا ہوتے ہیں یہ اہل یقین و ایمان ہی جانتے ہیں۔ حضرت ابوبکر واسطیؒ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو افلاس و خواری میں دیکھنا زیادہ پسند کرتا ہے بہ نسبت اس کے غرور و علم اور عزت کے روپ میں'' اور فرماتے ہیں ''خدا سے وہ شئے طلب کرو جب وہ شئے تمہیں حاصل ہو جائے تو ہر چیز تمہارے آگے سربستہ نظر آئے''

حضرت حسین منصور حلاجؒ فرماتے ہیں ''ذات خداوندی جس چیز پر منکشف ہونی چاہتی ہے تو ادنیٰ سی شئے کو قبول کر کے منکشف ہو جاتی ہے ورنہ اعمال صالحہ کو بھی قبول نہیں کرتی اور فرمایا سارا عالم تو اعمال صالحہ کی کوشش کرتا ہے لیکن علم حقیقت حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ علم حقیقی کا ایک نکتہ بھی تمام اعمال صالحہ پر بھاری ہوتا ہے......

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ اس کے پیغمبروں، نبیوں، رسولوں اور اللہ کے خلیفوں کی حکم عدولی نہ کی جائے۔ انسانو کے تعلیمی غرور، نفس پرستی، نافرمانی اور انا میں مبتلا ہونے کا کیا انجام ہوگا یہ اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے کہ ''ان پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا تو آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے گا اور وہ ان کے حلیہ سے پہچان لئے جائیں گے'' عجائبات قدرت میں اللہ تعالیٰ کی برتری و بزرگی کے مظاہر دیکھنے کے باوجود اللہ کے احکام کی ان دیکھی کرنا اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہنا مباحث و منطق پر جمے رہنا اپنے علم کے ترازو میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور نشانیوں کو بے اعتدالی سے موازینہ کرنا، ایسا غرور ہے جس کے لئے نافرمانوں پر آگ کا دھواں چھوڑا جائے گا۔ جہنم میں ڈالا جانا ہولناک عذاب ہے، آگ کا دھواں چھوڑا جانا عذاب ہے ایک کفر و شرک کا بدلہ دوسرا جانتے ہوئے حکم عدولی کرنے کا۔ اور آسمان کا پھٹ کر سرخ ہو جانا، بندوں کے غرور اور تکبر کے باعث اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کو ظاہر کرتا ہے جس کے سبب ان کے حلئے سیاہ ہو جائیں گے تا کہ وہ پہچان لئے جائیں کہ یہ مجرم

اور گنہگار ہیں'' نہ کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو حق پہنچتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول کچھ حکم فرمائیں تو انہیں اپنے معاملے کا اختیار رہے'' (احزاب ۳۶) جب اللہ کا حکم سامنے ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت نشانیاں بتا رہی ہو تو اپنی اٹکل پے جمے رہنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیئے ایسی ضد اور ہٹ دھرمی پر اللہ تعالیٰ نے پھٹکار لگاتے ہوئے ایسے لوگوں کی نشاندہی کی ہے فرمایا'' اگر ہم ان کے پاس (انکار کرنے والوں کے) فرشتہ بھیج دیتے اور مردے ان کے ساتھ باتیں کرتے اور ہم تمام موجودات کو ان کی روبرو لا کر جمع کر دیتے تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے اللہ چاہے''

اللہ تعالیٰ کے انعام 'احسان' کو پانے کے لئے ایمان اور یقین کامل و اخلاص کے ساتھ معلم قرآن کی تعلیمات اور مبین کلام اللہ کے طریقہ و تربیت اور معرفت الٰہی کی جستجو ضروری ہے۔ ورنہ عبادات، ریاضات، نوافل، حج و عمرہ اور دوسرے اعمال کی گنتی یا زیادتی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ'' علم کی زیادتی سے دل میں کالا پن پیدا ہوتا ہے'' بندگی میں خلوص نیت ایمان کی اولین شرط ہے اور معرفت الٰہی کی جستجو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا پہلا قرینہ ہے اور احسان یا دیدار الٰہی بندے کی عرفان کا منتہیٰ ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی تعریف اور معرفت سے شناسا کیا تا کہ اسی کو اسی کے ذریعہ پہچانیں اور فرمایا'' اللہ تعالیٰ کے وجود میں حیرانگی کفر و شرک ہے لیکن اس کی کیفیت میں حیرانی معرفت ہے'' حضرت ابوالحسن قرخانی فرماتے ہیں کہ'' ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے جو اپنی آنکھ سے خدا کے سوا کسی کو نہ دیکھتا ہو'' حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں'' اے اللہ روز محشر مجھ کو اندھا کر کے اُٹھا، اس لئے کہ جس کو تیرا دیدار نصیب نہ ہو اس کا نابینا ہی رہنا اچھا ہے۔ اس لئے اولیٰ ہے کہ وہ کسی اور شئے کو بھی نہ دیکھے''

'' اور اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں'' اس سورۃ میں آیات نمبر 47 تا 61 تک جن جنتوں کا ذکر ہے وہ آیات 62 تا 72 کی جنتوں سے مختلف اور درجات میں الگ ہیں، جیسے کہ پہلی جنتوں کے باغ کثیر شاخوں والے، دوسری جنتوں کے باغ گہرے سبز رنگ کے۔ پہلی جنتوں کے باغوں میں چشمے بہتے چلے جا رہے ہونگے، دوسری جنتوں کے باغوں کے چشمے، جوش مارتے چلے جا رہے ہونگے، پہلے جنتوں کے باغوں میں ہر میوے کی دو

قسمیں ہونگی، یہاں میوے کے نام نہیں، دوسری جنتوں کے باغوں میں 'کھجور اور انار' ہوں گے۔ پہلی جنتوں والے تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہونگے جن کے استر دبیز ریشم کے ہونگے اور ان کے باغوں کے پھل بہت نزدیک ہونگے۔ دوسری جنت والے سبز مشجر اور خوبصورت کپڑوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے۔ یہاں پھلوں کا نزدیک ہونا بیان نہیں۔ پہلی جنت میں نیچی نگاہ والیاں ہونگی، یہاں مخلوق کونسی بیان نہیں، دوسری جنت میں عورتیں گوری رنگت کی ہونگی، یہاں انسانی مخلوق عورت بیان ہوئی ہے۔ یہ جنتوں کی مختلف کیفیتیں ایک مقربین کے لئے دوسری اصحاب یمین کے لئے، یہ کیفیات اسی طرح کی ہیں جیسے جہنم کا عذاب اور آگ کا دھواں چھوڑا جانا، جیسے شرک اور گناہ کی الگ کیفیت اس طرح ایمان اور احسان کی کیفیت اور آگے فرمایا'' نیکوکاری کا بدلہ بہت بڑا انعام اور احسان ہے'' مقربین کا انعام جنت اور غایت درجہ اطاعت کا بدلہ انعام بھی اور احسان بھی اور یہ تبھی ممکن ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر چاہے وہ ظاہری ہو یا باطنی ''فبای الاء ربکما تکذبان'' ہم تیری کسی بھی نعمت کو نہیں جھٹلاتے یا انکار نہیں کرتے'' کہتا رہے۔

دیکھیئے سورۂ رحمٰن کے سلسلہ کلام کو سورۂ واقعہ میں آیات 27 تا 40 تک دہرایا گیا ہے'' سو تم تین قسم کے ہو جاؤ گے، سو جو داہنے والے ہیں وہ کیسے اچھے ہیں اور جو بائیں والے ہیں وہ کیسے برے ہیں اور جو اعلیٰ درجے کے ہیں وہ تو اعلیٰ درجے کے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ خاص قرب رکھنے والے ہیں، یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہونگے، ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں ہونگے''

یہاں تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے، دائیں والے (اچھے لوگ) بائیں والے (برے لوگ) اعلیٰ درجے کے لوگ (وہ تو اعلیٰ درجے کے اور خدا کے مقرب) جن کا آرام کے باغوں میں ہونا ہیں اور ان میں کا ایک بڑا گروہ کا اگلے لوگوں میں ہونا اور تھوڑے پچھلے۔ یہ درجہ بندی ایک کھلی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور مقرب وہ ہوتا ہے جو ہر وقت حضوری میں رہا کرتا ہے یا حاضر ہوا کرتا تھا۔ دائیں والے وہ جنہوں نے معلم قرآن ﷺ کی پیروی کی۔ بائیں والے وہ جنہوں نے معلم قرآن کی پیروی تو کی لیکن آپ ﷺ کے کچھ احکام کو مانا کچھ کا انکار کیا یا متامل رہے یا شش و پنج میں مبتلا ہو گئے اور مبین کلام اللہ کی بعثت کے بعد بلا تحقیق انکار کیا اور جو وہ تو اعلیٰ درجے کے ہیں جن کا بڑا گروہ اگلے لوگوں میں

****

اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں ہیں ان کے بارے میں مخبر صادق ﷺ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں ایک ایسی قوم کو جانتا ہوں جو میری منزل ہی ہے، اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیونکر ہو سکے گا، جب کہ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ انبیاء تو نہیں ہیں، لیکن اللہ سے ان کے قرب اور مقام کی وجہ سے انبیاء ان سے رشک کریں گے اور وہ سب اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ہونگے'' اس حدیث کو امام فخر الدین رازیؒ نے بھی تفسیر ابن کثیر جلد ثانی میں درج کیا ہے۔

سورہ رحمٰن کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا بھی ہے اور احسان والا بھی''۔ اللہ تعالیٰ تو عظمت والا اور احسان والا ہے ہی، اس کا نام بھی بڑا بابرکت ہے، تعلیمات احسان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ غائب رہ کر بھی حاضر ہے اور مخلوقات حاضر رہ کر بھی غائب ہیں، انسان کا زندہ رہنا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا، جب کہ وہ نہیں جانتا کہ کیا ہو رہا ہے، کیا ہونے والا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب میں پوشیدہ رکھا ہے کہ کیا ہونے والا ہے، کیا ہونا چاہیئے وہ ہمیشہ باقی اور قائم رہنے والا ہے۔ ہر زمانہ، ہر دور اور ہر مقام میں موجود عبادت موجود کی جاتی ہے غیر موجود کی نہیں، یہی باقی اور قائم رہنے والا ہے۔ ہر زمانہ، ہر دور اور ہر مقام میں موجود، عبادت موجود کی جاتی ہے، غیر موجود کی نہیں، یہی نکتہ احسان کا ہے جس کی تعلیم حدیث جبریل میں دی گئی، پھر بھی انسان غرور میں مبتلا ہے کہ ''میں بھی کچھ ہوں'' یا میرا علم کہتا ہے یا میں سمجھتا ہوں جبکہ وہ کچھ بھی نہیں ہے، اسے جو زندگی دی گئی ہے وہ عارضی اور مستعار ہے۔

ہر کردار جاں خدا بنہد محک مریقیں را باز داند اوز شک

خدا جس کے دل میں کسوٹی رکھ دیتا ہے بلا شبہ وہ یقین کو شک سے جدا کر لیتا ہے

(مولانا رومؒ)

جو لوگ ہمارے دیدار کی آرزو نہیں رکھتے، اور حیات دنیا سے راضی ہو گئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے (سورہ یونس 1ع)

☆☆☆

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

شہادت اور حق کا اخفاء

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''ابلیس گناہ کا مرتکب ہونے سے پہلے فرشتوں میں سے تھا اس کا نام عزرائیل تھا اور وہ زمین کا بادشاہ تھا اور وہ ریاضت ومجاہدہ میں سب سے بڑا تھا پس اسی چیز نے اسے تکبر پر اکسایا اور وہ فرشتوں کے قبیلے جن سے تعلق رکھتا تھا'' ایک دوسری روایت آپؓ سے یوں ہے ''اس (جن) کے قبیلہ کے فرشتوں کو آگ کی گرم لو سے پیدا کیا گیا تھا (یہ لو شعلہ میں نظر نہیں آتی صرف محسوس کی جاسکتی ہے اور تمام حدت اسی میں ہوتی ہے) ابلیس کا نام حارث تھا اور یہ جنت کے پہرہ داروں میں سے ایک تھا۔ اس کے علاوہ باقی فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے اور جنات کا ذکر قرآن میں آیا ہے مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّار (جنات کو آگ کی لپیٹ سے پیدا کیا گیا)

آغاز میں زمین پر جنات ہی رہتے تھے، انہوں نے زمین پر فساد برپا کیا اور ایک دوسرے کو قتل کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکوبی کے لئے ابلیس کو فرشتوں کے ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور یہ وہی فرشتے تھے جنہیں جن کہا جاتا ہے پس ابلیس اور اس کے لشکروں نے ان سے جنگ کی اور انہیں سمندروں، جزیروں اور پہاڑوں کی طرف بھگا دیا، جنوں کا جنوں کے لشکر سے جنگ کرنا ایسا ہے جیسے ایمان والوں کا کفاروں کے لشکر سے جنگ کرنا ہے اور اس کارنامہ نے ابلیس کے دل ودماغ میں غرور اور تکبر بھر دیا اللہ تعالیٰ اس بات سے مطلع ہوئے اور فرشتے ابلیس کے اس خبث باطن کو پہچان نہ سکے۔

روئے زمین پر عرصہ دراز سے رہنے کے باوجود کوئی آثار، نشان یا باقیات ایسے نہیں پائے جاتے جس سے یہ کہا جاسکے کہ جنوں نے یہاں کوئی ماڈی ترقی یا ایجادات کی تھیں، انہیں بس وہی کمالات اور طاقتیں فطری طور پر دی گئی تھیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دئے تھے جو ان کی سرشت میں ودیعت کردی گئیں تھیں اور شجر حجر نباتات، جمادات اور دوسری مخلوق کو ان کی شریر صفت سے نقصان اور تکلیف ہوتی تھی، جب انہیں جنگلوں ویرانوں کی طرف کھدیڑ دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے اسی اندیشے کا اظہار فرمایا جو جنوں سے تعلق رکھتا ''**اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء**'' کیا اس کو نائب بنائے گا جو اس زمین میں فساد پھیلائے گا تو

اللہ تعالیٰ نے ان کی تشفی کرتے ہوئے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ''انی اعلمو ما لا تعلمون'' تخلیق آدمؑ اورانہیں زمین پر اتارے جانے کے بعد انسان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی عقل اورعلم کا بھر پور استعمال کیا جیسا کہ انسان کی سرشت ہے۔ زمین میں بوائی کی ہل چلانا سیکھا جانوروں کا استعمال کیا اوران کی پوست اور بالوں سے پوشاک بنائی جبکہ جنت سے پتوں سے ڈھانک کر نکالے گئے تھے۔ رہائش وبودوباش کے لئے مکان بنایا، آبادیاں بسائی، سواریاں بنائی اور ترقی کرتے کرتے آج اس مقام پر آ گیا کہ محیر العقول ایجادات کیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی روز ازل سے قیامت تک کی انسانی ترقی کو سورۂ رحمٰن میں سمندر کی سطح پر تیرتے جہازوں کی مثال میں ایسے وقت میں پیش فرمایا جب موٹر گاڑی، ریل، ہوائی جہاز، راکٹ اور سیاٹ لائٹ کا تصور انسان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ایسا کسی مخلوق نے نہیں کیا جو انسان نے کر دکھایا اور تو اور انسان کو ایسی طاقتیں اور کمالات دیئے جس سے دوسری مخلوقات ہی نہیں انسان بھی ششدر رہ گیا۔ روایتوں میں ہے کہ فرعون نے چارسو سال کی عمر پائی اس دوران اسے کوئی بیماری لاحق نہیں ہوئی......اور دریائے نیل اس کے پیچھے بلندی کی طرف بھی چلا آتا اور جب فرعون کھڑا ہوتا تو پانی بھی رک جاتا۔ ایسی ہی استدراج کی وجہ سے وہ مغرور ہو گیا جیسا ابلیس اپنی فتح پر مغرور ہو گیا تھا۔ یہی روش زمانے کے ہر دور میں انسانوں میں بھی دیکھی گئی مگر مختلف انداز اور طریقوں سے اور قوم بنی اسرائیل اس کی بدترین مثال ہیں جن کا تذکرہ صحائف انبیاء اور سیرت کی کتابوں میں بھرا پڑا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں دوسری قومیں بھی تو تھیں بنی اسرائیل کے مثل ہی کثرت سے کیوں بیان ہوئیں؟ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ انہیں کو آسمانی صحائف کے ذریعہ کتابی علم اور زیور تعلیم سے آراستہ کیا گیا تھا اورانہوں نے سب سے زیادہ سرکشی اور بغاوت کی راہ اپنائی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات کا علم اوراس کی شہادت ہونے کے بعد حقیقت کو چھپانا یا نظر انداز کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معتوب ہونا ہے اور حضور ﷺ کے بعد بھی یہ سلسلہ برابر چلتا رہا ہے ہم ان معاملات کو انہیں حوالوں اور مثالوں کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں جو حضور ﷺ کے بعثت سے پہلے کی شہادتوں اور واقعات اور آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کے حالات میں رونما ہوئے ہیں اور چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے بعد تو یہ اپنی انتہا پر تھے معدودے چند حق پرستوں کے ہر کوئی اپنی دو بالشت کی مسجد کو اسلام وایمان کی بنیاد قرار دے بیٹھا تھا۔ نویں صدی ہجری اوراس کے

بعد تو وہی کیفیت ہوگئی جو حضورﷺ کے زمانے سے پہلے تھی اور اس بدبختی میں وہ لوگ ملوث تھے جو خود کو اسلام کے محقق، محدث، مفسر اور عالم دین سمجھ رہے تھے اور جو لوگ علمائے یہود و نصاری کو شریر و بدبخت مانتے تھے انہیں ہی اپنی بدبختی نظر نہیں آئی۔ انہوں نے خود اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ''یہودیوں کو رسول اکرمﷺ کی نبوت و صداقت کا پہلے سے ہی علم تھا، ان شریروں نے انﷺ کے ظہور کے بعد عناد وانکار کیا۔ بجز ان لوگوں کے جن کو حال کے ساتھ توفیق وہدایت ربانی شامل رہی تھی، ایسی خبریں بے شمار ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ توریت کی تعلیم و تدریس کے وقت حضورﷺ کا ذکر کرتے اور اپنی اولاد میں برابر اس کا چرچا کرتے رہتے، لیکن جب حضور انورﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے حسد وعناد کی راہ اختیار کی اور کہنے لگے کہ یہ وہ شخص نہیں جن کے بارے میں تمہیں بتلاتے آرہے تھے اور آپﷺ کی صفات میں تحریف وتغیر کرنے لگے اس کے باوجود آپﷺ کے دلائل وشواہد توریت (اور دوسرے آسمان صحائف میں) تاباں ہیں۔ یہ سطور عبدالحق محدث دہلوی کے ہیں جو مہدئ موعود کے معاصر اور معاندر ہے ہیں (۹۵۸۔۱۰۵۲) لیکن ان کو یہودیوں کی چشم پوشی اوعناد تو نظر آیا لیکن ان کی خود اپنی چشم پوشی اور عناد دکھائی نہیں دیا اور مہدئ موعود خلیفۃ اللہ کے بارے میں لکھا کہ ان سے سہو ہوگیا یا انہوں نے غلطی سے خود کو مہدی کہلوادیا نعوذ باللہ۔ اوران کے رویہ کی کیا وجہ تھی یہ ہم خود ان کی تحریر سے معلوم کر سکتے ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل کے حالات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے اس کی ایک وجہ تو ان کو اپنے علم اور تحقیق اور احادیث کے علم کے حاصل کرنے پر غرور تھا اور دوسری ضروری بات یہ کہ خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کی تربیت اور تعلیمات کے اقرار کرنے سے ان کی علم دانی اور مشیخیت کی اناء کو ٹھیس پہنچتی تھی ان کے اس احساس کو انہیں کے الفاظ میں سنئے ''میں تین چار سال کا بچہ تھا والد ماجد نے اہل حقیقت کی باتیں اس فقیر کی کام جان میں ڈالیں اور تربیت باطنی کو ضمیمہ شفقت ظاہر فرمایا ان میں کچھ باتیں جو اس وقت گوش گو میں ڈالی گئیں تھی اب تک خزانہ خیال میں یاد ہیں جو ندرت وغرابت سے خالی نہیں اور عجب تر بات یہ ہے کہ جس وقت میرا دودھ چھڑایا گیا تھا میری عمر اس وقت دو ڈھائی سال کی تھی اس وقت کی بات ایسی یاد ہے گویا کل کی بات ہے۔ والد ماجد نے قرآن مجید سبق سبق لکھتے تھے اور میں پڑھا کرتا تھا۔ یہاں تک کے دو تین مہنے میں قرآن کریم میں نے پڑھ لیا اور ایک ماہ میں کتابت کی قدرت اور انشاء کا سلیقہ حاصل ہو گیا اور نظم واشعار کی کتابوں سے بھی میں نے چیدہ چیدہ روایات وارشاد کا مطالعہ کیا۔ بارہ سال

کا تھا شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھتا تھا اور پندرھویں سال میں نے مختصر اور مطول ختم کی بعد ازاں حفظ قرآن پاک کیا اور اسی قیاس پر عبور حاصل کیا۔ سات آٹھ سال تک فقہا ماوراالنہر کے درس میں رہا وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم نے تم سے فائدہ اٹھایا ہے ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے''

دو ڈھائی سال کی عمر میں تمام کمالات کا جمع ہو جانا، علماء و اساتذہ پر احسان کرنا، تمام علوم کا حاصل ہو جانا بتا رہا ہے کہ علمی غرور کی انتہا کس نہج پر تھی۔ ایسی خود پسندی کی حالت میں خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کی اطاعت نفس پر گراں گزری اور بلا تحقیق اپنے زعم میں کہہ دیا کہ ان سے سہو ہو گیا اور چونکہ دعویٰ مہدیت کا اعلان ہو چکا تھا ہر چہار دنگ عالم میں چرچہ تھا، ورنہ محدث و محقق کہنے کے بجائے لوگ اگر انہیں ہادیٔ و مہدی کہہ دیتے تو خوشی خوشی اس بات کو قبول کر لیا جاتا۔ ایسے علماء و محققین کا معاملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ابوالکلام آزاد نے مختصر لفظوں میں ام الکتاب میں سمجھایا ہے۔ یہود و نصاری کے باب میں لکھتے ہیں کہ ''مسیحیت کو بت پرستوں کی بت پرستی سے تو انکار تھا لیکن خود اپنی بت پرستی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ میڈونا (رومن دیومالاؤں کی بت) کے قدیم بت کی جگہ اب الگ نئی مسیحی میڈونا (ہولی میری) کا بت تیار ہو گیا یہ خدا کے فرزند کو گود میں لئے ہوئے تھی اور ہر راسخ العقیدہ مسیحی کی جبین نیاز کا سجدہ طلب کرتی تھی؟

آج اسی طرح وہابیوں کو آئمہ وصالحین کی تقلید پر اعتراض و انکار ہے لیکن! عبدالوہاب نجدی کی تقلید پر کوئی اعتراض نہیں جبکہ آئمہ و صلحاء صرف اللہ تعالٰی کے دین کے لئے وقف تھے اور وہابی دین کے ذریعہ دنیا کے طالب ہیں انہیں راسخ العقیدہ آئمہ کے مسالک سے تو انکار ہے مگر! اور عبدالوہاب نجدی کی کتاب توحید کو سینے سے لگائے رکھا ہے اور اس کا سب سے گھناؤنا اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو مغالطہ اور دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ دین کا اور نبیوں والا کام کر رہے ہیں۔ اس طرح دین و ایمان سے بے بہرہ لوگ صحابہ و آئمہ کی توہین اور تضحیک کرنے والوں کو دین کے رہبر اور ان کے طریقہ کو انجانے میں اختیار کئے ہوئے ہیں اور ان ناسمجھ لوگوں کو اس بات کا وہم و گمان اور پتہ بھی نہیں ہے کہ جن لوگوں نے شان رسول ﷺ میں گستاخیاں کیں آل رسول اور صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین کی قبروں کو مسمار کیا وہ خود کو نبیوں میں شمار کرنے لگے ہیں نعوذ باللہ، یہ سازش اور شرارت بالکل اسی طرح کی ہے کہ جیسے یہودیوں نے بینکنگ نظام کے ذریعہ سود کو دنیا کی معیشت کا ضروری حصہ بنا دیا۔ آج سود بلواسطہ یا بلا واسطہ ہر انسان کی زندگی میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح وہابیت اپنا کام کئے جارہی ہے۔

ایسے ہی دنیادار عالموں کے بارے میں قرآن کریم میں ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا کہ، اے شعیب کیا تمہاری نماز تجھے یہ سکھلاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ (سورۂ ہود آیت ۸۷)

ایسے عالموں کا علم ہی ان کا معبود ہوتا ہے اور دوسرا ان کا وہ مال یعنی علم کی وہ دولت جس سے ان کو محقق اور محدث قرار دئے جانے پر بندگان خدا پر ان کی برتری کا اظہار ہوتا ہے اور اس برتری کے مقام سے نیچے اترنے کی اجازت ان کو ان کا نفس ہرگز نہیں دیتا اور علم کی بڑائی کے ایسے مقام پر پہنچنے کے بعد انہیں اس بات کی مجبوری ہو کہ اپنی منشاء اور ضرورت کے مطابق اس علم کی بڑائی کا وہ استعمال نہ کرسکیں اور اللہ کے خلیفہ کی تعلیم و تربیت کو اپنا لیں۔ یہ بات انہیں کیوں کر گوارہ ہوسکتی تھی۔ اس لئے مہدی موعودؑ کا سرے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کے دعویٰ کو غلط بھی ٹھیرا دیا۔ انہوں نے تو صرف اتنے پر ہی بس کرلیا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے تو آپؑ کو کنویں میں ڈھکیل کر ہی دم لیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے خلیفوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

حضرت امام غزالی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ ''باہر والے علم سے جب تک دل خالی نہ ہوجائے تب تک وہ علم جو دل کے اندر سے پیدا ہوتا ہے پیدا نہ ہوگا'' اور یہ بھی فرماتے ہیں'' جو کچھ درندوں چرندوں پرندوں کو ملا ہے وہ آدمی کو بھی ملا ہے، مگر آدمی کو اس کے علاوہ اور کمال بھی عنایت ہوا ہے اور وہ کمال (صحیح) عقل ہے کہ اس کے سبب سے آدمی خدا کو پہچانتا ہے اور اس کی عجیب و غریب صنعتیں جانتا ہے اور کہا کہ اکثر لوگوں نے عالم اجسام سے ترقی ہی نہیں کی ہے اور عالم اجسام سے باہر کوئی چیز نہیں پائی۔ ایسے لوگ پہلے ہی درجہ پر رہ گئے (کیمیائے سعادت)

حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ'' دوزخ میں ایک غار ہے اس غار کو ہب ہب کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ مغروروں اور متکبروں کو اس میں ڈالے گا'' حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تکبر ایسا گناہ ہے کہ کوئی عبادت متکبر کو نفع نہ دے گی'' امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ'' تکبر کا پہلا سبب علم ہے کہ جب کوئی عالم خود کو زیور علم سے آراستہ پاتا ہے تو دوسروں کو اپنے سامنے جانوروں کی طرح خیال کرتا ہے پس تکبر اس پر غالب ہوجاتا ہے۔ اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے خدمت، تعظیم و مروت کا امیدوار بن

جاتا ہے......اپنے علم کے سبب ساری مخلوق پر احسان رکھتا ہے اور آخرت کے معاملے میں خود کو حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر خیال کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا'' آفَةُ الْعِلْمِ اَلْخَيَلَاءُ '' تکبر علم کی آفت ہے۔ ابلیس نے ایسا ہی کہا تھا ''اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَارٍوَّ خَلَقْتَه' طِيْنٍ ''میں آدمؑ سے بہتر و برتر ہوں کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے۔

حضرت عیسیٰؑ نے علمائے سؤ کے بارے میں ارشاد فرمایا: علمائے سؤ چھلنی کے مانند ہیں کہ اس سے آٹا باہر گرتا ہے اور بھوسی اسی کے اندر رہ جاتی ہے، یہی حال علمائے سؤ کا ہے یہ لوگ بھی حکمت کی باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ برے اخلاق اور بری عادتیں ہیں وہ ان کے دل میں رہ جاتی ہیں۔

علمائے سؤ کی اسی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرنے کے بعد حضرت مہدیٔ موعودؑ کی دعوت ہدایت کو حضور ﷺ کی نبوت کے اعلان کے مغائر میں دیکھتے ہیں تو ان دونوں دعوتوں میں ایک متابقت پائی جاتی ہے جو وہاں پر اعلان نبوت اقرار واطاعت حق کی عمل آوری کے طور پر ہوا ہے یہاں پر تکمیل ولایت محمدیہؑ اور اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کے طور پر ہے مگر تکمیل ولایت کے معاملات میں عاجزی وانکساری کے ساتھ فناء فی اللہ باقی باللہ کا عنصر نمایاں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت اور عنایات کی طلب میں دنیا و مافیہا سے بے غرضی اور کنارہ کشی ہے اور اس میں رخصت پر عالیت کو فوقیت ہے جب کہ اعمال رسالت میں نرمی شفقت اور رحمت وعفو ودرگزر کا پہلو نمایاں ہے اسی لئے ادائیگی فرائض اور احکام الٰہی کی عمل پیرائی تکمیل ایمان کی علامت قرار پائی ہے جو ناقص ایمان والوں کے لئے سکون کا موجب ہے جب کہ تکمیل اعمال ولایت خاتم محمدیہؑ خاصان خدا کا میدان عمل ہے جہاں پر حیلہ وحجت اور ذرا سی لغزش کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ انہوں نے حق تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کا حق ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''لَوعَرَفتمُ الله حَقَّ مَعَ رِفَتِهٖ لَمشُتمُ عَل الجورو لَزل لت بدايكم اجبال '' تکب (اگر تم اللہ تعالیٰ کو اس طرح پہچان لیتے جس طرح اس کی معرفت ہے تو تم سمندروں کی سطح پر پیدل چلتے اور تمہارے بلانے پر پہاڑ اپنے جگہ سے ہٹ جاتے)

''بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان صرف کر ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں'' اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے پھر اس کے بعد کہ تم کو واضح دلیلیں (نشانیاں) پہنچ چکیں لغزش کرنے

لگو تو یقین رکھو حق تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔ یہ لوگ اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں سے ان کے پاس آویں اور سارا قصہ ختم ہو جائے (سورۂ بقرہ ۲۵،۲۶)

چونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ "مہدی مجھ سے ہے میرے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہیں کرے گا" اس لئے دعویٔ مہدیٔ موعود علیہ السلام کو حضور ﷺ کے دعویٔ نبوت کے مغائر میں ہی دیکھنا ہوگا تا کہ ہمارے عقائد واعمال میں مزید قطع و برید کی گنجائش نہ رہے۔

نقل ہے کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کو اس سے پہلے بھی بارہ سال تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا رہا کہ ہم نے تجھے کو مہدی موعود کیا ہے۔ حضرت امام علیہ السلام متامل رہ کر عرض کرتے رہے کہ اے بارخدایا اگر چہ یہ بدکردار شیطان کا وسوسہ اور نفس مکار کا دھوکہ نہ ہوا گر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ محمد ﷺ اور علی مرتضیٰؓ کے صدقے سے مجھ کو اس بلا سے اپنی حفاظت میں مامون ومحفوظ رکھ لیکن بارہ سال کے بعد عتاب سے حکم ہوا کہ ہم اپنے حضور میں فرما رہے ہیں اور تو اس کو غیر اللہ اور ماسوی اللہ کے وجود سے تصور کر رہا ہے، کیا نہیں جانتا ہے عین حق کو باطل کہتا ہے اگر ایسا نہ کیا تو ہلاک ہوگا پس امامؑ نے عجز و انکساری سے عرض کیا کہ اے بارخدا میں اس ولایت محمدیؐ کے بار کے لائق نہیں ہوں اور حق تعالیٰ کی طرف سے یہی فرمان ہوا ہم نے تجھ کو ولایت محمدی کا خاتم کیا ہے۔ ایک عرصہ تک آپؑ معذوری و عاجزی کا اظہار فرماتے رہے اس کے بعد احکم الحاکمین کی درگاہ سے بطریق محبت بھی فرمان صادر ہوا کہ ہم علیم سمیع وبصیر ہیں لائق پا کر یہ ذمہ داری دے رہے ہیں (ایسا تیسری بار مقام بڑلی میں ہوا جسے دعویٔ موکد بھی کہتے ہیں) آپ کا متامل ہونا اس لئے تھا کہ جو شخص شریعت محمدیہ ﷺ پر ہونے کی وجہ سے دوزح سے نجات کا مستحق ہوتا ہے وہ اس دعویٔ موکد کے انکار سے دوزخی قرار دیا جائے گا یہ امت محمدیہ کے تئیں رحم وشفقت کے واسطے تھا۔ یہ حکم مقام بڑلی میں قیام کے پندرہویں دن عتاب سے ہوا تھا۔ یہاں مجمع میں علماء مشائخین زہاد صلحا وسلاطین وامرا وفقراء تاجر مزدور مقیم اور مسافر سبھی موجود تھے۔" آپؑ نے فرمایا جو شخص اس ذات کی مہدیت پر ایمان لائے وہ مومن ہے اور جو شخص انکار کرے وہ کافر ہے" جو سعادت مندی میں سبقت لے جانے والے تھے انہوں نے امنا و صدّقنا کہا اور جن کے مقدر میں ایمان نہیں تھا انہوں نے آپؑ کو جھوٹا اور جادوگر کہا۔ اس کے بعد آپؑ چار مہینے تک آپؑ بڑلی میں ہی مقیم رہے دوسرے علماء مشائخین امراء سلاطین کو خط لکھتے اور دعوت دیتے رہے کہ "بندہ سید

محمد اللہ تعالیٰ کے فرمان سے مہدیٔ موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے ایسی حالت میں کے عقل بالکل درست ہے۔ ہشیاری ہے بے ہوشی اور سہو کا غلبہ نہیں ہے صحت بھی ٹھیک ہے، کسی بیماری کا اثر نہیں ہے اور جو کچھ رزق ہے ہمارے اہل وعیال کے ساتھ خدائے تعالیٰ پہنچاتا ہے فاقہ کی حالت میں اضطرار نہیں۔ زوجیت کی بھی بے قراری نہیں ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہتا ہوں کہ یہ ذات مہدیٔ موعود آخرالزماں ہے اور اس مدعا پر اتباع کلام اللہ اور پیروی محمد رسول اللہ دونوں گواہ ہیں۔ پس ہر ایک پر سلاطین وامراء، خواتین، وزراء، اغنیا، فقراء، علماء، صلحاء ہر ایک جنس کے خلائق پر لازم ہے کہ مہدی کی تحقیق وتفتیش کر کے تصدیق کریں اور اگر بندہ کو جھوٹا اور اللہ پر بہتان کرنے والا جان کر انکار کریں تب بھی ان پر لازم ہے کہ ہمارا جھوٹ ثابت کر کے ہم کو قتل کریں وگرنہ ہم جس جگہ جائیں گے خلق کو اپنے مدعا پر بلائیں گے اور خلق کو گمراہ کرنے کا وبال بھی انہیں پر ہوگا پس حاکمان زماں پر ذمہ داری ہے کہ ان دونوں کاموں میں سے ایک کو اختیار کریں (تصدیق کریں یا تحقیق کریں) ورنہ دونوں جہانوں کی رسوائی ہے (مطلع الولایت ۶۲،۵۷)

نبوت کے پہلے کا واقعہ ہے رمضان المبارک کا مہینہ تھا حضور ﷺ فرماتے ہیں غار حرا میں ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی ہاتھ میں سیاہ رنگ کی چادر لے کر آیا اور آپ ﷺ سے کہا پڑھیئے میں نے کہا میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس نے سیاہ چادر میرے سر پر ڈالدی جس کا سرور مجھ میں اس طرح سرائیت کر گیا کہ میں نے خیال کیا کہ بس میرا وقت ارتحال ہے۔ اس نے سیاہ چادر کو میرے سر سے اٹھالیا اور کہا پڑھیئے، میں نے کہا میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس نے اس سیاہ چادر کو پھر سے میرے سر پر ڈالدیا جس سے مجھ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی پھر چادر اٹھا کر کہا'' **اقراء باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق . اقراء و ربک الاکر مالذی علم بالقلم . علم الانسان مالم یعلم** '' بعدازاں وہ کھڑا ہو گیا اور میں نے جو کچھ اس سے سنا، وہ میرے دل پر مسطور ہو گیا۔ مجھے خطرہ تھا کہ شائد مجھے شعر وجنوں سے نسبت دی جارہی ہے اور میرے نزدیک شاعر ومجنوں سے بڑھ کر کوئی شخص مغبوض نہ تھا۔ میں اپنے آپ کو کسی قلہ کوہ سے گرادینا چاہتا تھا (پہاڑ کی چوٹی پر سے) میں پہاڑ پر چڑھتا تو مجھے آسمان سے آوازیں سنائی دیتیں کہ اے محمدؐ آپ رسول خدا ہیں اور میں جبرائیل ہوں اور میں جب آسمان کی طرف دیکھتا تو جبرائیل کو انسانی شکل میں پاتا جو افق آسمان پر اپنے دونوں قدم رکھ کر

کہتے ۔اے محمدؐ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیلؑ ہوں ، پھر میں راہ میں کھڑا ہوجاتا اور اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرانے کا ارادہ ترک کر دیتا۔ میں آسمان کی جس طرف بھی نظر اٹھاتا اس صورت کو ساتھ ہی پاتا، میں مغرب کی نماز کے وقت تک اسی حیرت میں تھا کہ حضرت خدیجہؓ نے مجھے بلا بھیجنے کے لئے آدمی بھیجا۔ جب بعض آدمی میرے پاس پہنچے تو حضرت جبرائیلؑ غائب ہوگئے ۔ میں حضرت خدیجہؓ کے پاس آیا تو مجھ پر لرزہ اور کپکپی طاری تھی (شواہد النبوۃ)

حضورﷺ غار حراء کی تنہائیوں میں نبوت سے پہلے کئی راتیں گذار چکے تھے اور عطائے نبوت کے بعد کے کئی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپﷺ مضبوط ارادوں،قومی احساسات اور قوت ارادی آپؐ کی فطرت ثانیہ تھی، پھر بھی آپؐ حضرت جبرائیلؑ کے اچانک ظاہر ہونے پر گھبرا گئے یہی نہیں آپؐ خود کو کسی قلّہ کوہ (پہاڑ کی چوٹی) سے گرا دینا چاہتے تھے جو ایک بشری فطرت تھی جو وقت کے کسی بھی نبی یا رسول کو اپنی امت کے درمیان پیش آسکتی ہے اور چونکہ اس سے پہلے اہل عرب کو کسی ایسے معاملہ کا علم یا تجربہ نہیں تھا کہ آسمانوں میں کوئی انسانی شکل نمودار ہوکر مخاطب ہوئی ہو اس بات سے آپﷺ بھی انجان ہی تھے اس لئے یکا یک جبرائیلؑ کے یوں ظاہر ہونے پر پریشان سے ہوگئے اور چونکہ آپؐ اُمی بھی تھے ۔اس لئے نہ کسی آسمانی صحیفہ کو پڑھا تھا اور نہ ہی بنی اسرائیل کے واقعات و معاملات سے آگاہ تھے ۔آپؐ کی تسلی تب ہوئی جب ورقہ بن نوفل نے آپؐ کو دیگر انبیاء کے پاس روح القدس کا تشریف لانا اور آپؐ کو نبوت کا عطا کیا جانا معلوم ہوا۔ اس واقعہ کے بعد عرصہ تک جبرائیلؑ نہیں آئے ۔ پھر اس کے بعد نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔اسی طرح عرصہ تک مہدیٔ موعودؑ کا متامل اور متردد ہونا فطری امر تھا۔ کیونکہ آپؑ یہ بات جانتے تھے کہ نبوت اور رسالت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ وحی کا سلسلہ رک گیا ہے ۔اگر خلافت الٰہیہ کو ظاہر ہونا ہے تو اس کی کیفیت اور حالت کیا ہوگی۔ یہ آپؑ نہیں جانتے تھے! اس لئے آپؑ نے توقف کیا ہو (واللہ عالم) اس طرح اللہ کے جلیل القدر نبیوں نے بھی کیا ہے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا ''**رب ارنی کیف تحی الموتیٰ قال اولم تومن ، قال بلٰی و لکن لیطمئن قلبی**۔کہ اے میرے رب! مجھے دکھا کے تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔رب نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں لائے ہو۔حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن اطمینان قلب کے لئے (دیکھنا) چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا

کہ ایک پرندہ لیں اس کی تربیت اس طرح کریں کہ وہ آپؑ کی آواز پر چلا آئے پھر اس کو ذبح کریں اس کے ٹکڑے کرکے چار سمتوں میں رکھدیں اور اس کو آواز دیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا وہ پرندہ اللہ کے حکم سے زندہ ہوکر آپؑ کی آواز پر چلا آیا۔ انسانوں کو تعلیم دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے، انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔ ورنہ سیدھے سیدھے اللہ تعالیٰ ابراہیم سے فرماتا کہ ایک پرندہ لو اس کے ٹکڑے کرڈالو پھر اس کو وہیں زندہ کردیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کونسا بڑا معاملہ تھا۔ جب کہ عیسیٰؑ **قم باذن اللہ** کہتے تو مردہ زندہ ہوجاتا تھا۔ چونکہ انسانوں کی تعلیم کے لئے ان کے درمیان اللہ تعالیٰ انسانوں کو ہی مبعوث کرتے ہیں اور انسانی فطرت کے لحاظ سے ہی معاملہ ہوتا ہے، کوئی فرشتہ نہیں اتاردیا جاتا۔ اگر ایسا ہی ہونا تھا تو قرآن کریم مجلد اور مصحف جبرائیل علیہ السلام لاکر حضور ﷺ کے حوالے کردیتے، معاملہ ختم ہوجاتا۔ اس کے لئے وقت اور ضرورت کے لحاظ سے تھوڑا تھوڑا کیوں نازل کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے اللہ جب مصر کے لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو میں کیا کروں گا، مجھے کوئی معجزہ عطا فرما جو میری تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا میرا عصا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے زمین پر پھینک دے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوں ہی عصاء زمین پر پھینکا تو وہ بڑا سا اژدھا بن کر دوڑنے لگا۔ حضرت موسیٰؑ نے ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے ''**ولم یعقب**'' اور اپنے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو کہا کہ'' **یا موسی ولا تخف انک من الامنین** '' اے موسیٰ سامنے آؤ ڈرو نہیں۔ یقیناً تم خطرے سے محفوظ ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کا ڈر کر بھاگ جانا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا بھی فطرت بشری کے تحت ہی تھا نہ کہ خدا کی حکم عدولی تھی۔ اگر کوئی نانہجاز یہ خیال کرتا ہے کہ موسیٰؑ نے خدا کے حکم کے باوجود بزدلی کا مظاہرہ کیا او یہ بات شان پیغمبری کے شایان نہیں تھی تو ایسا شخص بے دین ہی ہوسکتا ہے۔

حضرت جبرائیلؑ بھی حضور ﷺ کے پاس انسانی شکل میں ہی آئے تھے۔ اپنی اصلی ہیت میں نہیں، پھر بھی حضور ﷺ گھبرائے، چہ جا یکہ مہدئ موعودؑ کا توقف کرنا وہ بھی بغیر وسیلے کے حکم کئے جانے پر ایک بشری فطرت اور تقاضائے مقام خلافت اللہ کے ذمہ داریوں کے احساس کے تحت تھا۔

نقل ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ اے سید محمد آگے بڑھ خراسان کی طرف کیونکہ ہند میں علم کی کمی ہے اور علم کی کمی ہلاکت کا سبب ہے اور خراسان میں علم تمام ہے، علم کی تمام تجنات کا موجب ہے ہم وہاں تیری نہج دیں گے۔ شہر جونپور جو مہدی علیہ السلام کا مقام ولادت اور مقام تعلیم ہے یہ اس وقت ہندوستان میں علم دین کا دارالخلافہ تھا۔ یہ بات مورخوں اور وقعایع نگاروں کی شہادتوں سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کا آپؑ کو ایک دوسرے مقام علم دین و تدریس، خراساں کی طرف ہجرت کرنے کو حکم کرنا یہ بتارہا ہے کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جہاں کہیں مسلم و غیر مسلم حکومتیں تھیں وہاں کی طوایف الملو کی اور دیندار نما دنیا دار علماء کے اسلام کی تعلیمات اور اس کی تحقیقات کو اپنی مرضی اور منشاء کی مطابق مرتب کرلیا تھا اور اسی کی مطابق ہی فیصلے کرتے اور معاملات کرتے تھے ایسے میں حق کے مطابق یا شہادتوں کی بنیاد پر کوئی بات نہیں سنی جائے گی جیسے کفار مکہ کا طریقہ تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کو اہل مدینہ نے پوری فراغ دلی سے خوش آمدید کیا، اس کی وجہ اہل مدینہ کا اہل یہود و نصاری کے میل جول سے ان شہادتوں کا معلوم کرلینا تھا جو ان کی کتابوں میں درج تھیں بالکل اسی طرح سے اہل اسلام کے علماء حق کا ایک طبقہ خراساں اور اس کے قرب و جوار میں موجود تھا جو اس دعوے کی حقیقت کو بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا اور ایسے ہوا بھی جو علماء مہدیٔ موعودؑ کی تصدیق سے مستفیض ہوئے ان میں علاقہ سندھ سے علامتہ العصر مولانا صدرالدین، مولانا قاضی قاضن، مولانا شیخ محمد طیاری، مولانا مرزا شاہین بھکری، قاضی شیخ محمد جعفری، مولانا شیخ الیاس، مولانا میاں ذکریا بھکری۔ علاقہ خراسان سے قدوۃ العلماء شیخ السلام مولانا قاضی قادن، افضل العلماء مولانا ملا علی فیاض، مولانا محمد مخدوم، مولانا شیخ صدرالدین وغیرہ ہیں۔ اسی طرح قندھار، فراہ، شروان، ہمدان، شیراز، اصفہان، بغداد وغیرہ کے علماء کے اسمائے گرامی شامل ہیں (حیات پاک سید محمود یداللّٰہی) اور اسی طرح دیگر شہادتیں ہیں۔

مہدیٔ موعودؑ کا زمانہ ۸۴۷ھ تا ۹۱۰ھ ہجری کا ہے۔ عاشق رسول ﷺ حضرت نور الدین عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ کا زمانہ ۸۱۷ھ تا ۸۹۸ھ ہجری کا ہے۔ اسی دوران آپؒ نے حضور اکرم ﷺ کے حالات و واقعات مناقب اور شہادتوں پر شواہد النبوہ لکھی ہے جس میں حضور ﷺ کی بعثت کے پہلے کے تمام پیشین گوئیاں، حوالے اور شہادتیں جمع کی ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت حق پر یہودی، عیسائی اور دیگر مذاہب کے کتابوں میں درج ہیں۔ یہی زمانہ مہدیٔ موعود کی بعثت کا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کے ذریعہ خبردار کیا گیا ہو۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے پہلے کے احوال ہیں انہیں شہادتوں اور

احوال کا جائزہ لیں اس کے مطابق تمام امور کا موازانہ کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کا مہدیؑ کو خراساں کی طرف ہجرت کا حکم یہ اشارہ کرتا ہے کہ مہدیت کا اعلان حق ان لوگوں کے درمیان ہو جو عالم دین اور اہل قرآن ہیں کیونکہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بعثت مخصوصہ ہے جو ولایت محمدیہ ﷺ کے خاتم ہیں۔ اس طرح آپ کی مہدویت ثابت ہو اور اہل قرآن یہ نہ کہیں کہ ہم کو مہدیٔ موعودؑ کی بعثت کی خبر نہ ہوئی اور حضور ﷺ کے اعمال ولایت کا خلاصہ عام نہیں ہوا اس لئے ہم نے ''للذین احسنو وحسنی ذیادہ'' کی طرف توجہ نہ کی اگر ایسا ہوتا تو ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی زیادہ مراتب کے حقدار ہوتے۔ مہدیٔ موعود علیہ السلام نے برصغیر کے طویل وعریض میں ہجرت کر کے خراساں کا سفر کیا ہے اور وہ تمام احوال بیان کر دیئے جو خاتم ولایت محمدیہؐ کے اعمال مخصوصہ تھے جس کا منتہی احسان ہے۔

شواہد النبوۃ کے اردو مترجم حسین ناظم نے ۱۹۷۴ء میں ترجمہ کیا لکھتے ہیں کہ ''حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ فارسی زبان کے ملک الشعراء تھے۔ آپ قصبہ جام علاقہ خراسان (ایران) میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں ہرات اور سمرقند دنیائے اسلام میں اسلامی علوم کے مرکز تھے۔ ان دنوں سرزمین ایران دو حصوں میں تقسیم تھا۔ مشرقی ایران تیموری سلاطین کے زیر نگین تھا۔ ان سلاطین کا پایہ تخت ہرات اور سمرقند تھے (موجودہ افغانستان کا علاقہ بھی) انہیں کے ماتحت تھا۔ اس خاندان کے حکمران شاہ رخ (۸۱۷۔۸۵۰)، مرزا ابو قاسم (۸۵۶۔۸۶۱)، مرزا ابوسعید گورگونی (۸۶۱۔۸۷۳) اور سلطان حسین بایقر (۸۷۵۔۸۹۹) تھے۔ اور ایران کا مغربی حصہ ترکمان بادشاہوں کے زیر اثر تھا۔ ان کا پایہ تخت تبریز تھا، جہاں پر ۸۴۱۔۸۹۶ھ تک قراقو نیلو، حسن بیگ اور یعقوب بیگ حکمراں تھے۔ ہرات، سمرقند اور خراسان کے علاقہ میں اس دور میں علامہ سعد الدین تفتازانی، سید جرجانی جیسے نامور علماء اہلسنت یہاں اسی دور میں پیدا ہوئے اور حضرت جامیؒ کے استاذ مولانا سعد الدین کاشغری م ۸۶۰ھ ہیں۔

چنانچہ مرزا حسین بادشاہ خراسان کے نائب اور صوبہ دار میر ذوالنون نے بذات خود مہدیٔ موعودؑ کی آزمائش کے لئے آئے۔ آنحضرت نے قرآن کا بیان فرمایا۔ میر ذوالنون نے آپؑ سے کہا کہ میں نے حدیث نبویؐ میں دیکھا ہے کہ مہدیؑ پر شمشیر کام نہیں کرے گی، کہتے ہیں کہ امامؑ نے اس کو اپنی شمشیر دے کر فرمایا کہ آزماؤ، میر ذوالنون اسی وقت کھڑا ہو گیا اور بے تامل شمشیر کھینچ کر ہاتھ اٹھایا اور بہت چاہا کہ شمشیر چلائے مگر اس کا ہاتھ ویسا ہی رہا، ضرب پر نہ آیا اور اس کا منہ زرد اور سبز ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر

گرا۔ حضرت امامؑ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہشیار کیا ہوش میں آ کر پھر شمشیر اٹھائی، دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ تین بار ایسا ہوا، اس نے تلوار پھینک کر قدمبوسی ہوا اور علمائے اجماعی اتفاق سے مرزا حسین بادشاہ خراسان کی خدمت میں عریضہ علماء نے لکھا کہ ایک سید کامل زمانہ میں افضل راستہ دکھانے والا خاتم الرسول ﷺ کے اوصاف سے موصوف ہند کی طرف سے آیا ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ خود مہدیؑ موعود آخر الزماں ہے۔ پس ہم تمام اہل علم جو اس شہر کے رہنے والے ہیں متفق ہو کر اس ذات عالی مثال سے ایک سال تک بحث کئے، وہ علم جس کی تحصیل میں ہماری تمام عمر صرف ہوئی، امامؑ کے جہاں کو روشن کرنے والے علم کے پرتو کے آگے برف کی طرح گھل گیا۔ ہر علوم وفنون کی باریکیاں ہمارے زعم میں جو بحر بحار کی طرح تھیں اس سید کے بے پناہ کے علم کے افلا کے نیچے ایک قطرہ کے مانند قدر وعزت نہ رہی۔ اس ذات انبیاء صفاتؑ کو کلام خدا کے تابع تام اور خاتم الانبیاء کے اقوال وافعال واحوال میں موافق پا کر اس صاحب الزماںؑ کے آستانہ بلند پر سر رکھ کر تصدیق کر لئے۔ اس کے بعد حاکم خراسان آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے مگر ضعیفی عمر کی وجہ سے آ نا سکے۔ مگر مزید تحقیق وتسلی کے لئے علماء کا ایک وفد ومہنہ تیاری کر کے سوالات تیار کرنے کے بعد آپؑ کے پاس روانہ کیا۔ علماء کو جب پوری طرح تشفی ہوگئی تو مہدی موعودؑ نے پوچھا قاصی کتنے گواہوں پر راضی ہوتا ہے تو علماء نے کہا دو معتبر گواہوں پر تو امامؑ نے اپنے سیدھے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا یہ لو مصطفیٰ ﷺ حاضر ہیں خدائے تعالیٰ کے دیدار کی گواہی دیتے ہیں اور ایک گواہ بندہ ہے (مطلع الولایت ۸۲، حضرت بندگی میاں سید یوسفؓ)

عاشق رسول ﷺ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ جب بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہونے گئے تو والیٔ مدینہ کو (حضور ﷺ نے) خواب میں حکم دیا کہ میرے عاشق کو شہر کے باہر روک لیا جائے ورنہ جس جذب و کیفیت میں وہ آ رہا ہے مجھے اس کی دلدہی کے لئے گنبد خضراء سے باہر آنا پڑے گا (صفحہ ۴۱ شواہد النبوۃ)

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ہم حضور ﷺ کے ساتھ طواف کعبہ کر رہے تھے کہ اک کپڑا اور ہاتھ نمودار ہوا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ ہاتھ اور کپڑا کیسا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم نے انہیں دیکھا؟ میں نے کہا نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ عیسیٰؑ ابن مریم تھے جو مجھے سلام کہہ رہے تھے۔ پس مہدی موعودؑ کا علمائے خراسان سے یہ کہنا کہ حضور ﷺ موجود ہیں ان سے دریافت کر لو کہ میری مہدیت کی گواہ ہیں۔ کوئی ایسی نئی بات نہیں کیوں کہ اوپر بیان کی گئی روایتیں آپؑ کے بیان کو ثبوت پہنچاتی ہیں اور حضرت امام غزالیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ "جب (بندہ) ہمیشہ ذکر اللہ

کہے زبان سے نہیں حتیٰ کہ اپنے آپ تمام عالم سے بے خبر ہو جائے اور خدا کے سوائے کسی کی خبر نہ رکھے۔ جب ایسا ہو جائے تو اگرچہ جاگتا ہو تو بھی دل کی کھڑکی کھلی رہے گی اور لوگ جو خواب میں دیکھیں گے وہ جاگتے میں دیکھے گا۔ فرشتوں کی ارواح اچھی صورتوں میں اس پر ظاہر ہونگی۔ پیغمبروں کو دیکھنے لگے گا اور ان سے بہت فائدے اور مدد پائے گا۔ زمین و آسمان کے ملکوت اسے نظر آئیں گے (کیمیائے سعادت) جب اہل ایمان کا یہ معاملہ ہے تو پھر خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کا مقام اور معاملہ کیا ہونا چاہیئے۔ اس لئے تحقیق و جستجو کے بغیر کوئی حکم لگانا اور انکار کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار ہے۔

دوسری حقیقت یہ کہ امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطیؒ کا زمانہ بھی ۸۴۱ تا ۹۱۱ ہجری کا ہے۔ یہ دور ظلم و تشدد، عدم ثبات اور اضطراب کا دور تھا۔ امام سیوطی نے اپنی زندگی کے مختصر دور میں دس سے زیادہ سلاطین کا بدلتا ہوا اقتدار دیکھا۔ ایک سال میں تین بادشاہ متواتر مسند اقتدار پر براجمان ہوئے۔ اور ایک سال سے کم عرصے میں سلطنت کی حکمرانی کے لئے آپس میں جھگڑا کیا اور ہر ایک نے بادشاہی کا اپنا حصہ وصول کیا۔ حریصوں نے فتنہ و فساد کی آگ کو خوب بھڑکائے رکھا۔ ایسے حالات میں اعمال و عقائد کا کیا حال ہوگا یہ محتاج بیان نہیں ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ امام سیوطیؒ یکتا و یگانہ شخصیات میں سے تھے جن کی زندگی کا اکثر حصہ ورثۂ اسلامی کی خدمت میں گزرا۔ خصوصاً تفسیر و حدیث ان کی خدمت کا مرکز رہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شخصیت کے متعلق دو قسم کے نظریات موجود ہیں۔ بعض نے ان کی عظمت کو انتہائی بلند انداز میں خراج پیش کیا جبکہ بعض لوگوں نے ان کی زندگی پر ایسی تنقید کی جس نے ان تمام عظمتوں پر پردہ ڈال دیا (درِ منثور)

حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ اور امام سیوطیؒ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ ایک نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی شہادتیں پیش کیں تو ایک نے تفاسیر و احادیث کے ذریعہ قرآن کی حقیقی تعلیم کے خلاصے کو اس دور میں پیش کیا جب اسلامی سلطنتیں ہی نہیں اسلامی علماء سوٗ اور اسلامی تعلیمات اور عقائد بھی متزلزل ہو رہے تھے۔ ایسے حالات میں استقامت دین اور تجدید دین کی ضرورت تھی اور وہ وقت خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کی آمد کا متقاضی تھا جن کا وعدہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ مہدیؑ پھر سے دین کو زندہ کریں گے۔

اب اس کے بعد بھی مہدئ موعود آخر الزماں کا انکار اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کا انکار ہی مانا جائے گا۔ تاریخ خلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے یہ روایت کی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ

سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہم پر کسی کو خلیفہ کیوں نہیں مقرر فرماتے ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم پر میں کسی کو خلیفہ مقرر کردوں اور تم میرے مقرر کردہ خلیفہ کی نافرمانی کرو تو تم پر عذاب الٰہی نازل ہوگا (المستدرک) جب حضور ﷺ کے خلیفہ کی نافرمانی پر عذاب الٰہی نازل ہوسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی نافرمانی پر کیا کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے رسالت مآب ﷺ نے مہدئ موعودؑ کے منکر کو کافر گردانا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**الحمد لله الذی فضلنا علی کثیر من عباده المومنین**'' (سورۂ نمل ع ۲) تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہے جس نے ہم کو بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ فضیلت کا دیا جانا ایمان کے دئے جانے سے بھی بہتر چیز ہے یعنی ایمان لانا اور پورے کا پورا ایمان میں داخل ہونا دو الگ کیفیتیں ہیں۔

مہدئ موعود علیہ السلام نے اپنے مہدی آخر الزماں خلیفۃ اللہ ہونے کے دعویٰ کے اعلان میں جو خطوط علماء، امراء وسلاطین کو لکھے تھے اس میں آپ نے کہا تھا ''جو کچھ رزق ہے ہمارے اہل و عیال کے ساتھ خدائے تعالیٰ پہنچاتا ہے فاقہ کی حالت میں اضطرار نہیں ہے'' ایسا ہی حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ ''**قال یقوم ارایتم ان کنت علی بینة من وارزقنی منه رزقا حسنا**'' (سورہ ہود ع ۷) آپ نے کہا اے میری قوم ! بھلا یہ بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے، عمدہ روزی' ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے خلیفوں نے کہا تھا جو مامور من اللہ اور معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔

ایک اور بات یہ کہ ! کیا ہر وہ شخص جو خود کو مسلمان کہتا ہے کیا وہ ایمان والا ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ لڑائی کررہے ہوں ان کیلئے مسجد میں قیام کا سامان کررہے ہوں اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھا مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں (آیت ۱۰۷) تم اس مسجد میں جاکر کبھی کھڑے بھی نہ ہونا (آیت ۱۰۸ سورۂ توبہ)

آج جو لوگ منکروں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور وہابیوں کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں وہ اس آیت مبارکہ سے اپنا محاسبہ کرلیں کہ ہر وہ شخص ایمان والا نہیں ہے جو خود کو مسلمان کہلاتا پھرتا ہے یا ہر وہ جگہ مسجد نہیں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے حکم اور اخلاص کے ساتھ نہیں ہوتی۔

جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام واقوال کا منکر ہے وہ بے دین ہے۔ ایسے لوگوں کی

تعریف کرنا ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دینا اور منتظر ماننا منافقی ہے۔ اس طرح خود کو کمتر جاننا ہے۔ ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپؓ نے نبی ﷺ کو فرقہ حروریہ کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو ایک ایسی قوم کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے جو دین میں تعمق کی راہ اختیار کرلیں گے۔ ان کی نمازوں کے آگے تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے لیکن وہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے اور آدمی اپنا تیر پکڑ کر اس کے پھل کو دیکھتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا پھر اس کے پٹھے کو دیکھتا ہے تو وہاں بھی کچھ نظر نہیں آتا پھر اس کی لکڑی کو دیکھتا ہے تو وہاں بھی کچھ نظر نہیں آتا (مسند حنبل)

اگر ہمارے اعمال میں کمی ہے جھول ہے اور ہم کو ایمان، اسلام اور عقائد کا علم نہیں ہے تو اس کمی کو دور کرنے اور مزید تحقیق کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ اطاعت و بندگی کے طلب و جستجو کرنی چاہیئے۔ حق کو پانے اور شہادتوں کو ٹٹولنے کی کوشش کریں گے تو بہت سارے حقائق اور سچائیاں روز روشن کی طرح سامنے آئیں گی۔ اس کے لئے مایوس ہونے، تنگ دل ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ تھوڑا سا کسی نے نماز روزہ اور دوسرے عمل کو کرنے کے لئے کیا کہدیا کہ خود کو کوسنے بزرگوں پر پیچ وتاب کھانے لگ گئے؟ میدان عمل میں دوسروں کے زور بازو کے بل پر کشتی نہیں لڑی جاسکتی۔ ہم کو اپنی توانائیوں، اچھائیوں اور خوبیوں کو پہلے تلاش کرکے جانچنا ہوگا۔ جس عقیدہ و اعمال کو پانچ صدیوں سے نہ صرف جانچا پرکھا گیا اور اس پر عمل کرکے مراد کو پہنچے اور دوسروں نے اسے سراہا ان اعمال کا انکار کرکے نقل کرنے والوں کی نقل کرنا کونسی عقلمندی ہے؟

جب سمندر میں طلاطم ہوتا ہے تو سمندر کے جانور اور مچھلیاں سمندر چھوڑ کر کنارے پر بھاگ نہیں جاتیں وہ وہیں رہ کر اس طوفان کا مقابلہ کرتے ہیں اور جمے رہتے ہیں جب تک وہ طوفان ٹھہر نہیں جاتا اور اس طلاطم کی موجیں پرسکوں نہیں ہوجاتیں۔ اور جو لوگ حق بات کا اخفاء کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کی گئیں شہادتوں کو نظرانداز کرتے ہیں وہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو اس حق پوشی کو نہ صرف برداشت کئے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ اسے اچھا سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا کر ان کی ہمت افزائی کرنے کے لئے نئی منطقیں اور نئے دلائل گھڑتے ہیں وہ بھی ان کے گناہوں کے برابر کے شریک ہیں۔ کیمیائے سعادت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باب میں درج ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو رسول بھی دنیا میں آیا اس کے حواری یا اصحاب ہوئے تھے جو اس رسول

کے بعد اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق کام کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو ممبروں پر بیٹھ کر تو نیک اور اچھی باتیں کرتے تھے لیکن خود برے معاملات کرتے تھے تو اس وقت ہر مومن پر فرض ہے اور اس پر حق ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہاتھوں سے جہاد کرے، اگر ہاتھوں سے نہ کر سکے تو زبان سے کرے اور زبان سے بھی نہیں کرتا تو پھر وہ خود مسلمان نہیں ہے۔

اخبار میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں تمہاری قوم کے ایک لاکھ آدمیوں کو ہلاک کروں گا جس میں سے اسی ۸۰ ہزار نیک افراد ہونگے، بیس ہزار اشرار و گنہگار! حضرت یوشعؑ نے عرض کیا کہ یہ نیک لوگ کیوں ہلاک ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس لئے کہ انہوں نے اشرار و خطا کاروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھا اور ان کے ساتھ کھانے پینے، اٹھنے، بیٹھنے اور دوسرے معاملات میں احتراز نہیں کیا (کیمیائے سعادت)

اب رہی بات ملک خراسان کی طرف جانے کا آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ مخالفین و معاندین سے قطع نظر اگر ہم دوسرے اہل اللہ اور اہل حق کی گواہوں اور شہادتوں کی طرح حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ کی شواہد النبوۃ میں آپؒ کے عشق رسولؐ میں لکھی گئی تحریروں کے ساتھ ان حوالوں اور شہادتوں پر نظر کرتے ہیں تو ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ آخر یہ کتاب اسی دور میں کیوں تحریر کی گئی جس دور میں مہدیٔ موعود ہجرت و تبلیغ کرتے ہوئے ملک خراساں کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بھی اللہ کے رسول کے ایسے عاشق جن کی دلدہی کے لئے خود رسالت مآب ﷺ اپنے روضہ اطہر سے باہر آ جانا چاہتے تھے۔ کیا وہ زمانہ مہدیٔ موعودؑ کی آمد کا متقاضی نہیں تھا؟ اس لئے شہادتوں کی طرف ایک ولیٔ کامل کی طرف سے رہنمائی ہوئی تھی کہ اس طرح قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں غور کرنے کی ترغیب دی گئی تا کہ اہل قرآن بھی بنی اسرائیل کے آسمانی صحائف کی ان دیکھی کی طرح قرآن کریم اور احادیث کی ان دیکھی نہ کریں اور خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کے وسیلے سے اس نعمت عظمیٰ کے دئے جانے پر لاپرواہی اور حکم عدولی کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ بھی پورا کر دیا، نعمت تمام بھی دی۔ اب جس کے حصہ میں توفیق ہوگی وہ کامیاب ہوگا جس نے انکار کیا وہ نامراد ہوگا اور اس کے بعد بھی شہادت اور حق کا اخفاء کرنا اللہ کے دشمنوں ہی کی روش کہلائی جائے گی۔

آب در کشتی ہلاکت کشتی ست　　　آب اندر زیر کشتی پشتی ست (مولانا رومؒ)
کشتی میں پانی بھرنا کشتی کی تباہی ہے　　　کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کیلئے مددگار ہے

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

عَلَم بَر دار حق

دنیا میں انسان پیدا ہوتے ہیں، زندگی گزارتے ہیں اور مرجاتے ہیں۔ ان کی زندگی اور موت کوئی معنی نہیں رکھتی، نہ خالق کے لئے نہ مخلوق کے لئے کیونکہ وہ چاپایوں (جانوروں) کے مانند ہوتے ہیں اور کچھ...... انسان ہوتے ہیں جو دنیا کی تاریخ میں ان مٹ نشان تو چھوڑ جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی مقبول ہوتے ہیں اور مخلوق کو حیات کا راز بتا کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، ایسے ہی پاک روحوں پر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے ابوالکلام آزاد تذکرہ میں لکھتے ہیں ''اگر چہ عامۂ علماء وصلحائے امت کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی اور ان کا فضل وکمال اور ان کا ورع وتقویٰ بھی ہر طرح مسلم وثابت ہے...... باایں ہمہ اس عہد کی عزیمت دعوت حق اور تجدید ملت کے مرتبہ مخصوص میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوا، یا تو ان کے قدم ہمت نے علم وعمل کی دوسری شاخوں پر قناعت کر لی یا اس راہ میں قدم بڑھانے کی ہمت نہ کر سکے۔ عہد اوایل بنی امیہ میں کہ ابھی ہجرت کی پہلی صدی بھی ختم نہ ہوئی تھی، کتنی بڑی جماعت اجلۂ صحابہ کرام اور ارکان بیت نبوت وبقیۂ صالحۂ خیر القرون کی موجود تھی اور کون ہے جو ان کی عظمت وشرف میں ایک لحہ کے لئے شک کرے۔ لیکن بدعات ومحدثات بنوامیہ کے مقابلہ میں سرفروشانہ اقدام عزیمت وفتح باب مقاومت وثبات فی الحق والعدل کا جو ایک مخصوص مقام تھا وہ بجز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اور کسی کے حصے میں نہ آیا۔

ملت مہدویہ کی ایک ایسی ہی قدسیہ صفات قدآور شخصیت کا نام ہے حضرت بندگی میاں شیخ مصطفیٰ گجراتی علیہ رحمہ جو تابعین مہدویہ میں سے ہیں، جو بیک وقت عالم دین، عارف باللہ، غازی مصداق اور اہل باصفاء تھے جنھوں نے وقت کے عظیم بے دین مغرور بادشاہ اکبر اور اس کے درباری علمائے سو کے سامنے صداقت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے پرچم کو نہ صرف بلند کیا بلکہ اسے سرنگوں ہونے نہ دیا۔ علمائے دنیا پرست کی سازشوں ریشہ دوانیوں کی اور اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے علمائے دربار کی شرانگیز مذہبی سازش کو بے نقاب کیا۔

حضرت فقیر خدا بخش رشدی مہدوی مترجم مکاتب نے لکھا ہے کہ آپؒ طبقہ تابعین کے جلیل القدر عالم فاضل اور مذہب مہدویہ کے مبلغ اعظم ہوئے ہیں۔ آپؒ ۹۳۲ھ میں شہر نہر والہ علاقہ گجرات معروف بہ پٹن میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار حضرت بندگی میاں عبدالرشیدؒ سے تحصیل علم دین حاصل کیا۔ جوان ہو کر حضرت بندگی ملک پیر محمدؒ سے تلقین ہوئے، پھر حضرت شہاب الحقؒ سے بیعت کی اور فقیر ہو کر حضرت شہاب الحقؒ اور حضرت بندگی میاں سید محمود سید نجیؒ کی صحبت اختیار کی۔ حضرت سید نجیؒ نے علم کی اعلیٰ قابلیت کو دیکھ کر ان کو ارشاد کا حکم دے کر علیحدہ رہنے کی رضا دی۔ آپؒ کے دائرے کئی مقامات پر رہے اور بے شمار لوگ آپؒ کے فیض بیان سے تصدیق مہدی علیہ السلام سے مشرف ہوئے، بندگی میاں سید قاسم مجتہد گروہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''میاں شیخ مصطفیٰ گجراتیؒ علماء شریعت و مقتداء طریقت صاحب معاملات و حالات میں سے تھے۔ آپ کے طفیل سے بہت سارے علماء مثلاً ملا علاء الدین شیرازی جو علامہ زماں تھے اور کئی سال حرم میں درس دیئے تھے اور قاضی بخن اور پیر محمد اور بابا حسن جی، قیصر خاں، میاں ناصر جیسے بہت سارے علماء اور خانان اور گجرات کے بادشاہان جیسے عثمان خاں سور جو شیر شاہ کے بھانجے تھے اور شیر خاں پولادی امیر گجرات اس طرح کے بہت سے لوگ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی تصدیق سے مشرف ہوئے ار بہت سے لوگ مقام وصال کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو حضرت مہدیؑ علیہ السلام کے ثبوت میں جلال الدین اکبر بادشاہ کے تمام علماء پر نصرت دی۔ یہ بات بہت مشہور رہے کہ اکبر کے دربار میں علماء سو کے ساتھ آپؒ کا مباحثہ اٹھارہ مہینے تک ہوا۔

ایمان و یقین تحریر و گفتار ثابت قدمی و پامردی کا ایسا نمونہ مہدویہ کتب میں بھی کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ مہدویوں کو خصوصاً نوجوانوں کو اس کردار و گفتار کے غازی سے متعارف کراتے رہنا ضروری ہے۔ مجالس خمسہ جو بادشاہ اکبر کے علماء کے مباحث ہیں۔ یہ مہدویہ مذہب و عقیدہ کے چارٹر کا خلاصہ جیسے ہیں۔ اس طرح کے ایمان و عقائد کے واقعات جو طاقوں اور شیلفوں میں پڑے گرد و غبار و دیمک کا کھاجا بنے جا رہے ہیں ان کا بار بار دہرایا جانا اور بیان کیا جانا بے حد ضروری ہے کیونکہ مخالفین اور منافقین کی بادسرسر کے سامنے ڈٹے رہنے کا اس میں حوصلہ ملتا ہے۔ حالانکہ مخلص مصدقوں نے نہ صرف انہیں سنبھال رکھا ہے بلکہ اشاعت و تراجم کے ذریعہ انہیں تازگی اور قبولیت بھی بخشی ہے۔ آج زمانہ اردو زباں کی تنزل کا ہے، اردو زباں کی بساط شطرنج پر اب صرف شاعر اور گویئے

ہی رہ گئے ہیں۔اس زبان کی مات ہی مات ہے شۂ دینے والا کوئی نہیں۔آج ملت مہدیہ میں ہر دوسرا اردو داں شاعر ہے۔ادیب،نقاد،مورخ،مبصر ملت میں کوئی نظر نہیں آتا۔یہ ایک ستم ظریفی ہے اور شاعروں کے پاس بھی کوئی مقصد نہیں رہ گیا۔شاعروں کے منہ میں دانت نہیں اور شاعری میں گردان نہیں ہے۔بے مقصد و بے معنی ردیف وقافیہ کی بھر مار ہے۔

یہ مباحثہ گجرات میں ہوا تھا،کیونکہ درباری علماء اور اکبر کی حکومت کے علاقہ کے حاکموں نے اسے ورغلایا اور گجرات آکر مہدویوں کو تیہ وتیغ کرنے پر اکسایا تھا۔مجالس خمسہ میں آپؒ نے تحریر کیا ہے کہ ''شیخ عبدالنبی صدر اور قاضی یعقوب نے بادشاہ اور علماء کے روبرو آپؒ سے کہا تھا کہ اکبر بادشاہ کو تمہارے تدارک کے لئے بذات خود گجرات آنا پڑا ہے۔گجرات کو قبضہ میں کرنے کے لئے بادشاہ کی فوج اور نوکر کافی تھے' (صفحہ ۱۰) اسی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سورت کے قلعہ کا امیر بھی تھا اور اس نے آپؒ سے بدتمیزی کی تو اکبر نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔اور اکبر نے آپؒ سے کہا کہ ''ہم جانتے ہیں کہ تم مردِ بزرگ اور پیشوا ہو پردہ نشین خواتین،امراء اور گجرات کے بادشاہ تمہاری دہلیز کے ملازم ہیں اور تمہارا تبرک اور پسخوردہ آگرہ سے گوڑ (بنگال) اور صورت تک جاتا ہے اور تمہارا ذکر ہماری مجلس میں بار بار آتا تھا۔اب عالموں کے کہنے پر بالحاظ ضرورت بیڑیاں ڈال کر ہماری مجلس میں لانا پڑا،......
اکبر نے کہا گجرات کے علماء ومشائخین تمہاری ذات سے بہت عداوت رکھتے ہیں اور کئی بار عرضیاں لکھ کر ہمارے پاس روانہ کئے ہیں کہ ملک گجرات میں بڑا فساد ظاہر ہوا ہے۔ایک شیخ زاد بدعتیوں کا مذہب اختیار کیا ہے اور تمام علایق کو اپنے اعتقاد کی دعوت کرتا ہے،پولادیاں افغاناں،دوسرے لوگ اور علماء بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔اس کا مذہب قبول کر لئے ہیں لہذا بادشاہ پر واجب ہے کوئی تدبیر کرے۔غرض علماء کی کوشش سے تم اس بلاء میں پڑے ہو (صفحہ ۴)

ابوالکلام آزاد نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اکبر کی امامت کے محضر کا یہ حال ہے کہ شیر شاہ اور سلیم شاہ کے زمانہ میں دنیا پرست عالموں کی کثرت وطاقت نے ملک کے امن وسکون کو تہ وبالا کر دیا تھا اور علی الخصوص اہل اللہ اور ارباب حق پر انہوں نے اپنے غرور دنیا اور نشۂ حکومت وریاست میں بڑے بڑے مظالم وشوائد کئے۔جس کسی کو طلب دنیا سے مستغنی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں سرگرم دیکھتے۔اپنی دنیا پرستیوں کا حریف سمجھ کر مخالف ہوجاتے۔کوئی نہ کوئی الزام تراش کر فتنہ ومصائب میں

مبتلا کر دیتے ۔ اکبر کے ابتدائی عہد تک یہی حال رہا۔ ان علمائے حکومت میں دو شخصوں کو بڑا عروج رہا۔ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور ۔ آگے لکھا ہے کہ عہد اکبری کے تمام فتنہ وفساد کے اصل ذمہ دار یہی علمائے عبید الدنیا ہیں ......اکبر نے تمام حاملین مذہب کا یہ حال دیکھا تو سرے سے مذہب ہی کو خیر باد کہہ دینا چاہا......اسی طرح علماء سو کا غرور و پندار کا بت توڑنے کے لئے ایک دوسرا بت تیار ہوا وہ تھا خود اکبر (تذکرہ)

اور ایسے دنیا پرست علمائے سو کے بارے میں لکھا ہے کیا جنگل کا کوئی ڈاکو اور کمیں گاہوں کا کوئی رہزن اس سے زیادہ جمعیت بشری (انسانوں) کے لئے مخدوش و مہلک ہوسکتا ہے ...... یہی وہ کتمان حق کو دانستہ چھپانے کی لعنت ہے جو علمائے یہود پر چھا گئی تھی ......ان کو بہر حال اپنی گنبد دستار کی تعمیر کے لئے اینٹیں چاہیں، اگر چہ خانۂ شرع کی دیواریں توڑ کر بہم پہنچائی جائیں ......سانپ اور بچھو ایک سوراخ میں جمع ہو جائیں گے ۔لیکن علمائے دنیا پرست کبھی ایک جا اکٹھے نہیں ہو سکتے ...... چور اور ڈاکو مل جل کر رہزنی کر سکتے ہیں مگر یہ گروہ خدا کی مسجد اور زہد وعبادت میں بیٹھ کر بھی متحد و ایک دل نہیں ہو سکتے ۔اور ہمیشہ درندوں کی طرح ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کرتے اور پنجہ مارتے رہتے ہیں ۔میکدوں میں محبت کے ترانے اور پیار والفت کی باتیں سننے میں آجاتی ہیں ۔مگر عین محراب مسجد کے نیچے پیشوائی و امامت کے لئے ان میں سے ہر ہاتھ دوسرے کی گردن پر بڑھتا ہے (تذکرہ)

یہ حال ہر دور میں مسلمانوں کے ہر فرقے اور گروہ میں رہا ہے ۔ اور آج ملت بھی ان حالات کی گواہ ہے۔غرور و پندار کا یہ عالم ہے کہ ترک دنیا فقیر احقر و کمتر ہونا معیوب ہوگیا ہے ۔مفتی مولوی افضل العلماء خطیب دوراں عالم بے بدل ہونا قربت خداوندی کا گویا سٹرفکیٹ ہے ۔ حالانکہ مہدویوں کو فقیر وحقیر کا تمغہ اللہ کے رسول ﷺ اور خلیفۃ اللہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کی طرف سے دیا گیا ہے ۔ یہ شان مہدویہ ہے ۔ایسا کہنے اور عمل کرنے والے کی قدم بوسی پر دل خود بخود آمادہ ہو جاتا ہے ۔ اس کے چہرے کے نور کی کیفیت ہم گنہگاروں کو خالق کی طرف مائل کرتی ہے ۔ملت کے اندر پوشیدہ اے! پاکان خدا؟ خدا کے لئے اب تو ظاہر ہو جاؤ مایوسی اور بے بسی دراز ہوئی جاتی ہے ۔سوختہ دل اور پشیماں نفس والی روحیں میدان حشر میں ذلیل وخوار ہونے سے تھرا رہی ہیں ۔گھبرا رہی ہیں ۔ ذلت و خواری کا یہ عالم ہے کہ اس کا دیدار کرنا تو کجا اس کی نظر کرم سے بھی ناامید ہو چلے ہیں ۔فریب دنیا کا

مرض ہر کسی کو بیمار کئے جارہا ہے۔

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
پڑھیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار اور اگر مرجائے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

جیسا کہ پہلے کہا گیا آپؒ (میاں شیخ مصطفیؒ) کو اٹھارہ مہینے قید میں رکھا گیا۔ مباحث کی ہر مجلس میں آپؒ کو پابہ جولاں (زنجیروں میں اور بیڑیاں ڈال کر) لایا جاتا تھا اور گالیوں اور لعن وطعن کی بوچھار کی جاتی، مگر آپؒ نے حلم و بردباری اور صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہاں اس مباحث کے کچھ ماخذ کو پیش کرنا بے حد ضروری ہے کیونکہ آج کے ملت کے نوجوان اپنے اسلاف کی قربانیوں سے آگاہ ہوجائیں اور منافقین ومرتدین کو بھی احساس ہو کہ وہ دین کی کیسی عظیم دولت سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ ہماری قومی کتب میں تفصیل سے یہ باتیں مذکور ہیں لیکن! آج کا مصروف ترین دور مذہبی سرجری کا نہیں بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک ڈوز بقدر ضرورت دینے کا تقاضہ کررہا ہے۔

بہرکیف اس کے بعد مہدویت کی بحث چھڑی، اکبر نے کہا، کیا کہتے ہو مہدیٔ موعودؑ آئیں گے یا آئے اور گئے۔ آپؒ نے کہا مہدیٔ موعود علیہ السلام آئے اور گئے۔ اس وقت علماء نے شوروغوغا مچانا شروع کردیا اور لعن وطعن سے پیش آئے بلکہ بعض اپنی جگہ سے اٹھ کر اپؒ کے نزدیک آئے اور کہا اس شخص کو قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے اور کلاں خاں نے کہا میں اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہوں اگر بادشاہ غصہ کرے گا تو ہم پر غصہ کریگا، بادشاہ کو جواب ہم دیں گے۔ اکبر نے کہا پہلے تم خاموش رہو، ہم ان سے دلیل پوچھتے ہیں اور حجت طلب کرتے ہیں۔ ہم بھی تو دیکھیں ان کا استدلال کیا ہے، ایک باران کے مذہب کی تحقیق کرنی چاہیئے بعد تحقیق جو کچھ مصلحت ہو کیا جائے گا۔ اس کے بعد سب خاموش ہوئے (یہاں یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ بادشاہ اکبرا تنا برا اور بے دین بھی نہیں تھا۔ ان علماء نے اسے بے دینی پر مجبور کردیا تھا جیسے کہ دوسرے مورخوں اور وقعایع نگاروں سے ثابت ہے)

اکبر بادشاہ نے آپؒ سے کہا کہ آپ کس طرح کہتے ہو کہ سید محمد جونپور سے نکلے اور گجرات میں دعویٰ کئے اور فرح میں دفن ہوئے اور یہی مہدیٔ موعودؑ ہیں۔ آپؒ نے فرمایا جب ہم کو بطریق تواتر معلوم ہوا کہ حضرت سید محمد اپنی زبان مبارک سے کئی بار علماء اور مشائخین کے مجموعہ میں دعویٰ مہدویت ظاہر فرمایا ہے اور آخر دم تک اس دعوے پر قائم رہے اور آپؑ کی ولایت کے آثار تمام عالم میں پھیل گئے

اور آپؑ کے فیض کے تاثرات بہت مشہور ہوگئیں، یہاں تک کہ بہت سے لوگ جو علم سے کچھ خبر نہیں رکھتے تھے محض آپؑ کی صحبت کی ملازمت سے شریعت کے علوم کی باریکیوں اور خدا کو پہچاننے میں اس قدر آگاہی اور استعداد پیدا کئے کہ بیان نہیں کرسکتے، اعمال جمیلہ اور اوصاف جلیلہ مثل توکل صدق تسلیم تفویص حل مروت اور تمام اخلاق حسنہ میں اس درجہ کمال کو پہنچے کہ لکھ نہیں سکتے، بلکہ ان میں کا ایک ایک پیشوائی کو پہنچا اور ہر ایک کی خدمت میں ہزاروں تارکان دنیا طالبان خدا شریعت وطریقت کی طرف توجہ کیا اور حضرت علیہ السلام کے آستانہ شریف پر سر ٹیک دیا۔ لفظی مجادلات ومباحثات جو علما ظاہر کا طریقہ ہے اس سے ہم نے پرہیز کیا۔ مشائخ طریقت نے اپنے تمام مصنفات میں بیان کیا ہے کہ اے راہ حق پر چلنے والے ہشیار رہ اور خود کو اولیاء اللہ کے انکار سے دور رکھ تاکہ تو اپنے ایمان کے خرمن کو تباہ نہ کرے اور اللہ کے کلام پر نظر کر......مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تصدیق کی بناء پر......علماء ظاہر کی جماعت نے (مہدویوں کو) بداعتقاد کہہ کر اخراج اور قتل کا فتویٰ دیا اور چند مہدویوں کو محض مہدیٔ موعود آئے اور گئے کہنے پر قتل کروایا۔ اس کے بعد ہم حیران ہوئے اور اپنے دل میں سونچا کہ اگر یہ ہمارا عقیدہ نص قرآن یا حدیث متواتر یا اجماع امت کے خلاف ہے تو ہم کو بلحاظ ضرورت توبہ کرنا چاہیئے اور حق کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور اگر ہمارا عقیدہ نص قرآن وحدیث متواتر اور اجماع امت کے خلاف نہیں ہے تو مخالفانِ مہدیؑ کی ملامت اور ایذاء کا کوئی خوف نہیں ''جس نے نیک عمل کیا تو وہ اپنے بھلے کے لئے اور جس نے بدکاری کی تو اس کا وبال اسی پر'' (جز ۲۴ رکوع ۲۰) لہذا ہم پر لازم نہیں کہ محض علماء ظاہر کے کہنے پر حضرت سید محمد مہدیٔ علیہ السلام کو جھٹلائیں......ہم نے تحقیق کے لئے سلف کی کتابوں کو دیکھا اور احادیث کی کتابوں میں مہدیؑ کے ذکر کو پایا۔ اس مجلس میں اکبر بادشاہ کے درباری علماء کے علاوہ شہر نہروالہ (موجودہ پٹن) کے علماء نے بہت کوشش کی۔ مگر مہدیٔ موعودؑ کے ثبوت کے امکان واحتمال کی نفی ورفع نہ کرسکے اور کتب احادیث سے ظاہر کیا کہ حضرت سید محمد مہدیٔ موعودؑ کے مصدق پر قتل کا فتویٰ دینا محض جور وظلم ہے۔ اکبر کے علماء نے آپؑ سے سوال کیا کہ کتابوں میں ہے کہ مہدی امام (حاکم) ہونگے لیکن تمہارے مہدی امام (حاکم) نہیں ہیں۔ آپ نے جواب دیا امامت کے معنی پیغمبروں کی امامت کے مانند ہے نہ کہ بادشاہوں کی مانند، کیونکہ تمام پیغمبر امام تھے اور ان کے لئے ملک کے قبضے اور اموال کے تصرف کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''ہم نے بنائے ان میں سے آئمہ کہ ہدایت کرتے تھے

ہمارے حکم سے جب کہ انہوں نے صبر کیا (جم ۲۱ رکوع ۱۶) اور کچھ پیغمبروں نے غربت اور خوبی قدرت کی حالت میں منکروں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا ہے۔ان کے لئے ملک پر قبضہ فوج کی کثرت اموال کا تصرف کہاں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سید محمد مہدیؑ علیہ السلام امام تھے۔اس کے بعد علماء نے سوال کیا رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ بھر دے گا زمین کو قسط وعدل سے جیسا کہ بھری ہوگی زمین جور وظلم سے۔تم اس حدیث کو صحیح کہتے ہو یا نہیں۔اس پر آپؒ نے کہا ہم اسے صحیح سمجھتے ہیں، اکبر نے کہا اس حدیث کے مطابق تمہارا مدعا کیسے ہوا (جبکہ ایسا کچھ نہیں ہوا ہے) آپؒ نے کہا اللہ تعالیٰ شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں فرماتا ہے کہ ''اور نہ فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد (جز ۸ رکوع ۱۴) یہاں اللہ تعالیٰ نے زمین جو فرمایا ہے وہ اس سے مراد مدین کی زمین ہے، کیونکہ شعیبؑ مدین کی زمین پر رہنے والوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور ہم نے بھیجا مدین کی جانب ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو (جز ۸ رکوع ۱۸) امت مرحومہ کے مفسروں کے مطابق شہر مدین میں چار لاکھ سوار موجود تھے مگر شعیبؑ کی دو لڑکیوں کے سوا کسی نے بھی حضرت شعیبؑ پر ایمان نہیں لائے اور نہ اللہ کی اطاعت پر راضی ہوئے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفسدو فی الارض بعد اصلا حها** یعنی تباہی مت کروائے شعیب کی امت مدین کی زمین میں اس زمین کی اصلاح کے بعد۔پس یہاں غور کرنا چاہیئے ''زمین کی اصلاح کے بعد'' یہاں کیا معنی رکھتا ہے۔اس سے معلوم ہوا شعیبؑ کی دعوت صلاح ہے (نیکی کی طرف بلانا) کوئی شخص اطاعت کرے یا نہ کرے۔بعض مفسروں نے **لا تفسدو افی الارض** آیت کے تحت لکھا ہے کہ اپنی ذات سے نیک کام کیا اور دوسروں کو نیکی کی طرف بلایا۔اسی طرح مہدیؑ علیہ السلام نے تمام زمین کو عدل سے آراستہ کیا بلکہ بہت سے لوگوں نے آپؑ کی تصدیق و اطاعت قبول کر کے اپنی جان و مال کو (اللہ کی راہ میں) نثار کر دیا۔اور خود کو ملامت کے تیر کا نشانہ بنا دیا۔

علماء نے کہا یہ تمہاری حجت درست نہیں، اس لئے کہ تم نے صرف شہر نہر والہ (پٹن) میں یہ شور وغوغا اٹھایا ہے باقی اور کوئی شہر میں یہ خبر مشہور نہی، پس تمہاری حجت کہ مہدی زمین کو عدل اور قسط سے بھر دے گا جیسا کہ شعیبؑ نے تمام زمین مدین کی اصلاح کی درست نہیں۔آپؒ نے کہا تمہاری بات میں تعارض ہے اس لئے کہ ابھی تم کہتے تھے کہ سلیم شاہ کے وقت جب شیخ علائیؒ کو قتل کے لئے حاضر کئے تو شیخ علائیؒ اپنے عقیدہ (مہدویت) سے پلٹے نہیں۔بلکہ ان کے بعض تابعین نے (ظلم کی وجہ سے) اس عقیدہ سے توبہ کی

اور شیخ علائی سے سوال کیا گیا کہ تم نے توبہ نہیں کی یہ لوگ تایب ہو گئے شیخ علائی نے جواب دیا پیشوا کے لئے عالیت اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، اور مقتدی نے رخصت اختیار کی ہے تو کوئی عیب نہیں غرض تم کو معلوم ہے کہ میاں شیخ علائیؒ کی طرح کوئی شخص علم وتقویٰ ریاضت و زہد میں اس شہر میں ان سے زیادہ مشہور نہ تھا، میاں ممدوح نے حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے آستانہ کو اپنا قبلہ بنایا اور اپنی جان کا ندرانہ مہدیؑ کی محبت میں نثار کر دیا۔ یہ خبر عالم میں پھیل گئی ہے کہ ایک عالم عامل شرح کے پابند پرہیز گار پیر طریقت استاد شریعت نے یہ خبر دی ہے کہ مہدیٔ علیہ السلام آئے اور گئے اور ممدوح نے بادشاہوں امراء و عالموں و مشائخوں کے ثبوت مہدویت میں دلائل و براہین سے مقابلہ کیا ہے۔ عرب وعجم شائد ہی کوئی شخص ہوگا جو یہ کہتا ہے کہ ہمیں یہ خبر (مہدیؑ کے آنے کی) نہیں پہنچی اور ابھی تم (علماء) کہہ رہے تھے کہ اس شہر کے علماء نے اس فتنہ سے عاجز آ کر علماء مکہ سے فریاد کی لہذا مکہ کے علماء نے محضرہ کر کے جماعت مہدویہ پر (ان کے قتل کا) فتویٰ لکھا یہ فتویٰ گجرات میں آ کر تیس سال کا عرصہ ہوا ہے علماء عرب کو معلوم ہو چکا ہے کہ روئے زمین پر مہدویوں کا بڑا گروہ پیدا ہو چکا ہے جو علماء عجم کو حیران کر دیا ہے اور مخلوق گروہ مہدویہ کے قول کی تقلید کرتی ہے (یہ مانتی ہے کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام آئے اور گئے) یہ خبر مکہ اور مدینہ میں منتشر اور مشہور ہو گئی ہے اس کے باوجود تم (علماء) کہتے ہو کہ ہم نے سنا ہے کہ پٹن میں کسی نے دعویٔ مہدیت کیا ہے اس سے بڑھ کر ہم نے نہیں سنا اور ابھی تم (علماء) ہم کو کہتے ہو کہ تمہاری گمراہی کی نحوست گوڑ (بنگال) اور یورپ کو پہنچ گئی ہے وہاں ہزاروں اشخاص نے تمہاری بات کی تقلید کر کے (مہدی موعود آئے اور گئے کہہ کر) فتنہ میں پڑے ہوئے ہیں اس عقیدہ کو قبول کر لئے ہیں اور بدخشاں میں بھی تمہارا عقیدہ پہنچ گیا ہے۔ تمہارے احباب (علماء میں سے) ایک بدخشانی شہید کیا گیا ہے۔ اہل شیراز (ایران) ہماری تقلید کرتے ہیں۔ ملاء علاالدین شیراز سے آ کر تمہاری صحبت میں رہ گئے ہیں۔ ہر یو فرح اور قندہار میں جماعت مہدویہ موجود ہے اور دیگر یہ کہ (اکبر کے خاص مصاحب) شیخ عبدالنبی صدر و قاضی یعقوب جو ملک قضات (چیف جسٹس) بادشاہ اور اس کی مجلس (دربار) کے ہیں اور بادشاہ کے عالم یہاں مجھ ضعیف کے تدارک کے لئے گجرات آئے ہیں۔ حالانکہ یہ ضعیف گروہ مہدویہ میں ایک گھاس کے تنکے کی وقعت نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کو دفع کرنے کے لئے اکبر بادشاہ کو بذات خود آنے کی ضرورت ہوئی۔ تو اب تم (علماء) انصاف کرو کہ کس طرح کہتے ہو کہ مہدویت کی خبر ہم نے پٹن کے سوائے کسی جگہ نہیں سنی۔

بلکہ تمام عالم میں غلغلہ ہوگیا ہے، مہدویوں کا بڑا گروہ ظاہر ہوگیا ہے اور خلقت کو بدعت ترک کرنے سنت رسول ﷺ کی پیروی اور قرآن شریف کی موافقت کرنے اور امر شرعیہ کی ادائیگی اور ممنوعات شرعیہ سے پرہیز کرنے کی دعوت کرتا ہے اور معاملات وعبادات میں ہمت کا قدم عالیت کی بلندی پر رکھتا ہے۔تقویٰ توکل صدق ودیانت گوشہ نشینی تنہائی فقر وفاقہ اختیار کرنے اللہ کی راہ میں مال دینے میں استوار اور کامل مضبوطی رکھتا ہے اور اس عقیدہ پر مصر اور مستحکم ہے اور رات دن یہ گیت گاتا ہے کہ مہدیؑ موعود آئے اور گئے ۔علماء کو نہیں چاہیئے کہ ایسی فضول باتیں کریں مہدویہ کی خبر پٹن کے سوا کہیں نہیں۔اکبر بادشاہ نے کہا **لکم دینکم ولی الدین** تم کو تمہارا دین مجھ کو میرا دین اور میاں شیخ مصطفیٰ کو الزام دینا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے بعد علماء نے اکبر بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ مرزا شیخ مہدوی سے مباحثہ کرنے کی ضرورت نہیں ۔اس کی بات پر توجہ نہیں کرنی چاہیئے ۔ہم اہل علم بادشاہ کے ساتھ بیٹھنے والے ہیں، اگر شیخ کی بات کو توجہ سے سنتے ہیں تو دل میں آتا ہے کہ شیخ حق پر ہے۔اس کی بات دل یں اثر کرتی ہے ایسے فتنہ کو نہیں چھوڑنا چاہیئے ۔اہل مکہ کا فتوی ہمارے لئے کافی حجت ہے کیونکہ اہل مکہ عالم میں افضل ہیں ۔پس ان کا فتویٰ ناحق نہ ہوگا۔اس فتوے کے حکم سے شیخ کو قتل کردینا چاہیئے ۔اکبر نے آپؒ سے پوچھا کیا تم مکہ گئے تھے۔ آپؒ نے کہا نہیں پھر پوچھا مکہ کے علماء گجرات آئے تھے۔آپؒ نے کہا نہیں، اکبر نے کہا یہ کیسے لوگ ہیں آئے بغیر اور مباحثہ وفہمائش کئے بغیر مہدویوں کے مدعا (مہدیؑ موعود علیہ السلام آئے اور گئے) کے متعلق محض ان کے دشمنوں کے کہنے پر ان کے قتل کا فتویٰ لکھ دیا۔ یہ کام خدا پرست عالموں کا نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی علماء نے کہا اے بادشاہ مکہ کے علم کی نسبت ہم جاہل ہیں ان کے قول پر ایراد واعتراض ہمارے لئے سزاوار نہیں۔ان کے قول کی تقلید کرنی چاہیئے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے ۔اکبر نے ایک عالم کی طرف توجہ کی اور کہا اے ملازادے وہ کیا معاملہ تھا کہ تمہارے باپ مکہ مبارک کو گئے تھے اور عرصہ دراز تک وہاں درس دینے میں مشغول رہے اور وہاں کے لوگوں میں استادی وپیشوائی میں مشہور ہوگئے ۔اس کے بعد علماء مکہ نے ان پر فتویٰ دیا کہ یہ شخص رافضی اور دین کا دشمن ہے اور واجب القتل ہے۔اب تم کیا کہتے ہو کہ علماء مکہ کا فتویٰ برحق تھا۔اس کے بعد عالم نے کہا اگر صاحب (بادشاہ) بدعتیوں کے سامنے علماء دین کو شرمندہ کریں تو پس کون ہے جو ہماری مدد کرے۔ بادشاہ اکبر نے کہا علمی بحث میں کیا نامعقول بات کہتے ہو، علمی جواب دینا چاہیئے ۔اب تم اپنے باپ کے معتقد ہو اور اپنے باپ کو اہل سنت و جماعت کے

مذہب میں جانتے ہو نہ کہ رافضی سمجھتے ہو۔ پس اس لحاظ سے علماء مکہ تمہارے باپ کے ساتھ حسد کئے ہونگے۔ یہی بات انہوں نے جماعت مہدویہ کے ساتھ کی ہے۔

جب علماء نے دیکھا کہ بنی بنائی بات بگڑ رہی ہے تو دوسرا طریقہ اختیار کیا اور کہا اے بادشاہ شیخ (مصطفیٰ گجراتیؒ) سے پوچھو پیغمبر ﷺ نے فرمایا حق غالب ہے باطل پر۔ پس کیا بات ہے کہ جماعت مہدویہ جہاں کہیں رہتی ہے مفلسی اور ذلت میں رہتی ہے اور ہم لوگ ہمیشہ ان پر غالب رہتے ہیں۔ اگر مہدوی حق پر ہوتے تو ان کی ایسی زبوں حالی کیوں رہتی۔ بادشاہ اکبر نے کہا ہماری طرف سے یہ سوال شیخ سے کرنے کی ضرورت نہیں، اس سوال کا جواب جو کچھ شیخ کے دل میں ہے میں تم سے کہتا ہوں۔ علماء نے کہا کیا جواب ہے کہو۔ اکبر نے کہا حق غالب ہے باطل پر جیسا کہ یہ شیخ ہم پر غالب ہے۔ دیکھو ہم پچاس ساٹھ اشخاص سوالات کرنے میں شیخ سے چمٹے ہوئے ہیں اور شیخ اپنی اس غربت مفلسی بیڑیاں، باپ اور بھائی کی مصیبت اور عزیزوں اور دوستوں کی جدائی کے باوجود ہماری مجلس میں ایسے بیٹھے ہوئے ہیں گویا کہ ہم سب کا سردار بیٹھا ہوا ہے اور ہمارے ہر سوال کا جواب حشمت، وقار اور دلیری و استقلال کے ساتھ جو دے رہے ہیں یہ حق کا غلبہ باطل پر ہے۔ علماء نے کہا تمہاری یہ تاویل راہ صواب سے دور ہے، غلبہ ظاہری چاہیئے۔ بادشاہ اکبر نے کہا تمہاری یہ بات نامعقول ہے کیونکہ اگر دو سو سوار مغل کے دس فرنگی سواروں کو دیکھتے ہیں تو دور سے ایسے بھاگتے ہیں جیسا کہ لانڈگے (بھیڑیئے) کو دیکھ کر بکرے بھاگتے ہیں تو کیا تم کہتے ہو فرنگیاں حق پر ہیں۔ اس کے بعد اکبر نے آپؒ سے کہا کہ تم نے احادیث کے مضمون سے امکان اور احتمال ثابت کیا ہے یعنی ممکن و متحمل ہے کہ تمہارا مدعا درست ہو پس معلوم ہوا کہ اس عقیدہ کے واسطے سے تم پر قتل و اخراج لازم نہیں آتا...... اس کے بعد آپؒ نے اکبر بادشاہ سے کہا کہ کتب عقائد سے معلوم ہوتا ہے پس وہ اخلاق (جو نبوت کے شرط کئے گئے ہیں) سب کے سب ہم نے حضرت سید محمد مہدی علیہ السلام کی ذات مبارک میں پائے اور دعویٰ مہدیت آپؑ کی ذات سے وقوع میں آیا پس علماء سلف کے مذہب اور فقائے خلف کے منہج کی بناء پر ہم نے تحقیق و یقین سے جان لیا کہ یہی ذات مہدیٔ موعود علیہ السلام ہے اس میں کچھ شک و شبہ نہیں اور حضرت رسالت پناہ ﷺ نے حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے باب میں فرمایا ہے کہ مہدی میرے قدم بہ قدم چلے گا اور خطا نہیں کرے گا۔ یہ فرمان حضرت مہدیٔ علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات کے حق میں صادق آئی یعنی حضور ﷺ کے تمام اخلاق تمام افعال

اور تمام احوال کی پوری پوری پیروی بغیر کسی کم وبیشی کے مہدیٔ علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات میں ظاہر ہوئی ہے۔ پس مقرر، متحقق، معلوم اور متیقن ہوا کہ یہی ذات یقیناً مہدیٔ موعود ہے کوئی دوسرا نہیں۔ اور وہ حدیث کا احتمال کہ جو ظہور مہدیٔ علیہ السلام سے پہلے ظن کا سبب تھا ظہور مہدی کے بعد مرتبہ یقین کو پہنچ گیا...... اکبر نے سوال کیا کہ تم نے تو اس ذات (مہدی موعودؑ) کو نہیں دیکھا پھر کیسے جانے کہ اس ذات میں یہ اخلاق موجود تھے۔ آپؓ نے جواب دیا جیسا کہ علمائے سلف نے اپنے مصنفہ کتب عقائد میں پیغمبر ﷺ کے اخلاق کی تحقیق کی ہے اس طرح ہم نے بھی مہدی علیہ السلام کی ذات میں تحقیق کی ہے اور جان لیا کہ یہی ذات مہدی موعود ہے۔

چونکہ آپؓ کے ساتھ مباحث کی کئی مجلسیں اور دور چلے اور ہر مجلس میں آپؓ کو پابہ جولاں (زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر لایا جاتا) مگر آفریں اس مرد مجاہد غازی باصفا کے حوصلے اور ہمت میں نہ کمی آئی نہ ایمان و یقین میں لغزش پیدا ہوئی۔ اور ہر بار نئے جوش و ولولے کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کرتے اور مخالف علماء کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا اور ہر مجلس میں نئے نئے عالم اور امرا موجود ہوتے۔ جب دوسری مجلس آراستہ ہوئی تو اکبر بادشاہ نے نئے علماء وامراء سے تعارف کرایا کہ یہ شیخ مصطفیٰ مہدوی ہیں تم کو جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ علماء نے دیگر سوالات کے ساتھ ایک سوال یہ کیا کہ روایت میں ہے کہ زمین و آسمان کے رہنے والے مہدی علیہ السلام سے راضی ہوں گے مگر یہ کیا بات ہے کہ تمہارے امام اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ لوگ بغض رکھتے ہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی دو آیات پیش کیں۔ برابر نہیں نیکی اور بدی، برائی کو دفع کر ایسی خصلت سے جو بہت بہتر ہو، پھر ناگاہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے۔ گویا وہ دوست ہے رشتہ دار ہے (جز ۲۴ رکوع ۱۹) یعنی اے محمد ﷺ اپنے دشمنوں کے ساتھ میٹھی بات اور اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ ان کی برائیوں کو اپنی بھلائیوں سے دفع کرو، مثلاً غصے کو صبر سے، جہالت کو بردباری سے، برائی کو معافی سے، بخالت کو سخاوت سے، قطع رحمی کو صلہ رحمی سے۔ اگر ایسا کرو گے تو مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ کیا حضور ﷺ کے عمل کو اپنانا اچھائی نہیں ہے۔ دوسری آیت یہ ہے کہ۔ اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے (جز ۷ ع ۹) اس طرح گروہ مہدویہ کے بارے میں علماء ظاہر اور ان کی تقلید کرنے والوں کے سواء جس کسی سے پوچھو سب ایک زبان ہو کر کہیں گے کہ گروہ مہدویہ کہ جیسا لطافت، نزاکت، ہمت، استقامت، مروت، دیانت، اخوت، شجاعت، سخاوت

،توکل، تسلیم الی اللہ اور اخلاق حمیدہ رکھنے والا ہم نے ہرگز نہیں دیکھا۔ جس طرح پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں آیت مبارکہ درست ہوئی ہے اسی طرح حدیث مہدی علیہ السلام اور ان کے گروہ کے بارے میں درست ہے۔ جس طرح انبیاء و اولیاء سابقین واصحاب یمین سے اہل آسمان و زمین کے پاس مقبول ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اور قتل کر دیتے ہیں انبیاء کو ناحق اور مار دیتے ہیں ان کو جو کہتے ہیں انصاف کرنے کو'' (جز ۳ رکوع ۱۲) پس صبر کر جیسا کہ صبر کیا الوالعزم پیغمبروں نے (جز ۳ رکوع ۱۴) حضور علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ہی جس طرح نواسہ رسول علیہ السلام امام حسن امام حسینؓ پر ظلم کیا گیا اور شہید کر دیا گیا اس طرح ہر زمانہ میں نفس پرستوں نے کیا ہے۔ جس طرح حدیث ہذا اہل زمین کے پاس بھی مقبول ہو جانا تمام اولیاء و انبیاء پر صادق آتی ہے۔ اسی طرح حدیث ہذا آسمان و زمین والے اس کو دوست رکھتے ہیں ثابت ہوتی ہے۔ علماء نے کہا کہ ہمیں یقین نہیں آتا ہماری تسلی نہیں ہوتی ہمیں یقین دلاؤ، ہماری تسلی کرو۔ آپؒ نے فرمایا تمہیں یقین دلانا اور تمہاری تسلی کرنا ہم پر لازم نہیں۔ ہم نے احکام دینیہ کے قواعد کی تائید کی اور علوم اسلامیہ کے قوانین کو مضبوطی سے اپنے دل میں جمالیا۔ ہمارے ماننے والوں کو یقین ہو گیا وہ مطمئن ہیں۔

ایک اور مجلس میں آپؒ کو زنجیروں میں باندھ کر لایا گیا تو اس وقت ملا عبدالنبی صدر الصدور جو علماء کا سردار تھا کہا اے بادشاہ انصاف کر کہ یہ مہدوی تھوڑے ہیں ان کی بات کیسے مانیں کے بہت لوگ کہتے ہیں کہ مہدی علیہ السلام آئیں گے اور مہدوی کہتے ہیں کہ مہدیؑ آئے اور گئے۔ آپؒ نے فرمایا کیا تم لوگوں نے یوسف علیہ السلام کا واقعہ نہیں سنا تو انہوں نے کہا ہم نے بہت سنا ہے اب تم سناؤ۔ آپؒ نے کہا کہ یوسفؑ اور بن یامن ایک ماں کے بیٹے تھے اور دوسرے دس بھائی دوسری ماں کے، انہوں نے حسد کیا اور یوسفؑ کو کنویں میں ڈالدیا۔ یوسف علیہ السلام ایک تھے اور ان کے سوتیلے بھائی بہت تھے پس ان کے درمیان کون جھوٹا۔ بادشاہ نے کہا یوسفؑ کے تمام بھائی گنہگار اور جھوٹے تھے۔ آپؒ نے کہا یوسف علیہ السلام کے بھائی بہت تھے کس طرح گنہگار اور جھوٹے ہونگے۔ بادشاہ نے کہا یہ بات تم نے ہم پر چسپاں کر دی۔ آپؒ نے کہا میں یہ مثال تمہارے سامنے اس لئے پیش کی کہ علماء اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ مہدی علیہ السلام آئیں گے بندہ اور اس کے بھائی تھوڑے ہیں، کہتے ہیں مہدیؑ آئے اور گئے، کیونکہ ہم تھوڑے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان میں کے تھوڑے ایمان لائے اور ان میں کے اکثر

بدکار ہیں اور ہر زمانہ میں ہر رسول کا انکار بہت سے لوگوں نے کیا۔ پس اسی طرح مہدیؑ کے بہت سے لوگ منکر ہوئے اور تھوڑے ایمان لائے۔ پس قطعی حجت ثابت ہوا کہ مہدیؑ آئے اور گئے۔ کیا تم نے آدمؑ کا قصہ نہیں سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں، تو فرشتوں نے کہا کیا تو بنانے والا ہے وہ مخلوق جو زمین پر فساد کرے گی، ہم تو تیری پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ (مقام غور ہے کہ) فرشتے آسمان پر تھے اور نور سے بنے تھے (اس کے باوجود) انہوں نے آدمؑ کی خلافت پر حسد کیا اور جو لوگ ناہوں سے بھرے ہوئے ہیں اور دنیا کی طلب میں حیران اور پریشان ہیں۔ مہدی علیہ السلام پر، مہدویوں اور خدا کے طالبوں پر کیوں حسد نہ کریں گے۔ پس فرشتوں نے توبہ کی اللہ کے فرمان پر، ایمان لائے اور نیستی و عاجزی اختیار کی تو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوئے۔ نبیﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے انکار کیا مہدی کا پس تحقیق وہ کافر ہے۔ یہ حدیث طبقات الفقہا میں ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے بادشاہ اکبر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے **یاداود انا جعلناک خلیفة فی العرض فاحکم بین الناس بالحق**۔ یعنی اے داؤدؑ ہم نے بنایا ہے تجھ کو خلیفہ زمین میں پس تو حکم کر لوگوں میں انصاف سے۔ اور نبیﷺ نے فرمایا کہ "**رحم الله علی من انصفو لعن الله علی من لم ینصف** یعنی اللہ کی رحمت ہو اس شخص پر جو انصاف کیا اور اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو انصاف نہیں کیا۔ جب اکبر نے یہ بات سنی تو کہا اے شیخ مصطفیٰ تجھ پر خدا کی رحمت ہو اور تجھ کو برکت دے اس کے بعد بادشاہ نے علماء کی طرف رخ کر کے کہا تم بھی کچھ حجت پیش کرو اور کچھ جواب دو مگر کسی شخص نے جواب نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہہ دے محمدﷺ حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل تو مٹنے ہی والا تھا...... اس کے بعد آپؑ نے کہا نبیﷺ نے فرمایا دنیا کا طالب مخنث اور آخرت کا طالب مونث ہے۔ اللہ کا طالب مذکر ہے اور فرمایا اللہ کے رسولﷺ نے **من رای الھلال فعلیه الصوم** یعنی جس شخص نے رمضان کا چاند دیکھا تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہوا کہ روزے رکھے اور اس مرد کی گواہی کو دوسروں نے پسند کیا تو ان پر بھی روزہ رکھنا لازم ہے۔ اسی طرح ہم نے آیت و حدیث کی حجت دیکھی اور خدا اور رسولﷺ کی گواہی سنی تو ہم پر مہدی علیہ السلام کو قبول کرنا فرض ہوا اور ہم نے قبول کیا ہے کہ مہدی موعود علیہ السلام آئے اور گئے کہتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے قبول کیا ہے اور جس نے نہیں قبول کیا اس کا وبال اسی کی گردن پر ہے اور اس کی جگہ دوزخ ہے...... آپ نے کہا کہ گدھوں کتوں اور سوروں اور تمام

چوپایوں پر دوزخ کا عذاب نہیں ہے اور جولوگ خدا اور اس کے رسول ﷺ کا انکار کرتے ہیں اور اسی حالت میں مرتے ہیں یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے اس طرح یہ چوپایوں (جانوروں سے) بھی برے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق باالباطل و تکتمون الحق و انتم تعلمون** اے اہل کتاب کس لئے تم حق کو چھپاتے ہو باطل سے درحالیکہ تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ برحق ہیں۔ **قال البنی ﷺ الذباب علی الغایط احسن من الفقھا علی باب السلاطین** رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو مکھی نجاست پر بیٹھتی ہے ان علماء وفقہا سے بہتر اور زیادہ اچھی ہے جو بادشاہوں کے دروازوں پر جاتے ہیں۔ پس جن لوگوں میں ایسی صفت ہے وہ حضرت مہدی علیہ السلام کو کیسے قبول کریں گے۔ ایک اور مجلس میں آپؑ کو بادشاہ کے روبرو لے آئے، تمام علماء نے نمازِ ظہر باجماعت ادا کی اور آپؑ نے اکیلے نماز ادا کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے اور مجلس میں بیٹھے تو عبدالنبی صدر نے کہا اے بادشاہ میاں مصطفیٰ سے پوچھو کہ کس لئے ہم کو کافر کہتے ہو۔ آپؑ نے جواب دیا کہ اے بادشاہ عبدالنبی سے پوچھو کہ میں نے فوراً کس شخص کو کافر کہا ہے اور کافر کہتا ہوں، اس پر گواہ پیش کرو، علماء نے کہا اگر تم کافر نہیں کہتے تو پھر ہمارے پیچھے نماز کیوں نہ پڑھی۔ آپؑ نے کہا اے بادشاہ تم کس کے مرید ہو تو بادشاہ نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا کر کامل تعظیم سے کہا کہ بندہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا مرید ہے۔ آپؑ نے کہا اگر کسی نے تمہارے پیر کو بدراہ اور گمراہ کہا تو تم کیا کرو گے؟ بادشاہ نے کہا میں اس کو کافر کہتا ہوں اور اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔ آپؑ نے کہا میرے پیر مہدی موعود آخرالزماں ہیں اگر کسی نے کہا مہدی علیہ السلام اور مہدویاں گمراہ ہیں تو بندہ ان کے پیچھے نماز کیوں پڑھے اور بندہ اپنی ذات سے کسی کو کافر نہیں کہتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حدیث پڑھتا ہے۔ **من انکر مھدی فقد کفر** یعنی جس نے انکار کیا مہدیؑ کا پس تحقیق کہ وہ کافر ہے۔ بادشاہ نے آپؑ سے پوچھا اے شیخ مصطفیٰ یہ علماء وشیخ زاہد ہیں مخلوق کی رہبری کرتے ہیں پس تم نے ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ آپؑ نے کہا رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ طالب دنیا مخنث طالب عقبیٰ مونث وطالب المولیٰ مذکر۔ دنیا کا طالب نامرد ہے اور آخرت کے طالب عورت ہیں اور خدا کے طالب مرد ہیں **لما قال اللہ تعالیٰ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ و اقام الصلوٰۃ** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مرد ہیں کہ ان کو غافل نہیں کرتی اور باز نہیں رکھتی دنیا کی سوداگری اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور فریضہ

نماز ادا کرنے سے۔ یعنی (ہم) دنیا ترک کئے ہیں نماز اور ذکر خدا کے سوائے کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتے۔ قرآن کا بیان سنتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہی لوگ مرد ہیں۔ باقی نامرد ہیں پس اے بادشاہ انصاف کیجئے عبدالنبی صدر اور تمام مجلس کے علماء سے کہئے کہ حدیث وفقہ کی کتابوں سے ایک مسئلہ پیش کریں کہ نامرد کی اقتداء کے ناجائز ہونے کا مسئلہ بہت سی کتابوں میں ہے۔ اس لئے ان نامردوں کے پیچھے میں نے نماز نہیں پڑھی۔ یہ جواب سن کر بادشاہ ہنس دیا اور کہا کہ اے شیخ مصطفیٰ تم نے سچ کہا۔

(راقم نے حضرت مولانا سید دلاور عرف گورے میاں صاحبؒ کے ترجمہ مجالس خمسہ سے واقعات اور عبارتیں اخذ کر کے یہاں لکھی ہیں۔ نورولایت کے صفحات اور تختی کا خیال کر کے اسے مختصر کیا ہے)

حضرت امام غزالی علیہ رحمہ احیاء العلوم جلد۲ صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں کہ کسی عاقل کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء واولیاء پر کیا کیا عنایت کی ہیں اور کونسے کونسے اسرار منکشف کئے ہیں۔ مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھولدے سو اس کا بند کرنے والا نہیں (جز ۲۲ رکوع ۱۳ آیت ۲)

کیا کوئی ایسے صبر واستقلال اور جواں مردی سے زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونے کے باوجود ایک عظیم الشان دبدبے والے جابر بادشاہ کے سامنے دنیا دار حاسد اور شر پسند سازشی ذہنیت کے عالموں کے روبرو ایسی دوٹوک باتیں کہہ سکتا ہے، ہم تو کہتے ہیں نہیں! کیونکہ اس کے لئے ایمان اور عقیدہ کا وہ معیار ہونا چاہیئے جو صرف آپ رحمتہ اللہ علیہ کا ہی خاصہ تھا۔ ایسا کردار صرف امام احمد بن حنبلؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کی زندگیوں میں تاریخ اسلام میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا آپ تابعین مہدویہ میں سے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ وہ کونسا جذبہ تھا، کیا عوامل تھے کہ آپؒ نے خود کو طاغوتی قوتوں کے آگے سینہ سپر کر دیا اور آپؒ کے گفتار و کردار میں تیغ طرار کی وہ دھار نمایاں نظر آتی ہیں کہ سبحان اللہ۔ یہ محض اللہ تعالیٰ ہی کی عطا تھی۔ کیا ایسے کردار کا کوئی آج تصور بھی کر سکتا ہے؟۔ بادشاہ وقت کے سامنے بولنا تو کجا آج ہم حقیر اور بے دین افراد کے سامنے چیں بہ جبیں اور ریشہ ختم ہوئے جاتے ہیں اور خود کو ذلیل کر کے ان کے تلوے چاٹنے لگ جاتے ہیں۔ آخر حضرت بندگی میاں شیخ مصطفیٰ گجراتی رحمتہ اللہ علیہ کے اندر وہ کونسی قوت اور طاقت تھی جو حق کے اظہار میں اس قدر معرکتہ الآرا ولولے اور جذبے سے لبریز تھی۔ اس بات کا اندازہ آپؒ کے مکتوبات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے، فرماتے ہیں۔ اے عزیزو، اے دوستوں

،اے مصدقو،اے نیک بختو۔ہم کو اور تم کو چاہیئے کہ ہر حال اور ہر جگہ اور ہر وقت خدا کی یاد میں ڈوبے رہیں۔بیہودہ اندیشوں کے تیشوں سے اپنے باطن کو نہ کھرچیں ،ظاہری عمل باطنی صفائی کے بغیر کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔جو کوئی باطنی صفائی کے بغیر ظاہری عمل پر مغرور ہے وہ دوست (اللہ) سے سروکار نہیں رکھتا۔عزیزوں کو چاہیئے کہ پانچوں نمازیں دلی توجہ کے ساتھ مصدقوں کی جماعت کے ساتھ ادا کریں اور حضرت مہدی علیہ السلام کی تصدیق پر مستقیم و مستحکم رہیں اور غیر جنسوں (اجنبیوں) کی صحبت سے پرہیز کریں ،فقیروں کی صحبت میں اپنا فرض عین جانیں ، ایک دوسرے کے ساتھ صلح و اخلاص کے ساتھ عمر گذاریں، وقت کو برباد کرنا گناہ عظیم جانیں ،اہل دنیا کی صحبت کفر قرار دیں، اپنی ہر سانس کو غنیمت خیال کریں (ذکر کی تلقین) پاس انفاس

خود بینی کفر عظیم ہے دین نہیں ، جب تو ذکر میں مشغول ہوگا تو تجھے معلوم ہوگا کہ دین کیا ہے۔ جب تک ذکر کے نور سے تیرا باطن منور نہ ہو، جان لے کہ تو غیروں (کی یادوں) میں مبتلا ہے۔ جب تو نے مخبر صادق کی تصدیق کی ہے تو خدا کو پہچاننے کا ارادہ کر یعنی فروعی احکام پر قناعت مت کر، اصول کی پابندی پر خود کو آمادہ کر، اگر معبود کا عاشق ہے تو اپنے آپ کو فنا کرنے کی کوشش کر (خودی کو گم کردے) دوست (خدا) کی جدائی میں بے چینی اور بے قراری حاصل کرے تو ،تو مقبول فرد ہے۔ دوست (اللہ) کے کوچہ میں مقیم ہوجا تا کہ تیری قدر عالی ہو......اپنی بشریت کی سواری سے اتر جا کیوں کہ شاہوں کے محل میں گدھے نہیں جاتے۔

وسارعوا الی مغفرة من ربکم دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف غافل مت رہو، اپنے کام سے پیچھے پڑے رہنے والو اپنے رب کی طرف رجوع ہو جاؤ، مخلوق کے کاموں سے منہ پھیر لو گے تو یار قدیم (خالق) کے راز دار بنو گے، **جاھدو انی الله حق الجهاد** تن اور مال حق کی راہ میں لٹاؤ، ہمہ تن خود کو اپنے محبوب (اللہ) پر فدا کردو، **واعبدالله** ہر حال خدا کی عبادت کرو، اگر اس راہ میں چلو گے تو دونوں جہاں کی تکلیف سے رہائی پاؤ گے۔ **ولا تشر کو به شیئا** خدا کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ، کسی حال اپنا روئے دل خدا کی طرف سے نہ پھیرو۔اس کی محبت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ **وذکر الله ذکرا کثیرا** یاد حق (اللہ کا ذکر) بہت کرو اے عقل والو ہمیشہ اسی کام میں لگے رہو۔ **اطیعو الله اطیعو الرسول** اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی ۔اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو، اگرچہ کے وہ کہے

سولی پر چڑھو۔اس کا طالب وہی ہے جو تابع فرمان ہے، جان دل سے اپنے مطلوب پر قربان ہے۔

لا الہ الا اللہ۔اللہ کے سواء کوئی اللہ نہیں......اس قصے کی کوئی انتہاء نہیں اور اسرار کا ذکر برملا کرنا اچھا نہیں کیوں کہ کہنے والا کامل نہیں۔اور زمانہ اسرار کا حامل نہیں۔پس ان دونوں کو انہیں کے خوشے میں چھوڑ دو۔حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا۔اگر تو دنیا چاہے تو خدا سے چاہ۔عقبیٰ چاہے تو خدا سے چاہ اور اگر خدا چاہے تو خدا سے چاہ۔**تبارک الذی بیدہ الملک**۔بہت برتر و بزرگ تر ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ظاہری بادشاہت بھی ہے، باطنی بادشاہت بھی ہے اور ملک دنیا بھی ہے اور ملک آخرت بھی (مکتوبات بندگی میاں شیخ مصطفیٰ گجراتیؒ۔دارالاشاعت کتب سلف صالحین، حیدرآباد دکن)

قال النبی ﷺ من انکر مہدی فقد کفر رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص مہدی کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جھٹلانے والوں کی اطاعت حرام ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے تم جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرو (جز ۲۹ رکوع ۳) اے لوگو جو ایمان لاچکے ہو اگر تم اہل کتاب سے کسی فریق کی پیروی کرو گے تو وہ تمہارے ایمان کے باوجود تم کو کفر کی حالت کی طرف پھیر دیں گے (جز ۴ رکوع ۱)

حیرتیں کہتی ہیں کہ وہ آئے گئے بھی کب کہ — ذوق نظارہ پشیمان ہے کہ انہیں دیکھا ہی نہیں

اے! مومنو، اے مصدقو باطل کی اندھی تقلید سے پہلے حق کو پہچاننے کی کوشش کرو۔ہمارے اسلاف نے یوں ہی فقر و فاقہ توکل ایثار و رضائے الٰہی میں آبادیوں کو چھوڑ کر ویرانیوں کو منور نہیں کیا تھا! بلکہ رضائے الٰہی کے عشق و مستی میں بے خود ہو کر اپنے وجود کو مٹا ڈالا۔تب ہی تو دنیا انہیں ’’انسان نہیں ملاء اعلیٰ کے مقدس فرشتے کہنے پر مجبور ہوگئی۔جن کو خدا نے اپنی زمین کی طہارت کے لئے آدمیوں کے ہیکل میں بھیج دیا تھا اور جب کبھی دنیا کی سعادت و برکت کے دن آتے ہیں تو خدا زمین کے انسانوں سے آسمانی فرشتوں کا کام لیتا ہے‘‘ (تذکرہ)

عشق مجازی میں اپنے محبوب کی بے رخی پر لوگ دل شکستہ ہو کر سولی پر لٹک جاتے ہیں، کنویں میں کود جاتے ہیں سوختہ دل و بے سروسامان ہو جاتے ہیں۔اللہ کی محبت تو عشق حقیقی ہے۔یہاں ادب کا پہلا قرینہ گودڑی، فاقہ کشی، مقاتلہ و میدان کارزار ہے۔دشمن (نفس) سے مقابلہ اس کی زکوٰۃ ہے، عزلت از خلق اس کا حج، ترک دنیا اس کا روزہ، ذکر دوام اس کا کلمہ اور دیدار اس محبت کی نماز ہے۔

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں — یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

لیلۃ المبارکہ

ایک رات کی عبادت کا صلہ ایک ہزار مہینہ کی مقبولہ عبادت سے بہتر! یہ دو رکعت نماز یقین کا صلہ بھی ہوسکتا ہے؟ امام ابن ابی حاتمؒ نے حضرت علی بن عروہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار آدمیوں کا تذکرہ کیا جنہوں نے اسی برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور آنکھ جھپکنے کی دیر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی۔ وہ ہیں حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت حزقیل بن عجوز علیہ السلام، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین اس پر انتہائی متعجب ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد ﷺ آپ کی امت نے اسی برس تک ان لوگوں کی عبادت کرنے پر انتہائی تعجب کیا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر اور افضل شئے نازل فرمادی ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیات پڑھیں۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ .... اور کہا یہ اس سے بھی افضل ہے جس پر آپ ﷺ کی امت نے اظہار تعجب کیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ انتہائی خوش ہوئے۔

حضرت ابوبکر واسطیؒ فرماتے ہیں کہ ''بندوں کی چار قسمیں ہیں اول وہ جنہوں نے پہچانا اور طلب کیا، دوم وہ جنہوں نے طلب کیا لیکن پا نہ سکے، سوم وہ جنہوں نے پایا لیکن مفاد حاصل نہ کرسکے، چہارم وہ جنہوں نے پہچانا لیکن طلب نہیں کیا''۔

اول وہ لوگ جنہوں نے مہدئ موعودؑ کے فرمان کے مطابق لیلۃ القدر کو پہچانا اور اس کی فضیلتوں اور برکتوں کو اللہ تعالیٰ سے طلب کیا۔ دوم وہ لوگ جنہوں نے طاق راتوں میں تلاش تو کیا لیکن پا نہ سکے۔ سوم وہ لوگ جنہوں نے مہدئ موعود کے فرمان کو فرض سنت اور نفل کے شش و پنج میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ چہارم وہ لوگ جنہیں مہدئ موعود کے فرمان کے مطابق اس کی اہمیت تو معلوم ہے لیکن نفاق کی وجہ سے اس عظیم رات کی سعادتوں کو اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے میں ان کی عقل مانع رہی۔

جبرائیل علیہ السلام انبیاء و مرسلین کے پاس اللہ کے احکام اور وحی لانے پر مامور تھے۔ خاتم الانبیا ﷺ کے بعد نبوت رسالت اور وحی کا سلسلہ بند ہوگیا۔ تو پھر لیلۃ القدر کی رات کو ملائکہ کا نزول جبرائیل کی معیت میں کیا معنی؟ اور اس رات عبادت کرنا ایک ہزار مہینوں کی مقبولہ عبادت سے بہتر قرار

دینا کیا معنی؟ تیئیس (۲۳) سال تک جو قرآن مجید کا نزول آہستہ آہستہ ہوتا رہا وہی قرآن کریم اعلان فرماتا ہے کہ لیلتہ القدر کی رات کو قرآن مجید آسمان سے اتارا گیا کیا معنی؟

اللہ تعالیٰ فرامین واحکام کو رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ بندوں پر پیش کرنے کے بعد دنیا پر لیلتہ القدر کی رات نظر کرم فرماتے ہیں، توجہ فرماتے ہیں، نگاہ ڈالتے ہیں، ایک لمحہ کے لئے کہ میں نے جو احکام بندوں پر پیش کئے تھے اس پر کون کتنا عمل کر رہا ہے۔ وہی لمحہ مخصوص خدا کی خوشنودی کا ہے۔ اسی لئے نزول قرآن کے وقت جبرائیل جس طرح تیئیس سالوں تک حضور ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے اسی طرح فرشتوں کی جماعت کے ساتھ نزول کر کے قرآن کے احکام کی بجا آوری پر امت رسول ﷺ کا محاسبہ کرتے ہیں۔ اس رات کو اطاعت گذار فرمانبردار بندوں کے لئے اللہ سے رحمت اور انعام و اکرام کی دعا کرتے ہیں اور نافرمانوں پر لعنت و ملامت کرتے ہیں۔ جس لمحہ حضرت ذوالجلال کی نظر عنایت دنیا پر مرکوز ہوتی ہے اس وقت الہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق کہ جیسا وہ چاہتا تھا اپنے بندوں سے عبادت کرنے کو، یا اس کی بندگی کرنے کو ویسا کرنے والے بندوں یا گروہ اور جماعت پر اس کی نظر کا مرکوز ہو جانا ایک ہزار مہینے کی مقبولہ عبادت سے بہتر قرار دیا ہے۔ فرشتوں کا دنیا میں گروہ در گروہ چھا جانا یہ بتا رہا ہے کہ وہ لمحہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو نور خداوندی کے فیضان سے خود کو منور کر لینے کے لئے جہاں پر اللہ کے خاص بندوں کا گروہ ہے فرشتوں پر اس نور کا عکس پڑ جانا بھی ان کی سعادت مندی کا سبب ہے۔

اہلسنت والجماعت کا بڑا طبقہ ابوالاعلیٰ مودودی کو قابل اعتبار اس لئے نہیں مانتا کیونکہ مودودی نے کئی معاملات میں صحابۂ رسول ﷺ کی تعلیمات و معاملات میں اعتراض کیا ہے اور اس کے علاوہ مودودی نے مصر کے سیاسی رہنما ؤحسن البناء کی تحریک اخوان المسلمین سے اپنی تحریک جماعت اسلامی مستعار لی تھی یعنی اسلام کے نام پر دنیا میں حکومت کرنا دونوں تحریکوں کا منشاء و مقصد رہا ہے۔ اس کے باوجود مودودی نے کئی حقیقتوں کا انجانے میں ہی سہی اعتراف کیا ہے۔ کبھی کبھی مخالفین و معاندین بھی حقیقت کا اعتراف کر جاتے ہیں۔ جرمن فلسفی و شاعر گوئٹے نے کہا ہے کہ جب بھی میں یہ کتاب (قرآن مجید) پڑھتا ہوں میری روح میرے جسم میں کانپنے لگ جاتی ہے۔ مودودی نے سورۂ العلق کی تفہیم میں لکھا ہے کہ ''یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کی آیات اور سورتیں اللہ تعالیٰ اسی وقت تصنیف نہیں فرماتا تھا جب رسول ﷺ اور آپ کی دعوت اسلام کو کسی واقعہ یا معاملہ میں ہدایت کی

ضرورت پیش آتی تھی، بلکہ کائنات کی تخلیق سے بھی پہلے ازل میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زمین پر نوع انسانی کی پیدائش اس میں انبیاء کی بعثت، انبیاء پر نازل کی جانے والی کتابوں اور تمام انبیاء کے بعد آخر میں محمد ﷺ کو مبعوث فرمانے اور آپ ﷺ پر قرآن نازل کرنے کا پورا منصوبہ موجود تھا۔ شب قدر میں صرف یہ کام ہوا کہ اس منصوبے کے آخری حصے پر عملدرآمد شروع ہوگیا۔ اس وقت اگر پورا قرآن حاملین وحی کے حوالے کر دیا گیا ہو تو کوئی قابل تعجب امر نہیں (شب قدر کی رات کو پورا قرآن حامل وحی فرشتوں کے حوالے کر دیا گیا اور پھر واقعات اور حالات کے مطابق وقتاً فوقتاً ۲۳ سال کے دوران جبرئیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی آیات اور سورتیں رسول ﷺ پر نازل کرتے رہے) تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم. مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ سَلٰمٌ قف هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن (مرضی، حکم) سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ روح سے مراد جبرئیل ہیں۔ وہ بطور خود نہیں آتے بلکہ اپنے رب کی اذن (مرضی) سے آتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ جب بھی اللہ کی مرضی ہوگی جبرئیلؑ آیا کریں گے اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کی مرضی کچھ بھی ہوسکتی ہے اس میں کسی کو تردد نہیں ہونا چاہیئے اور بالواسطہ یا بلا واسطہ حکم یا تعلیم بھی ہوسکتی ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے الم نشرح (۹۴) سورۂ العلق (۹۶) آیت ہیں۔ سورۂ قدر (۹۷) اور سورۂ بینہ (۹۸) آیت ہیں۔ قرآن کریم میں ان کی ترتیب ایک عجیب وغریب وضاحت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اگر فی الواقعہ مودودی ہی کی بات کو مان لیں تو یہ ایک منصوبہ بند ترتیب ہے۔ اس منصوبہ بندی میں کئی باتیں آجاتی ہیں، خاتم الانبیاء کے بعد خاتم الاولیاء کا ایک معینہ مدت اور مقام پر آنا، وہ امور جن کا تعلق تعلیمات ولایت یا احسان کے بیان کے لئے مبین کلام اللہ کا آنا، اور دور نبوت ﷺ میں ان تعلیمات کو مخصوص صحابہؓ تک محدود رکھنا ان کو عام نہ کرنا وغیرہ۔

مودودی نے سورۂ بینہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب میں اس سورۃ کو سورۂ العلق اور سورۂ قدر کے بعد رکھنا بہت معنی خیز ہے۔ سورہ علق میں پہلے وحی درج کی گئی (اقرا بسم) سورہ قدر میں بتایا گیا کہ وہ کب نازل ہوئی اور اس سورۃ (بینہ) میں بتایا گیا کہ اس کتاب پاک کے ساتھ ایک رسول بھیجنا کیوں ضروری تھا۔ اس سورہ میں اہل کتاب کی گمراہیوں کے متعلق وضاحت کی گئی ہے کہ ان کے مختلف راستوں میں بھٹکنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی نہ کی تھی بلکہ وہ اس کے بعد بھٹکے کہ ان کے پاس راہ راست کا بیان واضح آچکا تھا اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اپنی

گمراہیوں کے وہ خود ذمہ دار تھے اور اب پھر اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعہ (اور اہل قرآن کو مہدیؑ کے ذریعہ) بیان واضح آ جانے کے بعد بھی اگر وہ بھٹکے ہی رہیں گے تو ان کی ذمہ داری اور بڑھ جائے گی۔ آخر میں صاف صاف ارشاد ہوا ہے کہ جو اہل کتاب (یا اہل قرآن) اور مشرکین اس رسول ﷺ (یا مبینؑ) کو ماننے سے انکار کریں گے وہ بدترین خلایق ہیں ان کی سزاء ابدی جہنم ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ اللْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِيْنَ ۔ (سورہ بینہ)

''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے (وہ اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے۔

مودودی نے اس کی تفہیم میں لکھا ہے کہ کفر میں مشترک ہونے کے باوجود ان دونوں گروہوں (اہل کتاب و مشرک) کو دو الگ الگ ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس پہلے انبیاء کی لائی ہوئی کتاب خواہ تحریف شدہ شکل ہی میں سہی، موجود تھی اور اسے مانتے تھے (آج اہل قرآن کے پاس بغیر تحریف شدہ احکام واضح دلائل والی تنزیل قرآن ہے) اور مشرکین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی نبی کے پیرو اور کسی کتاب کے ماننے والے نہ تھے...... قرآن کریم میں کہیں ان (یہود و نصاری) کے لئے ''مشرک'' کی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی بلکہ ان کا ذکر اہل کتاب اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۔ (جن کو کتاب دی گئی تھی) یا یہود و نصاری کے الفاظ سے کیا گیا۔ کیونکہ وہ اصل توحید کو مانتے تھے اور پھر شرک کرتے تھے (جیسے اہل قرآن بعض احکامات کو مانتے اور بعض کو نہیں مانتے)

یہاں کفر اپنے وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جن میں کافرانہ رویہ کی مختلف صورتیں شامل ہیں۔ مثلاً کوئی صفات واختیارات میں کسی نہ کسی طور پر دوسروں کو شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت بھی کرتا تھا۔ کوئی اللہ کی وحدانیت بھی مانتا تھا مگر اس کے باوجود کسی نوعیت کا شرک بھی کرتا تھا۔ کوئی خدا کو مانتا تھا مگر اس کے نبیوں کا انکار کرتا تھا۔ کوئی آخرت کا منکر تھا۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے بڑے صاف اور واضح انداز میں ''بینہ'' یعنی دلیل روشن کو رسول (یا اللہ کا خلیفہ) کا بھیجا جانا بتایا ہے جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہوں اور مودودی نے جو باتیں کہی ہیں وہ ہیں (۱) اللہ کے رسول (یا اللہ کا خلیفہ) روشن دلیل ہیں (۲) اہل کتاب اگر بھٹکے ہیں تو واضح دلیل اور احکام آنے کے بعد ہی بھٹکے ہیں (۳) اللہ تعالیٰ منصوبہ بند طریقے سے کسی بھی کام کو ترتیب دیتے ہیں۔

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے دعویٔ مہدی کے دلیل میں جو آیات قرآن حجت کے طور پر پیش فرمائیں ان میں سورۂ بینہ اٹھارویں آیت مبارکہ ہے'' کہ اختلاف نہیں کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر بعد اس کے کہ آیا ان کے پاس بینہ'' مہدیٔ موعود علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے مراد جن کو کتاب دی گئی تیرے زمانے کے علماء ہیں اور بینہ سے مراد مہدیٔ موعود علیہ السلام تیری ذات ہے (ہژدہ آیات۔ بندگی میاں عبدالغفور سجاوندیؓ)

خلیفتہ اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ نے اپنے دعویٰ مہدویت کے ثبوت میں جن اٹھارہ (۱۸) آیات کریمہ کو پیش فرمایا ان میں سورۂ ھود کی آیت کریمہ'' اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ''(سورہ ھود آیت ۱۷) کیا منکر قرآن ایسے شخص کی برابری کرسکتا ہے جو دلیل روشن پر قائم ہوا اور جو اپنے رب کی جانب سے آیا ہے۔ اس کے بعد کی آیت مبارکہ دیکھیں'' وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ '' فتح محمد خاں جالندھری نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ'' اور اہل کتاب جو فرقوں میں بٹے ہیں تو دلیل واضح (بینہ) کے آنے کے بعد ہی بٹے ہیں اور تفہیم القرآن کا ترجمہ یوں ہے۔ پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں تفرقہ برپا نہیں ہوا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس (راہ راست کا) بیان واضح آچکا تھا۔ یعنی جن لوگوں کو کتاب دی گئی اور واضح بیان ہونے کے بعد بھی تفرقہ کیا۔ اب یہی کام اہل قرآن بھی کر رہے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اللہ کی کتابیں اور صاف احکامات ہونے کے بعد ہی لوگوں نے دین میں تفرقہ کیا ہے پس اسی طرح اہل قرآن بھی نافرمانی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

جیسا ہم نے پہلے بتایا الم نشرح (۹۴) سورۂ العلق (۹۶) ویں سورت ہے۔ سورہ قدر (۹۷) اور سورۂ بینہ (۹۸) سورت ہے۔ مودودی کے الفاظ میں اس کی ترتیب ''معنی خیز ہے''

سورۂ ضحیٰ کی تفہیم میں مودودی نے لکھا ہے کہ'' روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت تک رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول بند رہا...... اس پر رسول اللہ ﷺ سخت غمگین ہوگئے اور مخالفین بھی آپ کو طعنہ دینے لگے تھے...... مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے یا ان سے رب ناراض ہوگیا ہے...... لامحالہ حضور ﷺ کو سخت پریشانی ہوئی۔ آپ ﷺ کو بار بار یہ شبہ گذرتا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہوگیا کہ میرا رب مجھ سے ناراض ہوگیا ہو اور اس نے مجھے حق و باطل کی اس لڑائی میں تنہا چھوڑ دیا ہو۔ حضور ﷺ کو تسلی دینے کے لئے سورۂ ضحیٰ نازل ہوئی اور کہا

گیا کہ ان ابتدائی دور کے مشکلات سے آپ ﷺ مطلق پریشان نہ ہوں ۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے آپ ﷺ کے لئے بہتر ثابت ہوتا جائے گا۔اس کے بعد اس تسلی اور خوشخبری کو بیان کرتے ہوئے سورۂ الم نشرح میں کہا گیا کہ ''وَرَفَعنَا لَکَ ذِکُرَکَ ''اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا میرا رب اور آپ ﷺ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا ذکر رفع کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا (ابن جریر، ابن ابی حاتم ،مسند ابو یعلی ، ابن المنذر ، ابن حبّان ، ابن مردویہ، ابو نعیم) ایسی ہی تفصیلات درمنثور، ابن کثیر ،طبری اور دیگر کتابوں میں درج ہیں ۔

نزول کے لحاظ سے سب سے پہلی وحی ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ''تھی۔لیکن سورۂ علق کو جس میں یہ آیت مبارکہ ہے سورہ ضحیٰ اور سورۂ الم نشرح کے بعد رکھا گیا ہے۔سورۂ ضحیٰ میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی سورۂ الم نشرح میں آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کی بات کہی گئی۔اس کے بعد نزول وحی کی پہلی سورت ہے اس کے بعد سورۂ قدر ہے جس میں قرآن کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارے جانے کی بات ہے'' اِنَّا انْزَلْنٰہُ فِی لَیْلَۃِ الْقَدْرِ '' ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔ ''شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ '' (البقرہ ۱۸۵) رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ یہ وہ رات ہے جس میں پہلی مرتبہ خدا کا فرشتہ غارِ حرا میں نبی ﷺ کے پاس وحی لے کر آیا تھا وہ ماہ رمضان کی ایک رات تھی '' اِنَّا انْزَلْنٰہُ فِی لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ ''(سورۂ دخان۳) ہم نے اسے ایک برکت والی رات میں نازل کیا اور اس کے بعد ''بینہ'' یا روشن دلیل یا اللہ کے رسول ﷺ اور (خلیفتہ اللہ کی بات) والی سورۃ ہے۔

غور کریں جب رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا گیا (الم نشرح) 'وحی نازل کر دی گئی (العلق) قرآن مجید نازل کر دیا گیا (قدر) اس کے بعد روشن دلیل کی بات ہے (بینہ) اگر ہم منکران مہدی ہی کی تحریرات میں مہدئ موعود آخرالزماں سید محمد جونپوری علیہ السلام کی بعثت کی حقیقت کو تلاشیں تو تمام سچائیوں کی کڑیاں ایک دوسرے سے جڑی نظر آتی ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مہدی موعود ہونے کی دعوت دینے کے حکم کو قرآن کریم کی آیات مبارکہ کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا تھا وہ قرآن کے پیغام میں کئی سورتوں اور آیات میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے جیسے کہ مودودی نے

بینہ کے دیباچہ میں لکھا ہے' قرآن مجید کی ترتیب میں سورۂ بینہ کو سورہ علق اور سورۂ قدر کے بعد رکھنا معنی خیز ہے۔ سورہ علق میں پہلی وحی درج کی گئی۔ سورہ قدر میں بتایا گیا کہ وہ کب نازل ہوئی اور اس سورۃ (بینہ) میں بتایا گیا ہے کہ اس کتاب کے ساتھ ایک رسول (روشن دلیل) کا بھیجا جانا کیوں ضروری ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ الم نشرح میں رسولﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا گیا ہے اس کے بعد وحی اور قرآن کے نزول کا ذکر قدر میں کر دیا گیا کہ وہ عظیم رات ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس کے بعد روشن دلیل (بینہ) میں رسول کا ذکر یہ بتاتا ہے کہ خاتم الانبیاﷺ کے ذریعہ قرآن پیش کیا جا چکا ہے اور اسے ایک عظیم قدر والی رات میں اتارا گیا ہے اب اس کے بعد اس کے بیان کا اہتمام بھی کیا جائے گا۔ اس کے لئے روشن دلیل مبین کلام خلیفۃ اللہ کا آنا اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اور صاحب بینہ کا مقام کوئی عام مقام نہیں ہے۔ اس کی وضاحت سورۂ رحمٰن میں بھی کی گئی ہے۔ ''رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو بیان سکھایا'' پہلے معلم قرآن کے ذریعہ قرآن کی تعلیم دی گئی پھر انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان سکھایا۔ یہاں بھی بات منصوبہ بندی ہی کی ہے، قرآن کریم نے جہاں کہیں (بینہ) روشن دلیل کا لفظ استعمال کیا ہے اسے پیغمبر، رسول، نبی اور اللہ کے خلیفہ کے معنوں میں استعمال کیا ہے جیسے سورۂ ہود آیت ۲۷'' (نوحؑ نے) فرمایا کہ اے میری قوم! یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے (بینہ) دلیل پر ہوں (جس سے میری نبوت ثابت ہے)'' دیگر مفسرین کی طرح مودودی نے تفہیم کیا ہے۔ یہاں روشن دلیل انہیں معنوں میں اللہ کا خلیفہ ہے جو رسول اللہﷺ کا تابع تام ہے جسے اللہ کے رسولﷺ کے ذکر کو بلند کر دیئے جانے اور نزول قرآن کی عظمت اور حقیقت کے بیان کے لئے مبعوث کیا جانے والا ہے بعد جسے اختیار دیا گیا ہے کہ ''شب قدر'' کی نشاندہی اور اس کا تعین کرے اور اس عظیم نعمت کی عطا اور تعین پر ''دو رکعت لیلۃ القدر'' کو فرض قرار دے۔ ان دو رکعت کا ترک کرنا اس قدر والی رات کی عظمتوں کا انکار کرنا ہی قرار پائے گا۔ اس رات امام کے ساتھ نماز پڑھنا جو باجماعت ہوتی ہے اور فرض ہی ہوا کرتی ہے۔ درمنثور کی یہ روایت تائد کرتی ہے۔ ''امام طیالسی، ابن زنجویہ، ابن حبان اور بیہقی حمہم اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم نے رسول اللہﷺ کے ساتھ روزہ رکھا۔ تو آپﷺ نے مہینے میں کسی رات ہمارے ساتھ قیام نہیں فرمایا یہاں تک کہ جب چوبیسویں (۲۴) رات آئی (جو جفت ہے) جو باقی رہنے والی سات راتوں میں سے تھی تو آپﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ گزرنے کے قریب ہو گیا۔

(صحابہؓ کا یہ کہنا بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اس مہینہ رات کو قیام نہ کیا مگر! چوبیسویں کی رات (جو جفت ہے) کو قیام کیا (نماز پڑھائی) یہاں تک کہ صبح ہونے کو آئی) اور جب پچیسویں (۲۵) کی رات آئی (جو طاق ہے) تو آپ ﷺ نے ہمیں نماز نہ پڑھائی اور چھبیسویں (۲۶) کی رات آئی جو باقی رہنے والی سات راتوں میں سے تھی (جفت) تو آپ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ یہاں تک کہ رات نصف سے زائد گزرنے کے قریب ہوگئی۔ تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہمیں رات کے بقیہ حصے میں نفل پڑھا دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں بلا شبہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس لوٹتا ہے تو اس کے لئے رات کا قیام لکھدیا جاتا ہے (جیسے نماز فرائض کا قیام لکھا جاتا ہے) (یہ نماز مقبول ہو جاتی ہے) پھر جب ستائیسویں (۲۷) کی رات آئی (جو طاق ہے) تو آپ ﷺ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی، پھر جب اٹھائیسویں (۲۸) کی رات آئی (جو جفت ہے) تو رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگ اکھٹا ہوئے اور آپ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ یہاں تک کہ قریب تھا ہماری سحری کا کھانا رہ جاتا۔ پھر مہینے کے کسی دن آپ ﷺ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی۔

اس روایت میں یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ جفت راتوں کو نماز پڑھا رہے ہیں اور طاق راتوں کو نماز نہیں پڑھاتے ہیں اور صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین کے کہنے پر کہ ہمیں نفل پڑھا دیں کہتے ہیں کہ ''بلا شبہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس لوٹتا ہے تو اس کے لئے رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے'' کیا حضور ﷺ اس رات کی مقبولہ عبادت ''دو رکعت نماز فرض سے آگاہ کئے جا چکے تھے''؟؟ یا آپ ﷺ کو وحی کی جا چکی تھی کہ اس رات ادا کی جانے والی نماز فرض قرار دی جائے گی؟ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسول مقبول ﷺ بارگاہ رب العزت میں معزز، محترم اور مقبول ہونے کے باوجود زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، قربت اور خوشنودی کے متلاشی رہتے ورنہ کیا بات ہے کہ آپ ﷺ اُمت کو تو طاق راتوں میں شب قدر تلاش کرنے کو کہہ رہے ہوں اور خود ﷺ جفت راتوں میں نماز پڑھاتے ہیں اور طاق راتوں میں نہیں پڑھاتے اور فرماتے ہیں کہ ''بلا شبہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس لوٹتا ہے تو اس کے لئے رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے'' یہاں اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقام کیا ہے۔ مسند امام حنبل (۸۱۶۶) میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے ایک ہی سحری سے مسلسل کئی روزے رکھنے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی مسلسل روزے رکھتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا! میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں تو اس

حال میں رات گذارتا ہوں کہ میرا رب خود ہی مجھے کھلاتا ہے پلاتا ہے''

نقل ہے کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جو کچھ خدائے تعالیٰ سے اپنے کانوں سے سنتا ہوں زبان سے تم کو پہنچا دیتا ہوں خواہ یقین کریں یا نہ کریں خدا جانے تم جانو (نقلیات میاں عالمؒ)

نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص عمل کرے اور اس کے عمل سے فائدہ نہ ہو وہ عمل ضائع ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ نمازوں میں نماز فرض ہی ایسی نماز ہے جس کو درج کیا جاتا ہے جس پر پرسش ہوگی اور اس کے نہ ادا کرنے پر عذاب ہوگا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی ادائیگی اور اطاعت میں ہوتی ہے۔ باقی نمازیں جیسے کچھ سنتیں اور نوافل بندے کی سہولت اور مرضی کی ہیں اس میں اللہ کی خوشنودی تو ہے ہی مگر ادائیگی پر ثواب ہے۔ نہ ادا کرنے پر عذاب نہیں ہے۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ نے نمازوں کے ذریعہ اشارہ تو نہیں دیا ہے؟ کہ رمضان کے آخری عشر میں ایک ایسی نماز ہے جو فرض کا درجہ رکھتی ہے جس کا انتظار کیا جانا چاہیئے اور آپ ﷺ کی عترت یا اولاد میں آنے والے خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کے حکم سے وہ ادا کی جانے والی نماز لیلۃ القدر کی دو رکعت ہیں ! اسی لئے آپ ﷺ نے جفت راتوں میں تو صحابہ کے ساتھ اتنا قیام فرمایا کہ سحری کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوا مگر طاق راتوں میں نماز نہیں پڑھائی۔ جبکہ کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے امت کو پیغام دیا کہ لیلۃ القدر والی رات کی نماز امام کے پیچھے ادا کی جائے گی اور اسے لکھ دیا جائے گا۔ اس میں رات بھر قیام کرنے کا مطلب دو رکعت نماز ہے۔ تو کیا نماز فرض سے بہتر کوئی عبادت ہوسکتی ہے؟ اور نفل نمازیں تو فرائض کا بدل نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے سورۂ قدر کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے دلیل روشن ''بینہ'' کا آنا طے تھا اس لئے سورہ قدر کے بعد سورۂ بینہ۔ اس مبین کلام اللہ کی آمد کا اشارہ ہے۔ اسی لئے رسول ﷺ جفت راتوں میں نماز پڑھاتے ہیں، طاق راتوں میں نہیں پڑھاتے ہوئے اس نماز کی امامت یا اس بینہ کی ''امامت'' اور اس کی اہمیت بتاتے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے کوئی چیز بیان کرنے سے نہ چھوڑی حتیٰ کہ وہ پرندہ جو آسمان میں باز و پھیلاتا ہے اس کا علم بھی ہم سے بیان فرمایا (مدارج النبوہ)

امام سعید بن منصور اور ابن المنذر رحمہما اللہ نے حضرت منصور بن زاذان رحمہ اللہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ ''سورج کے غروب ہونے کے وقت سے لے کر فجر طلوع ہونے تک فرشتے اترتے رہتے

ہیں وہ ہر مومن کے پاس سے گذارتے ہیں اور کہتے ہیں ''اسلام علیک یا مومن '' اے مومن تجھ پر سلام ہو۔ یہاں مومن کے ساتھ تخصیص ہے مسلمانوں یا اللہ کے بندوں کے ساتھ خطاب عام نہیں ہے ۔ایمان کا تقاضہ یقین ہوتا ہے جس کو یقین نہیں اسے ایمان نہیں ۔مومن وہ جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام پر بغیر چوں بہ چرا عمل کرے۔ اپنے نفس کی پیروی کرنے والے مومن نہیں ہو سکتے۔اسی لئے اسلام لانے قرآن پڑھنے ،نماز ،روزہ ،زکوٰۃ ،حج کرنے اور کلمہ گو ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ بندوں سے کہہ رہے ہیں ''یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادخُلُوْ فِی السِّلْمِ کَآ فَّۃً ''(بقرہ ۲۸) اے !ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ یعنی اپنی مرضی سے جس اسلام پر تم چل رہے ہو وہ آدھا اسلام ہے ۔اللہ اس کے رسولوں کا بتایا ہوا اسلام پورا اسلام ہے۔

امام ویلمی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کو شب قدر عطا فرمائی ہے اور ان سے پہلے کسی کو عطا نہیں فرمائی (درمنثور)۔ کچھ لوگ جان بوجھ کر حق سے چشم پوشی اختیار کرتے ہیں ۔مودودی نے سورہ علق کی تفہیم میں لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب پر سرفراز فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھا دیا تھا۔ اس طریقے کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں ہے کہ اے نبی ﷺ کہ تم اس طرح نماز پڑھو لہذا یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف وحی نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے آپ ﷺ کو ایسی باتوں کی تعلیم دی جاتی تھی جو قرآن میں درج نہیں''

ایسی ہی باتوں میں مہدیؑ کا ذکر مہدیؑ کی بعثت کا مقصد مہدیؑ کی آمد کا مقام ،زمانہ قیام ، ماہیت ،کیفیت ،آپؑ کا مقام و مرتبہ سب کچھ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ہی معلوم ہوتا ہے ۔قرآن میں صرف اشارے ہیں۔ ہم خدا کی مرضی اور منشاء کو اپنے ناقص خیال سے نہیں بدل سکتے یا اپنی مرضی کے مطابق نہیں دیکھ پاتے ۔علم الغیب پر یقین کرنا ہی ایمان کا جز ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن کو جس طرح تم سمجھ کر پڑھ رہے ہو تفسیر کر رہے ہو معنی و مطلب بیان کر رہے ہو وہ سب ظاہر ہے باطن کا علم اللہ کے رسول ﷺ اور صاحب بینہ کے پاس ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے ان سے کہا کہ اگر آپؑ کسی ایسے شخص کو زندہ کریں جو کشتیٔ نوحؑ کو دیکھا ہو تو ہم اس سے کشتی کے متعلق سوال کریں گے۔

پس عیسیٰؑ ان کے ساتھ ایک نشیبی علاقے میں پہنچ گئے ، وہاں پہنچ کر آپؑ نے ایک مٹھی مٹی

اٹھائی اور حواریوں سے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانیں عیسیٰؑ نے کہا یہ حام بن نوحؑ کی قبر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس نشیبی جگہ پر اپنا عصا مارا اور کہا اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ یہ کہتے ہی زمین پھٹ گئی اور اس میں سے ایک بوڑھا شخص اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھا۔ عیسیٰؑ نے اس سے پوچھا کیا تمہارا انتقال بڑھاپے میں ہوا تھا۔ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میرا انتقال جوانی میں ہوا تھا۔ میں نے یہ گمان کیا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اس خوف سے میرے بال سفید ہو گئے (یہ حام بن نوحؑ تھے)

عیسیٰؑ کے حواریوں نے حام سے کہا۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں تو انہوں نے جواب دیا، جس شخص کا رزق دنیا سے ختم کر دیا گیا ہو وہ کس طرح آپ لوگوں کے ساتھ جا سکتا ہے۔ پھر عیسیٰؑ نے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے لوٹ جاؤ وہ دوبارہ مٹی میں چلا گیا (طبری) یعنی ہم خدا کی مشیت کو بدل نہیں سکتے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، وہ مرضی کا مالک ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے وہ مردوں کے ساتھ بات چیت کرنا چاہتا ہے۔ زندگی اور حیات بعد الموت کے راز جاننا چاہتا ہے وہ اپنے جیسا سب کو بنا لینا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ قرآن کے کھلے پیغام کے باوجود خود کو خلیفۃ اللہ کے مقام پر متمکن دیکھنا چاہتا ہے جب کہ یہ ممکن نہیں۔ اسے اپنی حیثیت اور کمتری کا پہلے جائزہ لے لینا چاہیئے۔ یہی زندگی ہے۔ جب وہ نیستی کو اپنا لے گا تو معرفت الٰہی کے اسرار اس پر منکشف ہونگے۔

رمضان کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت، تیسرا دوزخ سے نجات کا ہے۔ قرآن کریم شروع ہوتا ہے وعدہ وعید سے، وجود آدم سے، حقیقت کائنات سے، ملائکہ کے ذکر سے، انسانوں اور جنوں کے شر و فساد کے ذکر سے، پیغمبروں کا آنا، پیغام سنانا، انسانوں کی اطاعت، بندگی، سرکشی، گناہ، بغاوت، پیغمبروں کو ستایا جانا، اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب، اس کے بعد قیامت اس کی ہولناکی، آخرت میں گناہوں کی پرسش، اللہ تعالیٰ کی عدالت، اور اسی قرآن کے آخری حصے میں سورہ قدر ہے جس میں فرشتوں کے ساتھ جبرئیلؑ کا آنا انسانوں کا حال دریافت کرنا ذکر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ قدر والی رات یہ دیکھتے ہیں کہ جو قرآن کا پیغام تھا اس کا نسل انسانی پر کیا اثر ہوا ہے۔ اس وقت جو نظر اللہ کی رحمت کی پڑتی ہے اطاعت گذار بندوں پر اگر اس رحمت سے کسی کو کچھ حصہ نہ ملا تو پھر رحمت ہی رحمت ہے۔

مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا میرے لوگ عیسیٰؑ سے ملاقات کریں گے۔ اور عیسیٰؑ کے بعد قیامت کا قائم ہونا بیان ہوا ہے اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ قیامت برے لوگوں پر قائم ہوگی یعنی اللہ

کے مطیع وفرماں بردار لوگوں پر قیامت قائم نہ ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے اچھے لوگ ختم ہو چکے ہونگے۔ صرف برے لوگ ہونگے۔ قیامت سے پہلے اچھے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اٹھالے گا۔ قیامت کی دہشت کا مزہ چکھنے کے لئے اشرار کفار مشرک اور خدا اور رسول ﷺ کے نافرمان اور جان بوجھ کر قرآن وشریعت کے خلاف کرنے والے ہی رہ جائیں گے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''معاملہ (دنیا) میں شدت بڑھتی جائے گی اور دنیا میں ادبار (افلاس، ذلت، اخلاق رذیلہ) بڑھتا ہی جائے گا۔ لوگ بخیل سے بخیل تر ہوتے جائیں گے اور قیامت انسانیت کے بدترین افراد پر قائم ہوگی اور قرب قیامت کامل ہدایت یافتہ شخص صرف حضرت عیسیٰؑ بن مریم ہونگے'' (سنن ابن ماجہ جلد ۳، ۴۰۳۹)

ایک بات اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ قیامت انسانیت کے بدترین افراد پر قائم ہوگی۔ دوسری یہ کہ اس حدیث سے عیسیٰؑ ابن مریم جیسے واحد ہدایت یافتہ شخص کا قرب قیامت ہونا بیان ہے جو مہدی وعیسیٰؑ کے اجتماع کا ایک ہی وقت وزمانہ میں نہ ہونا ظاہر ہورہا ہے۔ چونکہ مہدی کے معنی ہدایت یافتہ کے ہیں۔ یہاں یہ حدیث مبارک اعلان کررہی ہے کہ اس وقت ہدایت یافتہ صرف عیسیٰ علیہ السلام ہونگے۔ اس طرح بھی مہدی عیسیٰؑ کے اجتماع کی نفی ہورہی ہے۔

کسی چیز یا حقیقت کو تلاش کرنے کا حکم اس سے نفع حاصل کرنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ مگر یہ کیا؟ تمام عمر اور قیامت تک تلاش ہی کرتے رہ گئے۔ اس سے نفع حاصل نہ کیا تو اس چیز کا تلاش کرنا لاحاصل ہی ہوا۔ جس چیز کو دنیا میں تلاش کرنے اور اس کا نفع آخرت میں حاصل کرنے کا حکم ہوا، اس سے فائدہ نہ ہوا تو اس کا کیا نتیجہ۔ یہ ایک لایعنی سوچ ہے۔ جو چیز آموجود ہوئی، مل گئی، خلیفتہ اللہ نے نشاندہی کردی۔ اللہ کے حکم کے ذریعہ اس کے باوجود اس سے فائدہ نہ حاصل کیا تو پھر تلاش کرتے رہنا کیا معنی؟ یہ بالکل ایسا ہے کہ کوئی دنیا کی سب سے بلند پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا چاہتا ہے پہنچ بھی جاتا ہے اسے پتہ ہے کہ اس سے بڑی اور کوئی چوٹی نہیں ہے پھر بھی بضد ہے کہ میں اس سے بلند چوٹی تلاش کروں گا تو یہ نادانی ہے۔

ابن مسعودؓ نے فرمایا جو شخص ارادہ کرے علم اولین وآخرین کا تو چاہیئے کہ اختیار کرے قرآن کو اور کہا بعض علماء نے ہر آیت کے ساٹھ فہم ہیں۔ اس آیت کی سمجھ سے جو چیز باقی رہ گئی ہے وہ زیادہ ہے سات سے اور کہا قرآن کا آخری حصہ ستہتر ہزار دو سو علموں کو حاوی ہے کیونکہ ہر کلمہ کا ایک ظاہر ہے

اور ایک باطن ۔اور ایک انتہا ہے اور ایک ابتداء اور قرآن میں تمام علوم کی طرف اشارے ہیں اور ہر وہ بات جو فکر کرنے والوں کو مشکل معلوم ہوتی ہے قرآن میں اس کی طرف اشارہ ہے (منہاج التقویم میں بندگی میاں عبدالملک سجاوندیؒ)

زوارف میں ابن مسعودؓ کے قول کے بیان میں **مامن اية الا ولها قوم سيعلمون بها** کوئی آیت نہیں ہے مگر اس کے لئے ایک قوم ہے جو معلوم کرے گی اس آیت کے معنی ،ابن مسعودؓ کا یہ کلام تحریص دلانے والا ہے ہر طالب صاحب ہمت کو اس بات پر اس کی ہمت مسموعات پر منقطع نہ ہوجائے اور یہ صاف کرے کلام وارد ہونے کی جگہ کو اپنے دل سے تاکہ سمجھ جائے ان معنی کے دقایق کو (منہاج التقویم میں بندگی میاں عبدالملک سجاوندیؒ)

تاریخ اسلام میں حضور اکرم محمد ﷺ کے بعد کسی بھی انسان نے کسی بھی نماز کو فرض قرار نہیں دیا سوائے حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے جنہوں نے لیلتہ القدر کی دو رکعت نماز کو فرض قرار دیا ہے ۔یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؑ مامور من اللہ تھے، اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ لیلتہ القدر کی نماز کو فرض قرار دینے کا مقام کیا ہے ۔یہ بات صرف تابع تام رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ کی متقاضی تھی ۔یہ حکم صرف خلیفتہ اللہ مراد اللہ مامور من اللہ ہی دے سکتے تھے ۔جو قرآن کریم کے مطابق ایک دلیل روشن تھے ۔مہدی موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ مہدی کے ثبوت میں جن آیات قرآن مجید کو بطور حجت پیش فرمایا اس میں سورۂ آل عمران کی یہ آیت بھی ہے'' **فَاِنْ حَآجُّوکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط وَقُل لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالاُمِّيّنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ط فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ج وَّاِن تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ'' بِالْعِبَادِ** (ال عمران آیت ۲۰) پس اگر وہ تجھ سے جھگڑا کریں و آپ کہدی اے محمد ﷺ میں تو آپنے کو متوجہ کر چکا ہوں اللہ کی طرف اور وہ بھی متوجہ کردے گا اپنے کو اللہ کی طرف جو میری پیروی کرنے والا ہے ۔حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالٰی نے میرے لئے یہ حکم کئے کہ مَن (مَن اِتبعن کا مَن) خاص ہے اور اس سے مراد صرف تیری ذات ہے کوئی اور نہیں

نعمت کو قبول کرنے کے لئے قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے ۔سورۂ قدر کے انوار کو قبول کرنے اور جذب کرنے کے لئے بھی قابلیت ضروری ہے اور قابلیت پیدا ہوتی ہے تعلیم اور تربیت سے ۔جب تعلیم اور تربیت ہی ناقص ہو تو فکر و عمل میں تضاد پیدا ہوجاتا ہے ۔اسی لئے نفس کے زیر اثر انسانوں میں

بغاوت سرکشی اور ہٹ دھرمی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ اگر لیلتہ القدر کے انوار کو قبول کرنا ہو تو **وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ** کی حقیقت کو سمجھنا چاہیئے کہ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کی بات کیوں بندوں کو بتا رہا ہے کیونکہ وہ ہستی مبارک ہے جس کے نور سے یہ کائنات معرض وجود میں آئی۔ جن کے قلب اطہر پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل کیا وہ کلام جسے قدر والی رات میں اتارا گیا **اِنَّا اَنۡزَلۡنَہُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ** وہ کلام جو لوح محفوظ میں تھا جو دنیا کے سینکڑوں اربوں سینوں کو روشن و منور کرنے والا تھا روئے زمین کے چپہ چپہ سے اس سے نور کی روشنی اور شعاعیں پھوٹنے والی تھیں جو نور آسمانوں میں تھا وہ زمین کے طول و عرض میں پھیل گیا اسی نور کو دیکھنے کے لئے ہر ماہ رمضان مبارک کی ستائیسویں شب کو جبرئیل فرشتوں کی معیت میں زمین پر اتر آتے ہیں کہ فرشتوں کو دکھانے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش آدم پر فرشتوں کی پریشانی اور وسوسے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا '' **انی اعلمو ما لا تعلمون** کہ اے فرشتو دیکھو میں نے اولاد آدم میں شرافت اطاعت و بندگی کے ساتھ اس کے نفس کو بھی آزادی دے رکھی تھی اور شیطان اس کی رگ و پے میں سرائیت کر جانے کی قابلیت بھی رکھتا تھا لیکن ! اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے بندگی و اطاعت کو معراج پر پہنچا دیا تو ان کے تابع تام نے احسان کو ثابت کر دکھایا۔ حجابات کے پردے چاک کر دینے کا کمال پیدا کر کے دیدار کی منزل آسان کر دی اس میں نہ صرف سرور کائنات ﷺ بلکہ آپکے تابع تام ''بینہ'' (یا روشن دلیل) نے بھی بندوں کو اپنے نفس کو اطاعت کرنے اور شیطان کے مکر و فریب سے باز رہنے کی تعلیم اور تربیت فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر کھرے اتریں ''**وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّا وَالانۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡن** میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت یعنی اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ رسول اکرم کی طرح مامور من اللہ مہدی موعودؑ ایک دلیل روشن تھے، اپنے متبوع کی طرح جن کی گواہی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ **اَفَمَنۡ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِہٖ وَ یَتۡلُوۡهُ شَاهِد'' مِنۡهُ** (سورۂ ہود آیت ۱۷) کیا منکر قرآن ایسے شخص کی برابری کر سکتا ہے، جو دلیل روشن پر قائم ہو اپنے رب کی جانب سے آیا ہے۔ اسی حقیقت کو مکرر سکرر دہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ بینہ میں ان دونوں روشن دلیلوں کو پیش فرمایا ہے **وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡ م بَعۡدِ مَا جَآئَتۡھُم الۡبَیِّنَةُ** یہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے اور ان کے تابع تام کے بتائے ہوئے طریقے تعلیم اور تربیت کے ذریعہ ہی ان انوار قرآن سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے نہ کہ اپنی مرضی اپنی پسند اور اپنی

سہولت سے اللہ کو پایا جا سکتا ہے۔ سابقہ امتوں کی ہزار مہینوں کی عبادت کا ثمرہ لیلۃ القدر کی ایک رات میں اور اس رات کی انوار کا ثمرہ دو رکعت نماز فرض میں۔ اس بات کا اشارہ رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے اور اسی لئے ایک صاحب بینہ یا دلیل روشن کا اہتمام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی ہے (مودودی کے الفاظ میں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر پیغمبر، نبی، رسول اور خلیفہ ایک دلیل روشن ہوتا ہے۔ کسی پر صحیفہ اتارا جاتا ہے کسی پر تنزیل کی جاتی ہے، کسی کو معجزہ عطا ہوتا ہے، کسی کو دیدار کرایا جاتا ہے۔

احیاء العلوم میں حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں ''سعادت ایمان پر بعض لوگ اعلیٰ درجات پر فائز ہوتے ہیں۔ بعض کم پر، بعض ادنیٰ پر، سعادت دینوی ہو یا اخروی، سعادت کے یہ درجات معرفت ایمان کے تفاوت کی وجہ سے ہیں۔ معرفت نور ہے اس نور کے بغیر باریٔ تعالیٰ سے ملاقات ممکن نہیں **نُوْرُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَ بَايمَانِهِم** (پ۲۸ آیت ۸) ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا۔ روایتوں میں ہے کہ لوگوں کو اس نور کی یکساں مقدار عطا نہیں ہوگی، بعض لوگوں کو پہاڑ کی مانند نور عطا ہوگا، بعض کو اس سے کم، اور کسی شخص کو انگوٹھے کے بقدر نور عطا ہوگا۔ وہ (اس کا) نور کبھی چمکے گا کبھی بجھ جائے گا..................(احیاء العلوم)

آدمؑ کی لغزش کا معاف کیا جانا، نوحؑ کی کشتی کا کوہ جودی پر ٹھرایا جانا، ابراہیمؑ کو آتش نمرود سے رہائی، یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے رہائی، موسیٰؑ کو فرعون سے نجات، خاتم الانبیا ﷺ کی عظمت کا اظہار کیا جانا معراج میں ۲۶ رجب کو، ارواح مومنین کی مغفرت کی دعا کیا جانا شب برأت کو۔ لیکن! اللہ کے مقبول بندوں کو انعام عظیم سے نوازا جانا لیلۃ القدر کو۔ مگر بندگی وہ جو اللہ کی مرضی کی ہو صرف سجدہ سجود کی بندگی نہیں مقام احسان کی بندگی، یا تو ہم اسے دیکھ رہے ہوں یا وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ پنجوقتہ نمازیں نماز مخصوصہ ہیں وہ اطاعت اور ادائیگی فرض ہیں۔ دو رکعت نماز بھی مخصوص ہے اللہ کے رسول ﷺ اور تابع تام رسول اللہ ﷺ خلیفۃ اللہ کے ذریعہ فرض کی گئی۔

احیاء العلوم میں حضرت امام غزالیؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ **ان لربکم فی ایامدھر کم لنفحات الا فتحرضوالھا** تمہاری زندگی کے ایام میں باریٔ تعالیٰ کی رحمت کے بہت سے جھونکے ہیں تم ان کی تاک میں رہو۔

الحمد لله الذی فضلنا علی کثیر من عباده المومنین (النمل ع ۶) تمام تعریف اللہ کے لئے سزاوار ہے جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)
C. No. 09242653492

ابتداء جہاں سے انتہا وہیں ہے

یہ ایک کلیہ ہے کہ ہر چیز اپنی انتہا کو پہنچ کر اپنی ابتداء ہی کی طرف لوٹتی ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے زندگی گذارتا ہے۔ کبھی نئی اونچائیاں چھوتا ہے، کبھی پستیوں میں گر جاتا ہے اور آخر میں اپنی ابتداء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جب دنیا میں آتا ہے تو سانس لے کر آتا ہے اور دنیا سے جاتا ہے تو سانس بھی یہیں چھوڑ جاتا ہے۔ سمندر میں تلاطم پیدا ہوتا ہے تو لہریں اٹھتی ہیں، کنارے سے ٹکراتی ہیں، واپس لوٹ کر سمندر کی بے پناہ وسعتوں میں پھیل جاتی ہیں۔ آسمان میں ستارے، سیارے اپنے محور پر گھومتے ہوئے گردش کرتے ہوئے ایک مقام سے واپس اسی مقام پر لوٹ آتے ہیں۔ سانس حیوانوں کے جسم میں داخل ہوتی ہے گردش کرتے ہوئے گھوم پھر کر واپس باہر لوٹ آتی ہے۔ پرندے آسمان پر اڑتے ہیں واپس لوٹ کر زمین پر آتے ہیں۔ پانی بھاپ بن کر زمین سے اٹھتا ہے، بادل بنتے ہیں، بوجھل ہو کر برسات بن کر زمین پر گر جاتے ہیں۔ زمین اپنے محور پر گھومتے ہوئے سورج کا چکر لگاتی ہے واپس اسی مقام پر ایک وقت مقررہ پر پہنچ جاتی ہے۔ جاندار مٹی سے پیدا ہوتے ہیں اور مٹی میں مل جاتے ہیں اور انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی ہے، انسان مر کر مٹی میں مل جاتا ہے، روح واپس اپنے خالق کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ کیا حیوانات جیسے چینٹی، کیڑے، مکوڑے، تتلی، پتنگے، چرندے، درندے اور انسان صبح اپنے مقام سے نکل کر بھٹکتے ہوئے کہیں کے کہیں پہنچ جاتے ہیں؟ بلکہ ہر جاندار شام کو لوٹ کر واپس اپنے مقام کو ہی آتا ہے۔ یہاں تک دیکھا گیا کہ پرندے برآعظموں کا ہزاروں میل کا سفر کر کے دوسرے مقامات کو دانہ پانی کی تلاش میں اور اپنے بچوں کی پرورش کے بعد واپس اپنے مقام پر لوٹ آتے ہیں۔ افریقہ کے جنگلوں کے جانور سرنگیتی کے صحرائی میدانوں کا چار ہزار میل کا سفر کرنے کے بعد واپس اپنے مقام کو لوٹ آتے ہیں۔ غرض ایسی بے حساب مثالیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر شئے اپنی انتہا کے بعد اپنی ابتداء ہی کی طرف لوٹ آتی ہیں۔

اس تمام تمہید سے ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ زمین پر خلیفۃ اللہ آدم علیہ السلام کی ابتداء جس مقصد سے اور جس مقام سے ہوئی تھی اس مقصد اور اسی مقام سے خلافت اللہ کی انتہا بھی ہوئی ہے وہ مقصد ہے بندگی اور مقام ہے سرزمین ہند!! اس بات کو یوں سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کو آدمؑ کو سجدہ

کرنے کا حکم دینا اس لئے نہیں تھا کہ آدمؑ اس شرف کے لائق تھے بلکہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کو اور روح پھونکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو نور ان کی پیشانی پر ظاہر ہوا تھا اس نور کو سجدہ کرنا تھا۔ اور اس کے علاوہ ملائکہ و فرشتوں کو یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ آدمؑ کی جس صفت بندگی کا اعتماد اللہ تعالیٰ کو تھا اسے ملائکہ پر ظاہر کرنے کے لئے اولادِ آدم کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور اس مقصد کو ظاہر کرنے کے لئے آپؑ کو زمین پر اتارا گیا، اولادِ آدم نے روئے زمین کا چکر لگاتے ہوئے مکہ مکرمہ میں بندگی کو معراج پر پہنچایا اور واپس سرزمین ہند میں معراج کی اس صفت کو عملی طور پر دنیا میں ثابت کیا ہے کہ آسمانوں میں جس خالق کل کی اطاعت اور بندگی کی جاتی ہے وہی خالق ارض و سماں کا جلوہ یہاں بھی رونما ہے۔ آدمؑ کو زمین کے جس خطہ پر اتارا گیا وہی خطہ ہند دیدارِ الٰہی کے اعلیٰ مقام ''احسان'' کا عملی میدان ثابت ہوا ہے۔
اگر ملائکہ نے آدمؑ کے آگے سجدہ کیا تھا تو اولادِ آدم کی صفت یہ تو ہونا چاہیئے کہ زمین و آسمان فرش و عرش پر خالق کائنات کے جناب میں سجدہ ریز ہو کر اپنے شرف کی صفت کا اظہار کرے، خود کے حقیر ہونے اور مالک حقیقی کے عظیم ہونے کا اقرار کرے، فرشتوں کو بتادے کہ حقیقی سجدہ کس کو کیا جانا چاہیئے اور کس طرح کیا جانا چاہیئے۔ اطاعت اور بندگی کس کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے محبت کے تقاضے کیا ہیں ان کو عملی طور پر ثابت کر دکھایا تو صرف اور صرف خلیفۃ اللہ مہدی مراد اللہ کی تصدیق کرنے والوں نے جن میں ہر طبقہ اور ہر ذہنیت کے لوگ عالم، جاہل، سپاہی، سرلشکر دولت دنیا کو ٹھکراتے تھے اور دائرہ مہدویہ میں داخل ہوتے تھے۔ خراساں کے سفر میں اصحاب مہدی کو درختوں کے پتے بھی کھانے پڑے، سب کچھ منظور تھا لیکن امام علیہ السلام سے جدائی منظور نہیں تھی۔ روایت ہے بندگی میاں یوسف مہاجر کبار اس فقر و اضطرار اور کثرت سفر کی مشقت سے امام الابرار کے حضور میں بیٹھ گئے تھے۔ اگر چہ انہیں ستر عورت کے لئے صرف ایک لنگ تھا اور ایک رسی سر سے بندھی ہوئی تھی اور درختوں کے پتے غذا تھی جو درخت سامنے آتا اس کے پتے لے کر کچھ کھاتے۔ ان کا پاؤں بھی زخمی تھا اور شکم استسقا کی وجہ سے بڑھ جانے سے تکلیف تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے امام علیہ السلام سے پوچھا میرانجی وہ وقت کب آئے گا کہ خاتم ولایت کے ظہور کے زمانے میں محمدیوں کو بہت مشقت اٹھانی پڑے گی۔ حضرت میرانؑ نے فرمایا وہ وقت یہی ہے۔ لیکن تمہاری قابلیت بڑی ہے اس لئے تمہیں معلوم نہیں ہوتا۔
ابن ماجہ میں ابوبکر بن شیبہ سے روایت ہے کہ ''کہا ابن غزوان نے ہمیں ممبر پر خطبہ دیا اور کہا کہ میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے سات اصحاب میں سے ساتواں پایا، ہمارے لئے کھانا نہیں تھا سوائے درختوں کے پتوں کے یہاں تک کہ ہماری باچھیں زخمی ہوگئیں (پتے چبانے سے)''

(مقدمہ سراج الابصار صفحہ ۱۴۲)

تاریخ عالم، تاریخ اسلام اور ارض ہند کے محل وقوع کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ بیشک یہ حقیقت ہے کہ تاریخ عالم میں مصر فلسطین روم و عرب کا علاقہ انسانوں کی مادی و روحانی ترقی و تنزل کی آماجگاہ رہا ہے لیکن! ابتدائے آفرنیش کے تعلق سے جو قصص کہاوتیں روایتیں اور تاریخ میں درج ہیں اگر ان کا مطالعہ کریں تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی اور یہیں سے انسانی معاشرہ ارض عرب کو منتقل ہوا اور جہاں سے یہ مادی ترقی کے لئے دنیا کی وسعتوں میں پھیل گیا۔ مگر!! روحانی ترقی کا مدار مصر فلسطین ہند اور ایشیاء کو چک تک ہی محدود رہا۔ اس علاقے کو انسانی ترقی وتمدن کے مرکز کے طور پر ہر دور میں مرکزیت حاصل رہی۔ یہ ہر زمانے میں نبیوں رسولوں مبلغوں مصلحوں اور اولیاء کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور آخر کار خاتم الانبیاء ﷺ کی ولایت کے خاتم علیہ السلام کی بعثت کے طور پر بھی اسی خطۂ ارض کو شرف وعزت بخشی گئی۔ یعنی خلافت اللہ سارے روئے زمین کا دور کر کے واپس وہیں آ گئی جہاں سے اس کی ابتداء ہوئی تھی۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہتے ہیں آدم علیہ السلام نماز ظہر وعصر کے درمیان بہشت سے زمین پر اتارے گئے۔ بہشت میں اُن کا زمانۂ قیام نصف دن تھا۔ اس دن کا حساب آخرت کے دنوں میں ہے یعنی نصف دن کے پانچ سو برس ہوئے۔ ہر دن بارہ گھنٹے کا۔ اہل دنیا کے حساب سے ایک دن کے ایک ہزار برس ہوتے ہیں (مہدی کی بعثت کے بارے میں جو احادیث ہیں اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دن کو اتنا دراز کرے گا کہ اس میں مہدی کی بعثت ہو)۔

آدم علیہ السلام ہندوستان کے ایک پہاڑ پر اتارے گئے جس کو نوذ کہتے ہیں اور حوا علیہ السلام جدہ میں اتریں۔ آدم علیہ السلام اترے تو ان کے ساتھ بہشتی ہوا بھی تھی۔ جس کے درختوں اور وادیوں میں لگنے سے تمام خوشبو ہی خوشبو بکھر گئی۔ یہ آدم علیہ السلام ہی کی ہوا تھی جس سے خوشبو پھیلی اور جس کے باعث ہندوستان خوشبو کا مستقر ہے کہ وہیں سے خوشبو لاتے ہیں (طبقات ابن سعد)

حضرت قتادہ ابو عالیہؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ہند کی طرف اتارا تھا۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ہوا کے اعتبار سے زمین کا سب سے بہتر خطہ ہند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں آدمؑ کو اتارا تھا اور یہاں کے درختوں کو جنت کی ہوا سے تعلق چھوڑا (طبری)

ابن اسحاق سے مروی ہے کہ آدمؑ جب جنت سے اترے تو ایک پہاڑ پر اترے تھے اور ان کے ساتھ جنتی درختوں کے پتے بھی تھے جن کو آدمؑ نے اس پہاڑ پر بکھیر دیا جس پر اترے تھے۔ پس تمام

پاکیزہ غذاؤں کی اصل یہی جنتی چیزیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہند میں ہر قسم کا پھل اور میوہ پیدا ہوتا ہے اور جس پہاڑ پر اتارا گیا وہ جنت سے قریب تھا یعنی اونچا تھا۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آدمؑ کو ارض ہند میں اور حواؑ کو جدہ میں اتارا۔ پس آدمؑ ان کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ دونوں میدان مزدلفہ میں ملے اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ اس جگہ کا نام عرفات تھا اور آدمؑ کو ارض ہند میں جس جگہ اتارا کیا اس جگہ کو 'بوز' کہا جاتا ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا آدمؑ جب آسمان سے اترے تو ارض ہند میں اترے تھے۔ ابن اسحاق سے مروی ہے کہ اہل تورات کے مطابق آدمؑ کو ہند میں 'واسم' نامی پہاڑی پر اتارا گیا جو کہ بھیل نامی وادی کے پاس تھا اور یہ وادی ہنج اور مندل نامی شہروں کے درمیان ہے جو کہ ہند میں واقع تھے اور حضرت حوا کو جدہ میں اتارا گیا جو کہ مکہ کے قریب ہے۔ اس کے بعد علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آدمؑ اور دیگر کے اترنے کی جگہ کا درست علم صرف حدیث رسول ﷺ سے ہی ہوسکتا ہے اور حدیث بھی وہ جس کی اسناد صحیح ہوں چونکہ ایسی کوئی بھی حدیث اس بارے میں ثابت نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو کچھ روایات سے ملتا ہے۔ اسے علمائے متقدمین اور اہل تورات و انجیل نے رد نہیں کیا اس لئے ہم اس کو بھی مستند مان سکتے ہیں۔

حافظ ابوالفدا اعمادالدین ابن کثیر دمشقی نے البدایہ والنہایہ (تاریخ ابن کثیر) میں حضرت حسن بصریؒ یہ بیان نقل کیا ہے کہ آدمؑ کا نزول ہند میں اور حواؑ کا جدہ میں ہونا بیان کیا ہے اور لکھا ہے السدی کہتے ہیں کہ آدمؑ کو پہلے حجر اسود کے ساتھ مکہ میں اس مقام پر اتارا جہاں حجرہ اسود آج بھی قائم ہے۔ لیکن بعد میں انہیں ہند بھیج دیا گیا تھا جہاں شجر جنت گیہوں کا پودا آج بھی اُگتا ہے۔

کہتے ہیں بہشت سے آدم علیہ السلام کے ساتھ درخت اس بھی اترا۔ حجر اسود بھی اترا جو برف سے زیادہ سفید تھا۔ عصائے موسیٰ بھی اترا جو بہشتی درخت آس کی لکڑی کا تھا۔ یہ دس ہاتھ لمبا تھا۔ جتنے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام لمبے تھے۔ مرد لوبان (لبان) بھی بہشت ہی سے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اتارے گئے۔ بعد کو سندان (علاۃ) ہتھوڑا (مطرقہ) سنسی (کلبتان) یہ سب بھی ان کے پاس بھیجے گئے۔ کوہ نوذ پر جب آدم علیہ السلام کا ہبوط ہوا تو پہاڑ پر لوہے کی ایک شاخ دیکھی۔ دیکھتے ہی کہنے لگے یہ آس کا درخت ہے۔ جو درخت پرانے ہو کر سوکھ گئے تھے ان کی لکڑیاں ہتھوڑے مار کر توڑتے تھے۔ لکڑیاں جلا کے لوہے کی سلاخ پگھلائی جس سے چھری بنائی اور یہ پہلی چیز تھی جو لوہے کی بنی۔ پھر تنور بنایا جو نوح علیہ السلام کو وراثت میں ملا۔ یہ وہی تنور تھا جس سے ہندوستان میں عذاب الٰہی

نے جوش مارا تھا (طوفان نوح آیا تھا)

طبری میں عطا بن ابی رباحؒ سے روایت ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو جنت سے زمین کی طرف اتارا تو اس وقت ان کے قدم زمین پر تھے اور سر آسمان میں اور آدمؑ آسمان کا کلام ومناجات سنتے تھے اور اس سے اپنی تنہائیوں میں سکون پاتے تھے۔ آدمؑ کی قد کی وجہ سے دوسری مخلوقات ان سے ہیبت کھاتے۔ اس کے علاوہ اپنی مناجات اور عبادات میں دخل کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے شکایت کی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو زمین کی طرف پست کر دیا۔ جب آدمؑ کو فرشتوں کی آوازئیں بند ہوگئیں تو آپؑ گھبراہٹ محسوس کرنے لگے۔ اپنی مناجات وعبادات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رخ مکہ جانے والے راستہ کی طرف کر دیا۔ آدم جس جگہ قدم رکھتے وہ جگہ شہر اور دونوں قدموں کے درمیان والی خالی جگہ جنگل و بیابان بنتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آدمؑ مکہ پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت زمین پر اتارا جس کو کعبہ کی جگہ میں رکھا گیا۔ پس آدمؑ مسلسل اس کا طواف کرتے رہے۔ جب طوفان نوح آیا تو وہ یاقوت اٹھالیا گیا پھر حضرت ابراہیمؑ کو بھیجا گیا تو انہوں نے کعبہ کی تعمیر فرمائی۔

''اے آدمؑ! میں نے تمہارے لئے ایک گھر اتارا ہے تاکہ تم اس کا طواف کرو جیسا کہ میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے اور تم اس کے پاس نماز پڑھو جیسے کہ میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے''

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے ہم سے بیان کیا کہ آدمؑ جس وقت اترے تو سرزمین ہند میں اترے تھے اور انہوں نے وہاں سے پیدل چالیس حج کئے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر وحی فرمائی کہ بیت اللہ کا حج کرو۔ آدمؑ اس وقت سرزمین ہند میں تھے۔ پس وہ ہند سے حج کے لئے آئے وہ جس جگہ بھی قدم رکھتے اس جگہ بستی بن جاتی اور جو جگہ ان کے قدموں کے درمیان خالی رہ گئی وہ بیابان بن گئی۔ یہاں تک کہ وہ بیت اللہ پہنچ گئے۔ پس انہوں نے طواف کیا اور مناسک حج ادا کئے اور سرزمین ہند کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ پھر وہ واپسی میں جب عرفان کی تنگ گھاٹی میں پہنچے تو فرشتوں نے ان سے ملاقات کی اور کہا اے آدم! آپ کا حج کامل ومقبول ہے۔ یہ سن کر آپ حیران ہوئے کہ انہیں کیسے معلوم ہوا۔ فرشتوں نے ان کی حیرانگی اور تعجب کو محسوس کرتے ہوئے کہا کہ اے آدمؑ ہم نے اس گھر کا حج آپؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کیا ہے یہ سن کر آدمؑ اپنے آپ کو ان سے کمتر محسوس کرنے لگے۔

اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ'' میرے عرش کے بالمقابل (روئے زمین پر)ایک حرم ہے، جا...... وہاں میرے لئے تو ایک گھر بنا اور اس میں میری عبادت کر، کہ جس طرح تو دیکھ چکا ہے کہ میرے فرشتے عرش سے لگے رہتے ہیں۔ تیری اور تیری اولاد میں سے جو فرماں بردار ہوں گے وہاں ان کی دعائیں قبول کروں گا۔آدم علیہ السلام نے عرض کیا یارب! یہ مجھ سے کیونکر ہوگا۔ میں اس پر کہاں قادر ہوں؟ اور اس (جگہ) کا پتہ کیسے لگا سکتا ہوں؟ اللہ تعالٰی نے ان کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جس کے ساتھ وہ مکہ چلے گئے۔ دوران سفر جب آدم علیہ السلام کسی سرسبز و شاداب جگہ سے گزرتے وہ جگہ انہیں پسند آتی تو فرشتے سے کہتے یہاں ٹھہر جاؤ۔ فرشتہ کہتا منزل مقصود کو پہنچنا ہے۔ اسی طرح چلتے چلتے مکہ پہنچے۔ راستہ میں جن جن مقامات پر آپ ٹھیرے وہ آباد ہوئے اور جہاں جہاں سے گزرتے چلے گئے وہ غیر آباد وصحرا و دشت و بیابان رہے۔ شائد برصغیر و ہندوستان اسی لئے آبادی کی کثرت کے مرکز ہوئے یہیں سے انسانی نسل پیدا ہوئی اور پھیلی تھی۔

آدم علیہ السلام نے حج کیا تو حجراسود کو کوہ ابوقبیس پر نصب کر دیا۔ یہ اندھیری راتوں میں روشن رہتا جیسے چاند روشن رہتا ہے۔ اہل مکہ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے تھے (جاہلیت پھیلی تو یہ طریقہ ختم ہوگیا کہ) حائض عورتیں اور نجس زن و مرد پہاڑ پر چڑھ کر اسے چھوتے تھے (چومتے تھے) جس کے باعث یہ سیاہ پڑ گیا۔ اسلام سے چار برس قبل کا واقعہ ہے کہ قریش اس کو ابوقبیس کی چوٹی سے اتار لیا اور خانہ کعبہ میں نصب کر دیا جہاں اب بھی منصوب ہے۔ آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے مکہ تک چالیس حج کئے تھے۔

جب آدم علیہ السلام کا ہبوط ہوا تو وہ اتنے دراز قامت تھے کہ ان کا سر آسمان کو لگتا تھا۔ اس وجہ سے ان کی پیشانی کے بال گر گئے اور یہ مرض ان کی اولاد کو بھی منتقل ہوا۔ روئے زمین کے جانوران کے دراز قامت ہونے کی وجہ سے ڈر کر بھاگ جاتے اور اسی دن سے انسانوں سے وحشت کرنے لگے۔ آدم علیہ السلام پہاڑ پر کھڑے کھڑے فرشتوں کی آوازیں سنا کرتے اور بہشت کی ہوا کھایا کرتے۔ آخر ان کا قد گھٹ کر ساٹھ گز رہ گیا اور تا بمرگ یہی قد رہا۔ آدم علیہ السلام جیسا حسین و خوبرو ان کی اولاد میں یوسف علیہ السلام کے سوا کوئی نہ ہوا۔

انحطاط قامت کے بعد آدم علیہ السلام نے جناب الٰہی میں عرض کیا۔ یارب! میں تیرے جوار میں تھا، تیرے دیار میں تھا، بجز تیرے نہ کوئی نہ میرا پروردار تھا، نہ رقیب ونگران تھا، میں بہشت میں مزے سے کھاتا پیتا تھا اور جہاں جی چاہے رہتا تھا۔ آخر تو نے مجھے اس مقدس پہاڑ پر اتارا تو یہاں بھی

میں فرشتوں کی آوازیں سنتا تھا اور فرشتے عرش کے اردگرد جو گھرے ہوئے ہیں ان کی کیفیت دیکھتا تھا۔ مجھے بہشت کی ہوا ملتی تھی اور میں خوشبو سونگھتا، بعد کو تو نے مجھے پہاڑ پر سے زمین پر اتار دیا اور میرے قد و قامت کو گھٹا کر ساٹھ ہاتھ کر دیا۔ اب وہ آواز بھی مجھ سے منقطع ہوگئی، وہ نظر (خوشگذر) بھی نہ رہی، وہ منظر بھی رخصت ہوگئے وہ ہوائے بہشت بھی جاتی رہی (طبقات)

طبری نے بعض سے نقل کیا ہے کہ آدمؑ کو جس پہاڑ کی چوٹی پر اتارا گیا وہ زمین کے دوسرے پہاڑوں کے مقابلے میں آسمان کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ کیونکہ جس پہاڑ پر انہیں اتارا گیا تو ان کے پاؤں اس پہاڑ پر اور سرا آسمان میں تھا اور آدم فرشتوں کی مناجات اور تسبیح وغیرہ کو سنتے تھے۔ جب کہ فرشتے ان سے ہیبت کھاتے تھے جس کی بناء پر آدمؑ کے قد میں تخفیف کر دی گئی (طبری جلد اصفحہ ۸۵)

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ''آدم (علیہ السلام) میں نے تیرے ساتھ جو کچھ کیا وہ تیری ہی معصیت اور نافرمانی کی وجہ سے کیا۔ آدم وحوا علیہم السلام دوسو برس تک روتے رہے چالس دنوں تک کھانا نہ کھایا۔ سو برس تک الگ تھلگ رہے، آدم علیہ السلام کوہ نوذ پر رہے، دونوں کا اجتماع جمیع کے دن ہوا تھا (یوم جمیع۔ ایام حج کا وہ خاص دن جس میں مزدلفہ میں اجتماع ہوتا ہے) اس دن کا نام جمعہ پڑا اور عرفات میں دونوں میں تعارف ہوا۔ اسی لئے وہ پہاڑی عرفات کے نام سے مشہور ہوئی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر ہو چکی تو آدم علیہ السلام ہندوستان واپس آئے اور کوہ نو پر انتقال کیا۔ شیث علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر آپؑ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپؑ کو ایک غار میں دفن کر دیا اور پاسان مقرر کر دیا کہ اولاد قابیل اس قبر کے نزدیک آنے نہ پائے کیونکہ ان میں بدکاری اور فساد پھیل گیا تھا۔ جب تک آدمؑ زندہ رہے آپ کی اولاد در اولاد کوہ نوذ پر چالیس ہزار تک پہنچ گئی اور طوفان کے وقت نوح علیہ السلام کل ۸۰ افراد میں ۷۳ افراد جو شیث کی اولاد میں تھے اور مومن تھے اور دو دو جوڑے جانوروں کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کا جسد بھی غار سے اٹھا کر کشتی میں رکھ لیا۔ جب نوحؑ طوفان کے بعد کشتی سے باہر نکلے تو آدمؑ کے جسد کو بیت المقدس میں دفن کر دیا (طبقات ابن سعد حصہ اول صفحات ۴۳ تا ۴۶)۔ آخر نوحؑ آدمؑ کے جسد کو کیوں اٹھا کر لائے؟ وہیں کیوں نہیں رہنے دیا؟ جو لوگ زیارت قبور کو قبر پرستی سے تعبیر کرتے ہیں اور سرور عالم ﷺ کے روضہ پر درود و سلام بھیجنے کو بدعت کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ نبی کے عمل میں غور کر لیں۔

محمد بن اسحاقؒ سے مروی ہے کہ جب آدمؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیث کو بلایا اور اس سے عہد لیا اور دن رات کی گھڑیاں اور اوقات سکھلائے اور ہر ساعت میں کسی

نہ کسی مخلوق کا عبادت کرنا بتلایا۔ یعنی ہر گھڑی کوئی نہ کوئی مخلوق عبادت الٰہی میں مصروف ہوتی ہے اور فرمایا کہ اے عزیز بیٹے عنقریب زمین میں طوفان آئے گا اور وہ سات سال ٹھیرے گا اور ان کو وصیت لکھوائی۔ خلیفتہ اللہ آدم علیہ السلام نے شیثؑ کو وصیت کرتے وقت بتایا تھا کہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ذکر اللہ میں مصروف ہے۔ خلیفتہ اللہ مراد اللہ مہدی موعود علیہ السلام نے اشرف المخلوقات اولاد آدم کو آٹھ پہر کے کر ذکر کی تعلیم دی ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے اوقات ذکر میں دینی گفتگو کو بھی لایعنی قرار دیا (نقلیات میاں رشید۲۱۲)

طبری نے بیان کیا ہے کہ آدمؑ کو پہلے ایک پہاڑ کی چوٹی پر اتارا گیا تھا۔ پھر پہاڑ دامن میں آئے۔ آپؑ کو زمین پر کی تمام مخلوقات چرندے، پرندے اور جنات کا بادشاہ بنایا گیا۔ آدمؑ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترے تو اہل آسمان کے مناجات اور فرشتوں کی آوازیں غائب ہوگئیں اور انہوں نے زمین کی وسعتوں کو دیکھا اور اپنے سوا کسی کو نا پایا تو کہنے لگے اے میرے رب! کیا میرے علاوہ کوئی اور اس زمین کو آباد کرنے والا نہیں ہے جو آپ کی حمد و تسبیح اور بزرگی بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جلد ہی اس میں تیری اولاد کو پیدا کروں گا جو میری تسبیح و حمد اور تقدیس بیان کیا کرے گی اور اس میں ایسے گھر بنائیں گے جن کو میرے ذکر سے بلند کیا جائے گا اور ان گھروں سے میری صفات کی تسبیح پڑھی جائے گی اور میرے نام کا ذکر کیا جائے گا اور ان گھروں میں سے ایک گھر کو بزرگی کے ساتھ خاص کروں گا اور اپنے نام کے ساتھ اس کو فضیلت دونگا اور اس کا نام بیت اللہ ہوگا اور اس پر اپنی صفت جمال سے عکس ڈالونگا اور پھر میں اس گھر کے ساتھ ہی ہونگا اور اس کو قابل حرمت اور امن والا بناؤں گا۔ اس کی حرمت کی وجہ سے اس کے ارد گرد اور اس کے نیچے اوپر کی جگہ بھی قابل احترام ہوگی۔ پس جس نے اس گھر کی حرمت کا خیال رکھا وہ میرے نزدیک محترم ہوگا اور جس نے یہاں رہنے والے کو ڈرایا تو اس نے گویا میری امان میں خیانت کا مرتکب ہوا اور میری حرمت والی جگہ میں خونریزی کو جائز جانا۔ پس اے آدمؑ جب تک تم زندہ ہو اس وقت تک تم اس کو آباد کرو گے اس کے بعد تمہاری اولاد میں سے انبیاء امتیں اور قومیں آباد کریں گی اور آدمؑ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کی طرف جائیں جو ان کے لئے زمین پر اتارا گیا ہے اور اس کا طواف کریں جس طرح انہوں نے فرشتوں کو عرش کے گرد طواف کرتے دیکھا ہے

قرآن کریم میں ارشاد باریٔ ہے کہ 'یہ قرآن میرے پاس بھیجا گیا ہے تا کہ میں اس کے ذریعہ تم کو ڈراؤں اور وہ شخص بھی ڈرائے گا جو میرا تابع ہے (جزء رکوع ۸) اس آیت شریفہ میں من بلغ سے مراد مہدیؑ ہے نیز دوسری آیات کے متعلق بھی قوم میں مشہور ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ

وہی ہے جس نے امیوں میں ایک اُمی رسول ﷺ کو مبعوث کیا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور اگرچہ کہ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (اس کی بعثت) ان آخرین کے لئے بھی ہے جو ان (سابقین) سے ملیں۔ اس آیت شریفہ میں آخرین سے مراد مہدی علیہ السلام کی جماعت ہے (۲۳۴ نقلیات میاں رشید)

یہ محض ایک اتفاق نہیں ہے کہ کعبۃ اللہ کے جس کونے پر حجر اسود کو نصب کیا گیا ہے اس کا رخ ہندوستان کی طرف ہے۔ یہ غور طلب امر ہے کہ دنیا میں جتنے عقیدے، مذہب اور طریقے، شرک، کفر و الحاد، فساد، ایمان وتوحید کے نظریات ہندوستان (برصغیر) میں پائے جاتے ہیں دنیا کے کسی حصے میں نہیں ہیں یا پائے جاتے۔ کیونکہ یہاں کی پہاڑیوں سے شیث بن آدمؑ کی اولاد میں ایمان و وحدت کا سلسلہ چلا تھا تو قابیل کی اولاد میں کفر وشرک کے سلسلے بھی شروع ہوئے تھے۔ ہندومت، بدھ مت، جین مت، آریائی طریقے، بت پرستی، آتش پرستی وحید وایمان اور توا ور احسان کی تربیت اور تعلیم بھی یہیں دی گئی۔

دنیا کے دوسرے خطوں اور ملکوں میں جو مذاہب وعقیدے ہیں وہ اس ملک وخطہ اور علاقے تک محدود ہیں لیکن ہندوستان دنیا کے تمام مذاہب، عقائد، طریقے اور نظریات کا مجموعہ ہے۔ یہ تمام اچھائیوں اور برائیوں کا بھی مرکز رہا ہے۔ اہل اسلام نے آج وحدت کو کعبۃ اللہ تک محدود کر دیا ہے جبکہ تعلیمات احسان میں وحدت لامحدود ہے۔ جہاں ہو جس حال میں ہو خدا وہیں ہے ''ہر جا کہ باشد یا دخدا باشید'' لامحدود کو محدود سمجھنا شرک عظیم ہے۔ یہی نکتہ تعلیم احسان کا ہے۔

تاریخ طبری، ابن خلدون، طبقات ابن سعد، ابن کثیر اور دیگر کتب تواریخ اور صحابہؓ آئمہ اولیاء وصالحین کی کثیر تعداد اس بات پر متفق ہے کہ آدم علیہ السلام ہند کی پہاڑیوں پر اتارے گئے تھے اور اس پہاڑی کا اتنا بلند ہونا بھی بیان ہوا ہے کہ وہ جنت سے قریب تھی اور وہ تمام پاکیزہ غذاؤں کی اصل تھی اور ہند میں ہر قسم کا پھل اور میوہ پیدا ہونا بھی بیان ہوا ہے۔ یہی نہیں یہاں کی ہواؤں کو جنت کی ہواؤں سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے درختوں اور وادیوں میں لگنے سے تمام خوشبو ہی خوشبو بکھر گئی۔ یہ آدم علیہ السلام ہی کی حوا تھی جس سے خوشبو پھیلی اور جس کے باعث ہندوستان خوشبو کا مستقر کہلایا گیا ہے کہ وہیں سے خوشبو لانے کی بات کہی گئی ہے اور جس پہاڑ کی چوٹی پر سے فرشتوں کی مناجات آدمؑ سنا کرتے تھے ایسی چوٹی دنیا میں صرف ہمالیہ کے پہاڑوں میں ایورسٹ ہے۔ ہمالے کا تمام علاقہ قدرتی جڑی بوٹیوں، خوشبوؤں، فرحت بخش ہواؤں، معدنیات، میوے کے لئے دنیا میں مشہور ہے۔ اگر یہاں سے آدمؑ کی یا انسانیت کی ابتداء ہوئی ہے تو یہ کچھ بعید از قیاس نہیں کیونکہ خلیفۃ اللہ آدم صفی اللہ سے یہاں خالق کائنات

کی عبادت کی شروعات ہوئی تو اسی خالق عرض وسماوات کے دیدار کی دعوت بھی یہیں سے دی گئی ہے۔ کیونکہ نور محمد ﷺ آدمؑ سے شروع ہوا پیغمبروں میں گردش کرتا ہوا مکہ مکرمہ میں نور مجسم سرور عالم ﷺ میں ظاہر ہوا۔ وہ مکہ جو بالکل عرش بریں کے عین مقام پر ہے اور یہی سے نور ولایت میں دور کرتا ہوا خاتم ولایت پر اپنی انتہا کو ''احسان'' کے وسیلے سے ظاہر ہوگیا۔ یہاں پر کلام اللہ کی یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے ''کُل فِیْ فَلَکٍ یَّسبَحُوْنَ ۔ ہر ایک اپنے محور میں تیر رہا ہے'' (سورہ انبیاء ۳۳)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے اندر اپنی روح پھونکی تو وہ روح ان کے سر کی جانب سے داخل ہوئی اور جسم کے جس حصہ میں پہنچی تو وہ گوشت اور خون میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔ جب روح ناف تک پہنچی تو آدمؑ نے اپنے جسم کو دیکھا تو وہ بہت خوبصورت معلوم ہوا اور آدمؑ نیا ٹھنا چاہا مگر اٹھ نہ سکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''خَلِقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ ۔ انسان جلد باز مخلوق ہے'' یہاں یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ انسان کے پیدا کئے جانے اور اس کی ترقی میں تولد و تناسل کا ایک لمبا سلسلہ چلنے والا تھا۔ جس میں کفر و شرک، ایمان و احسان کی منزل کی طرف ایک لمبا سفر طے ہونا تھا جو بتدریج آہستہ آہستہ پیغمبر نبیوں، رسولوں اور اللہ کے خلیفوں کے ذریعہ خالق کائنات کو پہچاننا تھا جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے و مَا قَدَرَ والله حَقَّ قَدْرِهٖ ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہ پہچانی جیسا اس کا حق ہے۔ اس کے لئے پہلے انسان کو اس کی اپنی حیثیت دکھائی گئی ''**ما اخفی لھم من قرۃ اعین**۔ جو ان کے لئے چھپا کر رکھی گئی ہے آنکھوں کی ٹھنڈک۔

یہاں انسانوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ عجلت نہ کریں۔ وہ حق کو پہچانے اور اس کی قدر کرے اور اپنی حقیقت کو پہچانے کہ وہ مٹی سے بنا ہے اور ذکر اللہ میں محو و مستغرق رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو رتبہ اسے ملا ہے اس ہستی یا نور کی وجہ سے ملا ہے جسے حدیث قدسی میں ''**الانسان** ﷺ'' کہا گیا، آپ ﷺ کو جو رتبہ عطا ہوا، نہ وہ عرش رکھتا ہے نہ کرسی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ''میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں، اور سب مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں'' اگر انسان غور کرے تو کلام قدسی اس کی رہنمائی کرتی ہے ''**الانسان خرئن معرفتی** '' انسان کے وجود میں میری معرفت کے خزانے ہیں یہ وہ تعلیمات ہیں جو خلیفۃ اللہ آدم صفی اللہ سے گردش کرتی ہوئی نور مجسم ﷺ کے ذریعہ ہوتے ہوئے خلیفۃ اللہ خاتم ولایت محمد ﷺ کے ذریعہ انسان کو سکھلائی گئیں اور اس کی ابتداء جس مقام ہند سے شروع ہوئی اسی مقام ہند پر اس کی انتہا بھی ہوئی ہے۔ **ربک یخلق ما یشاءُ و یختار** '' تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور جسے چاہے پسند کر لیتا ہے۔ کیونکہ کائنات کی تخلیق کر کے انسان کو شرف بخشنے میں ایک راز

مضمر ہے" الانسان سری و انا سرہ۔ انسان میرا راز ہے میں اس کا راز ہوں" اور اس باب میں اسے کچھ بھی اختیار نہیں وہ بے بس ہے ۔ "یس لک من الامر شئی ۔ تیرے اختیار میں کوئی کام نہیں" اور "المرعہ مع من احبہ ۔ اور جس نے جس کو دوست رکھا وہ اسی کے ساتھ ہے" اور فرماتا ہے اللہ تعالیٰ "والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا ۔ اور جن لوگوں نے محنتیں کیں ہمارے (اللہ کے) راستے میں ہم ان کو ضرور دکھائیں گے اپنے راستے" اور اس کے لئے کیا کرنا ہوگا "و عدنفسک من اصحاب القبور ۔ گن اپنے آپ کو اہل قبور میں" ان تعلیمات کو جو انسان کو خدا کی بارگاہ میں مقرب بنانے کا ذریعہ ہیں وہاں سے عام کی گئیں جہاں سے آدمؑ کی ابتداء ہوئی ہے ۔ مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کریں اس میں توحید ہی توحید ہے ۔ بدعت وشرک کا شائبہ بھی نہیں ۔ دنیا میں آدمؑ کی حیات ۹۶۰ برس رہی ۔ اللہ تعالیٰ کے پاس نصف دن پانچ سو برس کے برابر ہیں ۔

عقد الدار میں محمد بن حنفیہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ "ہم علیؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے آپؓ سے مہدیؑ کے ظہور کے متعلق سوال کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا ھیات ھیات یعنی دور ہے دور ہے ۔ پھر اپنے ہاتھ سے نو کا عقد کیا پس فرمایا کہ وہ (مہدی) آخر زمانے میں نکلے گا سند ہے ۔ بیان کیا اس کو حافظ ابو عبداللہ سے مستدرک میں جامع الصغیر کی شرح میں جس کا نام مناوی ہے ۔ باب الف میں اس حدیث میں مذکور ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ بھیجے گا اس امت کے لئے ہر صدی کی راس (آخر) پر ایک شخص کو جو تازہ کرے گا اس کے لئے اس دین کو ۔ اس حدیث کی شرح مصابیح میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے مہدی مرد عزیز ہے اس کو صرف عارف ہی پہچانیں گے (جواہ التصدیق ص ۹) یہ وہ امامت ہے جس کے لئے خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی ۔ وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ. اور جس وقت آزمایا ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں میں تو پس پورا کیا ان کو' کہا (حق تعالیٰ نے) اُن سے کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا (امام) بناؤں گا، انہوں نے (ابراہیمؑ) کہا اور میری اولاد میں بھی امام بنائے"

کیا ہے ! یہ امامت اور کیسی ہے ! یہ امامت ؟ جس کو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر اللہ سے مانگ رہے ہیں ۔ اس کو جاننے کے لئے اس واقعہ پر نظر کرنی ہوگی جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے آدمؑ کی تخلیق پر بحث کی تھی اور بعد میں آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا گیا تا کہ فرشتوں کو ان کے اعتراضات کا عملی جواب مل جائے کہ دیکھو اللہ کا خلیفہ کیسا ہوتا ہے نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد بھی میرے محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے جان و مال کی بازی کیسے لگاتی ہے ۔ دنیا کو کیسے ٹھوکر مار کر میرے

احکام کو بجالاتی ہے۔

طبری نے ضحاک و ابن عباسؓ سے ''ان کنتم صادقین '' کا مطلب '' ان کنتم تعلمون ''، یعنی تم اگر علم رکھتے ہو کہ میں کس کو زمین کا خلیفہ بناؤں گا کے تحت بعض حضرات کا قول کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ اس لئے پوچھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی تخلیق کی ابتداء فرمائی تو فرشتے آپس میں کہنے لگے کہ ہمارا رب جو چاہے کرے، جو چیز بھی پیدا کرے گا وہ ہم سے زیادہ صاحب علم و فضل نہیں ہوسکتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں ہر چیز کا علم سکھایا تو ان اشیاء کو فرشتوں پر پیش فرمایا اور کہا اگر تم سچے ہو (زیادہ علم و فضل میں) تو ان اشیاء کے نام بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ صاحب فضل مخلوق نہیں پیدا کرسکتا (اس طرح فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کو مجبور سمجھ لیا تھا) اس دعوے کے ابطال کے لئے یہ کرنا ضروری تھا (طبری جلد اصفحہ ۲۳۷)

آدمؑ کے تعلق سے کہی ہوئی فرشتوں کی بات کو اولاد آدم انبیاء و مرسلین کے سلسلوں میں دہرایا اور پھر نور مجسم محمد ﷺ میں یہ تمام حسن و کمال کے ظاہر کیا اور دہرایا ہے اور پھر جونپور ہندوستان میں خاتم ولایت محمدیہ ﷺ میں مہدی موعود خلیفۃ اللہ کے اعلان دیدار باریٔ میں انتہا کو پہنچایا۔ پس اسی طرح علمائے سو اللہ تعالیٰ کو مجبور سمجھتے ہیں اور یہ طے کرلیا ہے کہ اس کا دیدار دنیا میں ممکن نہیں اس کو بعد از مرگ ہی دیکھیں گے۔ یعنی ان کا علم اور ان کی عقل اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زیادہ ہے (نعوذ باللہ) خلیفۃ اللہ کی بات ہے کیا۔ جیسا کہ فرشتوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہم سے زیادہ صاحب علم و فضل دوسری مخلوق نہیں ہوسکتی۔

یہی ہندوستان کے پہاڑ جہاں آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا۔ یہی ہندوستان جہاں پہاڑ پر کھڑے ہوکر آسمانوں میں فرشتوں کی عبادتیں اور مناجات سنا کرتے تھے اور یہی ہندوستان جہاں کبھی جنت کی ہوائیں چلی تھیں، یہی ہندوستان جہاں جنت کے میوے اتارے گئے تھے اور عصائے موسیٰ حجر اسود اتارا گیا تھا۔ یہی ہندوستان جہاں خلیفۃ اللہ تابع تام رسول اللہ مہدیٔ موعود آخرالزماں نے دیدار عام کی دعوت دی یعنی نور محمد ﷺ آدمؑ سے انبیاء و مرسلین میں گردش کرتا ہوا عرش بریں کے مقام پر ظاہر ہوتا ہے اور پھر ولایت میں گردش کرتے ہوئے ختم ولایت میں نوراً علی نور کی حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

قرآن کریم احادیث نبوی ﷺ اور مہدیٔ موعودؑ کی تعلیمات سے دیدار باریٔ کی جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ کچھ اس طرح بھی ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے ہیں کسی نے اچانک پیچھے سے آکر ہماری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ حیرت میں ہمارا دل و دماغ اس شخص کی شخصیت کے خط وقال

کھینچنے میں لگ جاتا ہے اور ہم اپنے خیال میں اور اپنے ہاتھوں سے چھوکر محسوسات کے ذریعہ پہچاننے اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ یہ فلاں ہے کبھی یہ اندازے ٹھیک اور کبھی نہیں ہوتے ہیں۔

اسی طرح دیدار باریٔ تعالیٰ کا معاملہ ہے جب ہم کائنات میں غور کرتے ہیں تو دنیا کے موجودات، حاضرات کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ بیکراں آسماں یہ وسیع سمندر یہ مرغزار یہ گلستاں یہ جنگل یہ بیاباں یہ صحرا یہ برف پوش ویرانے یہ انسانوں کا بے انتہا ازدھام، یہ پرند، یہ حشرات، کیڑے، مکوڑے، یہ لہلہاتے کھیت، یہ فصلیں، یہ چوپائے، یہ درندے، یہ پہاڑ، یہ ندیاں، یہ عمارتیں، ان کا بننا بگڑنا، انسانوں کی ترقی، زوال، آبادی، بربادی، جانداروں کا پیدا ہونا مرجانا، موجودات، غیر موجودات کا احساس ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ...... ہاں......! کوئی ہے جس نے ہماری آنکھوں پر ہاتھ رکھدیا ہے۔ ہم اسے جانتے بھی ہیں نہیں بھی جانتے۔ دیدار کی کوشش اسی حیرانگی سے باہر آنے کی کوشش ہے اور اسے پہچاننے کی کوشش ہے جس کی جستجو ہمیں حق کو حق اور ناحق کو ناحق کی پہچان کرانے میں مدد دیتی ہے۔ مہدیٔ موعود کی تعلیمات اور دعاؤں میں یہ کوشش صاف دکھائی پڑتی ہے ایسی ہی کوششوں، اعمال و ذکر میں دیدار باریٔ کا راز مضمر ہے جسے سمجھنے کی کوشش کا نام مہدویت ہے اور سمجھانے والے کو مہدیٔ موعود کہتے ہیں۔

قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ میں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے اور قابل غور بھی ہے کہ جب تک انسان نماز کی حالت میں ہوتا ہے وہ ان صنائے قدرت وعجائبات عالم میں محو ہوکر اپنے آپ سے محوئے گفتگو رہتا ہے لیکن جب نماز سے باہر آتا ہے تو وہی انسانیت کا جامہ زیب تن کر لیتا ہے۔ یقین وایمان کا یہ کراماتی سلسلہ ہے جو انسان کو دن میں پانچ اوقات میں دعوت فکر دیتا ہے۔ شائد ایسے ہی احساسات اور غور وفکر کے لئے رسول مقبول ﷺ نے نماز کو معراج المومنین فرمایا ہے۔

تعلیمات احسان کو ختم نبوت میں خاص کر کے ختم ولایت میں عام کرنے میں کیا حکمت پوشیدہ تھی؟ اس بات کو کچھ حد تک سمجھنے کے لئے حافظ محمد اسلم جیراپوری کی تاریخ قرآن کے ان سطور کو سمجھنا ہوگا جو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے اسلامی علوم کے استاد رہ چکے ہیں۔ انہوں نے تنزیل قرآن کے باب میں لکھا ہے کہ ’’قرآن کے ایک ہی بار نازل نہ کرنے (تھوڑا تھوڑا اتارنے) میں اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب و غریب حکمت مخفی ہے۔ وہ یہ کہ جب ایک چیز تھوڑی تھوڑی بتدریج ملتی ہے تو طبیعتیں اسے آسانی سے قبول کرتی چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم ایک ایک دو دو آیت کر کے اُترتا گیا اور لوگ اس کو تسلیم کرتے گئے۔ اگر ایک ہی بار اس کا نزول ہوجاتا تو ممکن تھا کہ بعض لوگ اس سے گھبرا جاتے۔ کیونکہ اس

میں بہت سے فرائض، اوامر اور نواہی ہیں جو ایکبارگی ملنے کی صورت میں دلوں پر بار ہو جاتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن کی وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں زیادہ تر جنت اور دوزخ کا ذکر تھا۔ جب لوگ مسلمان ہونے لگے تو پھر رفتہ رفتہ حلال اور حرام کے احکام اترنے لگے۔ اگر ایک ہی دفعہ سارے احکام نازل ہو جاتے تو ممکن تھا کہ لوگ ان کی تعمیل سے انکار کر دیتے۔ ''وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا '' اور قرآن کو ہم نے رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا نازل کیا کہ تو مہلت کے ساتھ پڑھ کر لوگوں کو سنائے (تاریخ قرآن صفحہ ۳۰ مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور)

وہ دور تنزیل قرآن اور نفاذ شریعت کا تھا اور وہ وقت ولایت کے امور یا حقیقت کے بیان کا متقاضی نہیں تھا۔ نیز حضرت مہدئ موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ بیان کیا جاسکتا ہے وہ سب شریعت ہے اور حقیقت بیان میں نہیں آسکتی (۲۲۶ نقلیات بندگی میاں عبدالرشیدؒ)

آدم علیہ السلام سے ابراہیم علیہ السلام اور خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت سے پہلے تک کعبۃ اللہ کا طواف کیا جاتا تھا جو عرش اعظم کے نیچے ہے۔ اور خاتم الانبیاء ﷺ کا ظہور ہوا تو سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے'' اور فرمایا اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے'' اور آگے فرمایا ''ایسے لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت''

اور جب خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو خود کو ''احسان'' کے پردے میں ظاہر کیا ''کہد وا ے محمد یہ میرا راستہ ہے جس پر بلاتا ہوں بصیرت (دیدار) کی بنیاد پر وہ بھی بلائے گا جو میرا تابع ہے'' (سورہ یوسف)

خلیفۃ اللہ مراد اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ حضرت مہدئ موعود علیہ السلام نے جب بھی اپنی خلافت اللہ کی حجت کو پیش فرمایا تو کلام اللہ کو پیش فرمایا جیسے ''حکم ہو رہا ہے کہ تابع سے مراد تیری ذات ہے (پس اپنے منصب مہدیت کو) ظاہر کر دے ورنہ تو نافرمان ہوگا اور چنانچہ (قرآن مجید میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تجھ سے حجت کریں تو کہدے (اے محمد ﷺ) کہ میں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے اور میرا تابع (بھی یہی کرے گا) (جز ۳ رکوع ۱۰)

اور فرمایا یہ قرآن میرے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ تم کو ڈراؤں اور وہ (بھی ڈرائے گا) جس (مہدی) کو یہ قرآن پہنچے (جز ۷ رکوع ۸) (نقلیات بندگی میاں عبدالرشیدؒ)

غرض مہدیؑ موعود علیہ السلام نے اپنی خلافت اللہ کو قرآن وحدیث کی حجت پر ہی پیش فرماتے ہوئے فرمایا ''**فمن اظلم ممن افتری علی الله کذبا**'' (جز ۸ رکوع ۴) جو شخص قرآن کے الفاظ کے مراد اپنی رائے سے بیان کرے وہ اس آیت (کی وعید) میں داخل ہے۔'' پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے (جز ۸ رکوع ۴) بندہ جو کچھ کہتا ہے اپنی رائے سے نہیں کہتا بلکہ اللہ کے بے واسطہ حکم سے کہتا ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے کذب کو ابال اسی پر ہی پڑے گا اگر سچا ہے تو تم پر اس (عذاب) کا کچھ حصہ تو عائد ہوگا جس کا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے۔

تاریخ اسلام میں یا آئمہ واولیاء اسلام کے کلام میں ایسا واضح اور سچا پیغام کسی نے نہیں دیا اگر آپ کی زبان حق پرست نے دیا تو اس کی حقیقت کی تائید غیبی بھی حق سے ہی ہوئی ہے۔ بندہ ہر چہ میگوید بہ رائے خود نمی گوید بلکہ بامر اللہ بے واسطہ میگوید اور فرمایا بندہ جو کچھ کہتا ہے اپنی رائے سے نہیں کہتا بلکہ اللہ کے بے واسطہ حکم سے کہتا ہے۔ بلا واسطہ تعلیم حق کے تعلق سے حافظ محمد اسلم جیراپوری تاریخ قرآن میں لکھتے ہیں کہ ''اصطلاح شرح میں وحی ان علوم الٰہیہ کا نام ہے جو ملا اعلیٰ سے نبی کے دل پر القاء کئے جاتے ہیں'' اور کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ بلا کسی توسط کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے اس کو وحی یا القاء کہتے ہیں'' اور لکھتے ہیں کہ ''نبی کو اللہ کا کلام سنائی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ نے طور پر ندا سنی تھی اور اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے وہ نبی کو اس کے ارادوں اور حکموں سے مطلع کرتا ہے'' ان وضاحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے خلیفوں کو بلا واسطہ تعلیم ہوتی ہے۔

جب آدمؑ زمین پر اتارے گئے تو ان کا قد آسمان تک تھا اور آج ان کی اولاد کا قد چند فٹ رہ گیا۔ مگر انہیں کی اولاد میں وہ ہستیاں گزری ہیں جن کا روحانی قد یا مقام، عرش اعظم کی وسعتوں میں فرشتوں کی محفلوں میں گونج رہا ہے۔ شائد اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا تھا ''**انی اعلمو ما لا تعلمون**'' اللہ تعالیٰ کے نبیوں رسولوں ولیوں خصوصاً سردار الانبیاء ﷺ اور خاتم الاولیاء علیہ صلوٰۃ تسلیم نے ثابت کر دکھایا کہ عرش ہو یا فرش اللہ تعالیٰ کی عبادت ذکر اور بندگی سے اس کائنات کو معمور کر دیں گے اور کیا بھی ایسا، متبوع ﷺ نے عرش پر اس کا دیدار کیا اور تابع نے فرش پر ثابت کیا کہ جو وہاں ہے وہی یہاں بھی ہے، سارا عالم اسی کا ہے، وہی اول وہی آخر وہی موجود وہی باقی اور سارا عالم فانی۔

الغرض فرشتوں پر بندگی کے مقام کو ظاہر کرنے کے لئے خلیفۃ اللہ آدم علیہ السلام کو جس سرزمین ہند میں اتارا گیا تھا اسی سرزمین میں بندگی کی انتہا کے اظہار کے طور پر خلیفۃ اللہ مراد اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا ہے۔000

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

مہدویت ایک پوشیدہ حقیت کیوں ؟

مہدویت ایک روشن حقیقت ہونے کے باوجود کیوں سکڑ اور سمٹ گئی؟ اگر ہم اس کا جائزہ لیں تو کچھ سچائیاں اور کڑوی حقیقتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک سچائی یہ ہے کہ مہدویوں کا سماجی وطبقاتی نظام دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک فقراء وتارک الدنیا کا گروہ، دوسرا کاسبین کا۔ اوالالذکر گروہ کا دنیا و کاروبار سے لینا دینا ہی نہ رہا وہ محض اپنے تیئں حقوق اللہ کی ادئیگی اور خوف خدا میں لرزاں وترساں رہا کرتے تھے اور جو علم دین انہیں حاصل تھا اسے اعمال ولایت کے اشغال واذکار کی جستجو میں صرف کردیتے۔ اس لئے ان کے ابلاغ، تبلیغ اور اصلاح کے محور دائرے تک محدود تھے۔ وہ! جنہیں دنیا ومتاع دنیا سے نفرت وحقارت تھی ان سے تحریر وتدوین اشاعت وبلاغت کی کوشش بے معنی لگتی ہے اور گروہ کاسبین! جن کا کام اپنے کنبہ اور برادران دائرہ کی مالی اعانت، کفالت اکل حلال کے ذریعہ کرنے کا ذمہ ہوتا تھا وہ محنت ومشقت کے ذریعہ اس ذمہ داری کی ادائیگی میں لگے رہتے تھے۔ ان دو گروہوں کے علاوہ وہ اشخاص یا وہ لوگوں کا گروہ جو ان دو طبقوں کے درمیان روزمرہ زندگی کے تجربات کا مشاہدہ اعمال وتعلیم اور محسوسات کے ذریعہ کیا کرتا تھا ان کے پاس وسائل اور رسائل کی کمی تھی کہ وہ اعمال واحوال کو رقم کرتے اور تشریح کرتے۔ اور ایک وجہ یہ بھی تھی یہاں کوئی نئی تاریخ یا طبقاتی کشمکش کو پیش کرنا نہیں تھا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں ہوا۔ مہدویت کی تاریخ اسلام کی تاریخ کا حصہ تھی۔ یہاں صرف اعمال کی اصلاح اور رسوم وبدعات کا قلع قمع کرتے ہوئے شریعت مطہر ﷺ کے ذریعہ دین کی اصل کو ختم ولایت محمد ﷺ کی اصل بنیادوں پر قائم رکھنا تھا اور ولایت محمد ﷺ کی جستجو میں منازل سلوک کی راہ میں جو بدعات اور خرافات اختیار کرلی گئیں تھیں اور شریعت محمد ﷺ کی بجاآوری میں جن امور کو اختیار کرنا تھا انہیں ترک کردیا گیا تھا اور جنہیں ترک کرنا تھا انہیں اختیار کرلیا گیا تھا۔ اس لئے وہ لوگ جو دین کے ذریعہ دنیا میں ملوث تھے انہوں نے مہدویت کو اپنی خباثتوں کے خلاف جانا اور عوام کو ورغلا دیا اس طرح عام مسلمانوں کا گروہ شش وپنج و شک شبہ کا شکار ہوتا چلا گیا اور لفاظی، طعن وطنز اور مقابلہ آرائی کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس طرح اعمال وعقائد مہدویہ کو قلمبند کرنے اور عوام الناس کی سچائی اور حقیقت سے روشناس کرانے میں بعد

کے مہدویوں کو نہ صرف مشکل پیش آئی بلکہ خود اپنے اور اپنی اولاد کے ایمان وعقیدہ کو مربوط ومضبوط رکھنے میں پریشانیوں کا سامنا ہوا ہے۔

اور ایک وجہ یہ بھی رہی کہ منکران مہدئ موعود علیہ السلام کے بے حقیقت اور بے بنیاد فتوں کے دفاع میں علمائے مہدویہ کا وہ طبقہ جو فقرا کا سبین کے درمیان سے میدان عمل میں آیا، وہ علمائے حق تھے جنہوں نے تعلیمات مہدئ موعود علیہ السلام کو قرآن وحدیث کی روشنی میں جانچا پرکھا اور قبول کیا تھا۔ انہوں نے حق کے دفاع میں اپنی پوری توانائیاں صرف کیں لیکن وہ صرف مصدقین کے ایمان وعقیدہ کو ہی منظّم ومربوط رکھ پائے اور اس کے ابلاغ تبلیغ میں دنیاوی وسائل اور مشکلات اور علمائے سؤ کا منظّم گروہ و اشرار لوگ ان کے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اس کے باوجود جس تندہی اور جانفشانی سے انہوں نے تعلیمات مہدیؑ کے اجزاء کو سمیٹ کر اکٹھا کر کے پیش کیا وہ آج ہمارے لئے کسی سرمایہ سے کم نہیں اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ بعد میں انہیں بکھرے اجزاء کی بنیادوں پر منافقین ومنکرین کا صد باب کرنے میں زمانہ حال کے محققوں اور علماء کو مدد ملی جس کا ثبوت ''کحل الجواہر'' اور ''مقدمہ سراج الابصار'' ہیں۔ ان دو کوششوں کے بعد اتنی مثبت اور مدلل کوشش پھر تحریر وتدوین کے باب میں مہدویوں میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ اس کی وجہ مہدویہ اہل علم کا مایوس کن، مجرمانہ اور احساس کمتری کا مظاہرہ رہا ہے۔

اس وقت ان حالات میں تعلیمات واعمال مہدویہ کا تقابلی جائزہ وقت کی اہم ضرورت ہے، جس میں تنقید وتکذیب کے پہلو سے درگذر کرتے ہوئے منکران مہدی موعود علیہ السلام کا قرآن وحدیث کے علاوہ علمائے حق واہل سنت والجماعت کی ان تحقیقات اور کوششوں کی روشنی میں موازانہ پیش کیا جائے جس کے ذریعہ بہت سارے حقائق سے ملت کے افراد کے ساتھ ساتھ امت کو بھی تعلیمات مہدئ موعود علیہ السلام کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ کیونکہ بہت ساری سچائیوں اور حقیقتوں کو مخالفین نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور بہت سارے بے ہودہ اور فرسودہ باتوں کو مہدویہ سے منسلک کر دیا ہے۔ ایسا پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ بھی ہوا ہے کبھی غیر مسلموں نے تو کبھی خود منافق نما مسلمانوں نے ایسا کیا۔ اس سلسلے میں مسلم مورخوں واقعہ نگاروں کے رہنما اصولوں کے تحت ہم آگے بڑھتے ہوئے اپنے عقیدہ وایمان کے معاملات کو صحابہ رسول ﷺ کی زندگیوں آئمہ صلحاء واولیائے کاملین کی قلمی کاوشوں اور تحقیقوں کے سیاق و سباق میں پیش کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں کسی مخالف کی نکتہ چینی کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ مہدویت کو سچائی سے

پیش کرنا ہمارا فرض اور ملت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی میں لکھا ہے کہ ''کون نہیں جانتا کہ مذاہب میں اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم اور ان کی بحث کتنی نازک ہے۔ اس لئے اس خارزار سے کسی آبلہ پاء کو سلامتی سے گذر جانا کس قدر مشکل ہے۔ تاہم کسی آبلہ کو ٹھیس لگے بغیر اس راستے کو طے کرنا ہے''

اور ان معاملات میں ان لوگوں سے ہوشیار رہنے کی سخت ضرورت ہے جو ملت کے کندھوں پر پیر رکھ کر اپنی مذہبی و سیاسی دکان داری چمکانے کے لئے کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے یہ دوغلے معیار کے لوگ ایمان والوں میں بھی اپنا مقام بنائے رکھتے ہیں اور بے دینوں میں بھی مقام و مرتبہ کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہ شریر و بدبخت، مخلصوں، واعظوں، قلم کاروں اور قومی خدمت گاروں کو ورغلاتے اور انہیں مجبور کرتے ہیں کہ یہاں کیا کہہ رہے ہو ذرا باہر جا کر مقابلہ کرو۔ اگر کوئی غیرت کا مارا یہ کرتا ہے تو یہی شیطانوں کے گروہوں کو اکساتے ہیں اور انہیں جملہ آور ہونے کی ترغیب دے کر یہ بدکردار بندروں کی طرح بیٹھ کر دانت دکھاتے اور کلکاریاں مار کر ہنستے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں، اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ ان کا کام معصوم اور ناعلم لوگوں پر تنز و استہزاد کرنا اور مخلص عقیدہ والوں کو نیچا دکھانا ہے اور شریروں اور بدبختوں کی امداد کرنا ہے۔ دراصل ان کو اس بات کا غصہ ہوتا ہے کہ ان بدبختوں کو رہبر و پیشوا کیوں نہ بنایا، ایسے بے ڈھنگے مخلص مسند نشینوں سے استہزاد کرتے دیکھے گئے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے تک انجمنیں اور قومی ادارے ملت کی دینی، دنیاوی و علمی امداد باہمی کا ذریعہ ہوا کرتے تھے ان کے ذریعہ بہت لوگوں نے علمی و دینی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ ان اداروں نے نمائندہ کردار ادا کیا۔ دینی کتب کی اشاعت مستحق طالب علموں کی امداد اور ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی تھی۔ بہت لوگوں نے فائدے حاصل کئے اونچے عہدوں پر پہنچے، نام کمایا اور جائز ضرورتوں کو پورا کیا۔

لیکن! اب ان انجمنوں اور اداروں کے سرپرست اور عہدے دار اٹھائی گیر، خوانچے والے، گاڑی بان اور دادا قسم کے لوگ ہیں جنہوں نے ان انجمنوں اور اداروں کو ذاتی ملکیت بنا رکھا ہے۔ انہوں نے انہیں اپنی روزی روٹی اور خود کی آن بان شان کا ذریعہ بنالیا ہے۔ بے غیرتی اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ قومی املاک اور امداد کو مزے سے لوٹ رہے ہیں، کوئی کچھ نہیں کہتا۔ اپنے ناپاک مقاصد کے لئے ایک آدھ وفادار اور صاحب حیثیت لوگوں کو چھوٹے موٹے عہدے دے کر اسے یرغمال بنالیا ہے۔ ان مخلص

اور پڑھے لکھے لوگوں کا حال یہ کہ جیسے کسی اڑتے کبوتر کو ٹھنڈے پانی کی دس بیس ڈبکیاں لگا کر پانی میں اچھی طرح بھگو کر انجمن اور ادارے کی طاق پر رکھ دیا گیا ہو اور وہ بے چارہ غیرت قومی کا لبادہ اوڑھے حیران و پریشان آنکھوں سے یک ٹک دیکھے جارہا ہے کہ یہاں کیوں آیا؟ کیسے آیا؟ کس لئے آیا؟ کہ اب اڑ بھی نہیں سکتا کہ غیرت وخدمت قومی سے پوری طرح بھیگ چکا ہے۔ پھڑ پھڑا بھی نہیں سکتا۔ اس کا حال بالکل ایسا ہے بولوں تو ماں مرجائے نہ بولو تو باپ کتا کھا جائے۔ اس مثل کی تفصیل یہ ہے کہ ایک میاں بیوی اور ان کا چھوٹا لڑکا تھا۔ شوہر بے کار اور ناکارہ تھا۔ بیوی بیچاری دوسروں کے گھر میں جھاڑو پوچہ، برتن دھو کر کنبہ کا گذارا کرتی مگر ستم بالائے ستم یہ کہ ہر دن شوہر کے کباب دارو کا بندوبست بھی کرنا ہوتا ورنہ بیوی کو بری طرح مارتا۔ یہ چھوٹا سا معصوم بچہ یہ سب دیکھتا۔ ایک دن شامت اعمال یہ کہ ماں بے چاری کو جو روزی ملی اس سے یا تو کنبے کا پیٹ بھرتا یا دارو کباب آتے۔ شام ہونے کو آئی وہ پٹائی کے ڈر سے لرزاں و ترساں گھر لوٹ رہی تھی تو دیکھا راستے میں ایک کتا مرا پڑا ہے، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس مردار کتے کا گوشت کاٹ لیا اور گھر لا کر پکانے لگی۔ یہ چھوٹا بچہ باہر جا کر حیران و پریشان بیٹھا ہوا تھا۔ محلے کے ایک بزرگ وہاں سے گذرے انہوں نے دیکھا کہ یہ معصوم بچہ اداس بیٹھا ہے۔ اس سے پوچھا بیٹا اداس کیوں بیٹھے ہوں کچھ بولو تو۔ بچہ بولا کیا بولوں چاچا! بولوں تو ماں مرجائے، نہ بولوں تو باپ کتا کھا جائے۔ ان کا لوگوں معاملہ اس شعر کے جیسا ہے

فیکٹریاں جتنی تھیں قرضدار کھا گئے	باقی جو بچا تھا رشتہ دار کھا گئے
بنایا میرا مزار اور مینار کھا گئے	کی بعد مرنے کے مجھ سے چیٹنگ

اس لئے قوم کے اشرار ہو، اغیار ہوں یا اٹھائی گیر ہوں، قابل اور مخلص لوگوں کو سامنے آنا ہے اور اپنی ذمہ داری نبھانا ہے اور حقوق العباد کا خیال کرنا ہے۔

اس حقیقت کا ملت کے افراد کو اقرار کرنا ہی پڑے گا کہ حیدرآباد کی سوختہ سرزمین مہدویہ کتب کی نشر و اشاعت، تحقیق و تدوین، تحفظ کتب، عقائد مہدویہ میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہے اور آج بھی اس ذمہ داری میں دوسرے مقامات کے مقابلے میں ایک قدم آگے ہی ہے اور ملت کے عقائد او ایمان کی آبیاری میں نمایاں کردار ادا کیا ہے جس طرح گجرات کی سرزمین نے ہمارے بزرگوں کے اقوال، اعمال اور قربانیوں اور دین و ایمان کے تئیں اپنا حق جو ادا کیا اس کی گواہ رہی ہے اور تو اور آج کے ترقی یافتہ دور

کی انتظام انٹرنیٹ کو بحسن وخوبی استعمال کرتے ہوئے جن کتابوں کو اسکین کر کے محفوظ کر کے ہمارے مطالعہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے وہ ایک قابل تحسین و مستحسن اقدام ہے۔ جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اور پہلے نور حیات اور اب نور ولایت نے اپنی صحافتی ذمہ داریوں کو بھی بخوبی نبھاتے ہوئے صحافتی روایت کو زندہ رکھا ہے۔ تحفظ، تدوین، ترویج، نشر و اشاعت اور صحافت کی ذمہ داریوں اور ان کی عملی تحریری و مالی مشکلات کا وہی اندازہ کر سکتے ہیں جو اس راہ گزار کی خاردار راہوں سے آبلہ پا گزرے ہیں اور سب سے بدبخت ترین رویہ ان افراد اور اداروں کا ہے جو ان کوششوں میں مالی امداد یا ان کے ہمت افزائی کرنے کے بجائے بے حسی اور مجرمانہ غفلت میں خواب غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ ہر مہینہ اخبار خریدنے اور ٹی وی ری چارج کرانے کے لئے تو ان کے پاس روپیوں کی کمی نہیں۔ زرسالانہ یا عقیدے کی ایک کتاب خریدنے کے لئے ان کی پاکٹ میں سوراخ ہوا جاتا ہے اور تو اور بے شرمی کی انتہا یہ کہ ایک کتاب لے کر کئی لوگ پڑھ کر اپنا قومی فرض ادا کر لینے میں ہم کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ اس ذہنیت کو بدلنا چاہیئے۔ اگر بے لوث خدام ملت کو دیکھنا ہو تو ایک مثال انعام الرحیم خان مہدوی کی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دیدار سے مشرف کرے اور کوئی کچھ بھی کہہ لے میں ایک حقیقت کا اعتراف ضرور کروں گا کہ مہدویت کی اشاعت و تشہیر میں پٹھانوں کا بڑا حصہ رہا۔ خصوصاً حیدرآباد کے اور جس طرح چنگیز خاں کی فوجوں نے اس وقت کے مرکز اسلام بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی، لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور قیمتی کتب خانے جلا دینے کے بعد اس کی اولاد نے مذہب اسلام قبول کر کے اسلام کی قوت کا سبب بن گئے اور برصغیر اور ایشائے کوچک میں پھر سے اسلام کا جھنڈا مزید بلندی سے لہرادیا۔ علامہ اقبال نے اسلام کی اس تاریخی حقیقت کا اعتراف اس طرح کیا تھا۔ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

کچھ کچھ ایسا ہی حال ان مہدی موعودؑ کے عاشقوں کا رہا ہے۔ یہ کوئی لب کشائی نہیں ایک حقیقت ہے۔ اس بات کو خاندانی بڑائی میں نہیں تاریخ کے صفحات کے تناظر میں دیکھنا ہوگا۔ قومیں زندہ رہتی ہیں۔ اپنی شاندار تاریخ ماضی سے اور ان کے آج کے متحرک اور حساس افراد قوم سے جو لوگ یاسیت، مایوسی اور دوسروں کی برتری مان کر خود سپردگی کی ذلت گوارہ کر لیتے ہیں وہ تاریخ عالم میں ذہنی غلامی کا طوق خود اپنے گلے میں پہن لیتی ہیں اور وہ دوسروں کے سامنے بے بس اور خود کو ذلیل محسوس کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ایک دائرہ دوسرے سے اس قدر کٹا ہوا ہے کہ تعلق اور

ربط کی بات ہی کیا۔ ایک دوسرے کے تیئں برتری اور کمتری کا مظاہرہ اور مقابلہ کرنے میں سبقت لے جانے کی ہوڑ رہتی ہے۔ اس طرح جو تھوڑے بہت ازدواجی رشتے کبھی ہوا کرتے تھے ان پر بھی اب لگام کس لی گئی ہے۔ اہل علم وعمل کے رابطے بیٹھکیں، مفکران ملت کے تعلقات، بحث ومباحث کی مجلسیں، اصلاح وتبلیغ کی کوششیں اب قصہ ماضی بن چکے ہیں۔

مہدویت محض ایک عقیدے کا نام نہیں ہے۔ ایک انقلاب اور ایک دینی ولولے کا نام ہے جس نے تاریخ اسلام میں ایمانی وعملی روح پھونک دی تھی۔ دنیائے اسلام کو خواب غفلت سے جگایا، بدعات ورسوم کا بزورعلم وعمل مقابلہ کیا۔ اس کا دیکھا دیکھی اسلام میں ایک نئی تحریک اور نئی سوچ پیدا ہوئی تھی۔ مہدویوں کے علم وعمل کے غلغلے کو دیکھتے ہوئے مغل شہنشاہ اکبر کو کہنا پڑا تھا کہ ''میں مہدویوں کے ایمان کے برملا اعلان حق اور رافضیوں کے پوشیدہ کرنے سے پریشان ہوں'' کوئی وقت تھا متقی پرہیزگار شخص کو دیکھ کر مہدوی ہونے کا گمان کیا جاتا تھا کیونکہ مہدویوں کا تقویٰ پرہیزگاری خود خدا اور اللہ تعالیٰ کے آگے خودسپردگی اپنی مثال آپ تھی اور آج دوسروں کے ظاہری جھول جھال کو دین سمجھ لیا گیا ہے۔

اس گلشن ہستی کا ہر رنگ نرالا ہے ۔۔۔ جب رونے لگی شبنم پھولوں کو ہنسی آئی

غیرمسلموں کا بھی عرصہ دراز تک اسلام کے متعلق معلومات اس لئے نہ ہوسکی کہ ان کے پاس بانی اسلام، مذہب اسلام اور تاریخ اسلام کے تعلق سے کوئی معروف ترجمہ یا کتاب نہیں تھی حالانکہ ۱۷۸ ہجری میں بغداد میں کاغذ کا کارخانہ قائم ہوچکا تھا لیکن محدود ذرائع اور ناکافی وسائل کتابوں کی اشاعت کثیر میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ بعد میں یوروپ نے اسلام سے متاثر ہوکر ترقی، تحقیق وجستجو کی راہ اپنائی تو وسائل کی دستیابی نے تراجم وتشہیر واشاعت کے نئے راستے کھول دیئے اور ہر قسم کے علوم کا ترجمہ ہونے لگا۔ تب جا کر اہل یوروپ کو اسلام کے بارے میں کچھ کچھ معلومات حاصل ہونے لگیں۔ مگر یوروپین محققوں نے جہاں سے ابتداء کی انہوں نے سب سے پہلے واقدی کی تاریخ کو اپنا مرکز تحقیق بنایا کیونکہ واقدی کی تحریر میں ایک تسلسل منظرکشی اور افسانویت کی چاشنی تھی جبکہ واقدی کو علمائے اسلام کا کثیر طبقہ کذاب مانتا ہے۔ وہ اس لئے کہ اس نے بلاتحقیق واقعات کو بغیر جانچے پرکھے ضبط قلم کردیا اور واقعات کو اس طرح رقم کیا کہ جیسے وہ خود موقعہ اور مقام پر حاضر رہا ہو یہی بات اس کے کذب کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھی جبکہ علمائے اسلام نے تاریخ اور واقعات کو قلم بند کرنے کے لئے جو اصول علم

الرجال کے وضع کئے تھے اس میں کذب بیانی اور افسانہ گوئی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ یہی بات اقوام عالم میں مسلمانوں کو ممتاز کرتی ہے کیونکہ انہوں نے تاریخ اور سیرت بیان کا جو معیار اختیار کیا اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور وہ خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے لوگ تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی ذہن تھے یا دقیق بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزوی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں۔ ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائی، جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہ تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے، ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا عظیم فن ایجاد ہوا (سیرت النبی)

مگر اس قسم کا موقعہ جب دوسری قوموں کو پیش آیا اور کسی زمانے کے حالات مدت کے بعد قلم بند کئے جاتے تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا کہ ہر قسم کے بازاری افواہیں قلم بند کر لی جاتیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے جو قراین و قیاسات کے مطابق ہوتے، تھوڑے عرصے کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخ بن جاتی۔ یوروپ کی تاریخی تصانیف اسی اصول پر لکھی گئیں (سیرت)

شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی میں لکھا ہے کہ ''یورپ ایک مدت تک اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا، جب اس نے جاننا چاہا تو مدت دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات میں مبتلاء رہا۔ ایک یوروپین مصنف لکھتا ہے ''عیسائیت اسلام کے چند ابتدائی صدیوں تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کر سکی اور نہ سمجھ سکی وہ صرف تھراتی اور حکم بجالاتی تھی......ایک دوسرا فرانسسی مصنف ہنری دی کاسترو بیان کرتا ہے'' وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یوروپ میں قرون وسطی میں رائج تھے ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان انہیں سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں، مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض وعداوت سے بھری ہوئی ہیں جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں۔ ہر مسیحی شاعر، مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست

سمجھتا ہے اور حسب ترتیب درجات ان کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے۔ ماہوم یا ماہون یا نافومیڈ (یعنی محامٹ) اور اوپلین اور ٹراگامان۔ ان کا خیال تھا کہ محمدﷺ نے اپنے مذہب کی بنیاد دعوائے الوہیت پر قائم کی۔ اور سب سے عجیب تر یہ کہ محمدﷺ (وہ محمدﷺ جو بت شکن اور دشمن اصنام تھا) لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا۔

ایک اور جگہ یوں ہے "اسپین میں جب عیسائی مسلمانوں پر غالب ہوئے اور ان کو سرقوسطہ کی دیواروں تک ہٹا دیا تو مسلمان لوٹ کر آئے اور اپنے بتوں کو انہوں نے توڑ ڈالا، اس عہد کا ایک شاعر کہتا ہے۔ اپلین، مسلمانوں کا دیوتا وہاں ایک غار میں تھا اس پر وہ پل پڑے اور اس کو نہایت سخت وسست کہا اور اس کو گالیاں دیں اور اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اس کو سولی دی، اور اس کو پاؤں سے روند ڈالا اور لاٹھیوں سے مار مار کر اس کے تکڑے کر ڈالے۔ اور ماہوم کو (جو ان کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڑھے میں ڈالدیا اس کو سوروں اور کتوں نے نوچ ڈالا، اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہیں ہوئی تھی اس کے بعد مسلمانوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اپنے دیوتا سے معافی مانگی اور از سرنو تلف شدہ بتوں کو بنایا۔ اسی بنا پر جب شہنشاہ چارلس سرقوسطہ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ تمام شہر کا چکر لگائیں وہ مسجدوں میں گھس گئے اور لوہے کے ہتھوڑوں سے ماہومیڈ کے اور دوسرے تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔

مارگولیس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرتﷺ کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب وافترا اور تاویل وتعصب کی مثال کے لئے پیش نہیں کر سکتی۔ اسکا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہو سکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہے۔ (سیرت النبی حصہ اول) یہ وہی مارگولیس یا مارگولیت ہے جس نے احادیث مہدی کو بنی فاطمہ کی وضع کردہ مانتا ہے اور سر سید احمد خان نے بھی مہدی لفظ کو وضع کردہ مان کر مہدیٔ آخرالزماں کے وجود کا انکار کیا تھا جس کا تفصیلی ذکر محقق مہدویہ سید یعقوب بزمی علیہ الرحمہ نے مقدمہ سراج الابصار میں کیا ہے۔

کیا غیر مہدویہ، یا منکران مہدئ موعودؑ بھی اسی غلط فہمی اور غلط تاویلات کا شکار نہیں ہیں؟ یا بغض وعناد میں کذب وافتراء کی تمام حدود کو پار نہیں کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا آج کے مہدویہ اہل علم کی یہ مجرمانہ تساہلی اور غلط فہمی کا نتیجہ نہیں ہے؟ کیا یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ''فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (اللہ کی راہ میں وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے)المائدہ ۸ع۔ خود کو اپنے علم وعمل اور قلم سے مدافعت کا حوصلہ نہیں پاتے۔ کیا انسان کو حیات دیئے جانے کا مطلب جانوروں کی طرح غلہ کھائیں گے اور گوبر کریں گے۔ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور امام آخرالزماں مہدئ موعودؑ کے تئیں ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا حقوق العباد کے متعلق بروز محشر سوال نہیں ہوگا، کیا خود کی نماز روزہ حج ہی سب کچھ ہے اصلاح امت یا ملت بھی ایک عبادت نہیں ہے اور یہ تو عظیم عبادت ہے کیونکہ یہ انبیاء اولیاء وصالحین اور خلیفتہ کا طریقہ ہے جس میں اللہ تعالی کی رضا ہے۔ مگر نہیں!!! کیا کریں غیرت قومی ہم میں ناپید ہو چکا ہے۔

ہم تو ڈوبیں گے صنم   تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' **ادع الی سبیل ربک بالحکمت والموعظة الحسنة و جادلھم بالتی ھیی احسن**'' بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اوران سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو (سورہ نوح)

ہاں مگر اس راہ میں مشکل ضرور ہے، کیونکہ اہل دنیا کا معاملہ کچھ اس طرح ہے کہ ان کو کسی بھی عمل میں فوری نتیجہ چاہیئے، اللہ کا حکم اور علم الغیب ان کے لئے بے معنی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے ''اسلام قبول کرنے کے بعد ہم تم میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں دیکھ رہے ہیں جو تمہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہو، تم جیسے تھے اب بھی ویسے ہی ہو (سورہ ہود)۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''انہیں اس حال میں چھوڑ دیجئے کہ وہ کھائیں اور زندگی کے اسباب سے فائدہ اٹھائیں اور دنیا کی خواہش انہیں غفلت میں مبتلاء کردے پھر عنقریب ان کو سب حقیقت کا علم ہوجائے گا''

تعریف کی غرض سے یا تنقید کے ڈر سے کوئی کام کیا جائے تو یقیناً نا قبول ہوگا۔ ہاں! حقوق العباد کی ادائیگی مقصد ہو تو یہ بارگاہ خداوندی میں ضرور قبول کیا جائے گا۔ ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ہماری قومی میراث کی تلاش وجستجو کے لئے کحل الجواہر ہو یا مقدمہ سراج الابصار ہو یا ایسی ہی کوئی پر خلوص

کوشش ہو ہمارے لئے مشعل راہ نہیں ہوسکتی جس کے ذریعہ ہم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے نئی شہادتیں اور نئے ثبوت اکٹھا کرسکیں۔صرف بات کو سمجھ لینا اور اپنے زعم میں مبتلاء ہوجانا کہ ہاں میں بہت کچھ جانتا ہوں کیا غرور وتکبر کی علامت نہیں ہے؟ بات کو صحیح سمجھنا اور امت تک پہنچانا عین اصلاح و تبلیغ اور دینداری ہے، یہی مہدویت کا اصول ہے اور مقصد بھی ہے۔

حضرت خاتم الانبیاء محمد الرسول ﷺ کو دنیا سے پردہ فرما کر چودہ سو سال گذرے ہیں اور امام آخر الزماں حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو دنیا سے رخصت ہوئے پانچ سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا۔اگر تاریخی، ایمانی اور عقیدہ و مذہب کے لحاظ سے علمی و قلمی کاوشوں کا جائزل لیا جائے تو حیران کن نتیجہ سامنے آتا ہے۔اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اسلام کا پیغام تمام نوح انسانی کے لئے تھا اور خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کا بیان مخصوصہ تھا پھر بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تاریخ مہدویہ یا اعمال وعقائد مہدویہ کا ضروری حصہ کیوں نہیں تراشا گیا؟ اس کی تدوین وتدریج کا اہتمام کیوں نہ ہوسکا۔کیا ملت مہدویہ میں صرف فقراء و کاسبین ہی رہ گئے تھے۔علماء فضلاء پیدا ہی نہیں ہوئے جبکہ مہدویت قبول کرنے والوں میں وقت کے جید عالم و فاضل بھی ہیں۔بعد کی کوششیں جیسے کحل الجواہر اور مقدمہ سراج الابصار مخالفوں کے جواب میں لکھی گئیں پھر بھی تحقیق وجستجو کے معیار میں اپنی مثال ہیں۔ان کے بعد بھی انہیں خطوط پر کوئی اور کوشش کیوں نہ ہوسکی جو قومی اور علمی خزانے میں اضافے کا سبب بن سکتی تھی۔

ہم نے جن ہستیوں کا ذکر ذیل میں کیا ہے امت مسلمہ کو ان کی علمی اور قلمی دولت کی دین کو مثال بناتے ہوئے ملت کے باشعور پر مغز اور ذمہ دار عالموں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ چودہ صدیوں میں علمی دولت کا جو ذخیرہ ان ہستیوں نے چھوڑا ہے، اس خزانہ عظیم سے مہدویت کی پانچ صدیوں کی میراث کو کیوں نہیں تلاشا جاسکتا اور ولایت مخصوصہ کے موتی کیوں نہیں تلاش کئے جاسکتے۔اس ضمن میں ہمیں اپنی معلومات یا تحقیق کا ڈھنڈورا نہیں پیٹنا ہے۔مقصد ہے امت اور ملت کے سامنے وہ معاملات اور علم ظاہر ہوجائے جو ولایت محمدیہ ﷺ کا خاصہ ہے۔ہمیں امید ہے ملت میں ایسے لوگ ہیں جو خزانۂ اسلام سے ایسے ثبوت وشواہد پیش کرسکتے ہیں جو ہمارے لئے اور ہماری نسلوں کے لئے راہ نجات کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

یہاں ہم اہل ایمان و اسلام کی چند کوششوں کو پیش کرتے ہیں جس سے قرآن، حدیث، تاریخ، فقہہ، مذہب وعقیدہ کو سمجھنے میں امت مسلمہ اور دنیا کو مدد ملی اور! ہم بھی ان سے استفادہ حاصل

کر سکتے ہیں، کیا قرآن کریم ہمارے لئے مشعل راہ نہیں ہے اور اس میں بیان کردہ واقعات دین و ایمان کے تقابلی جائزہ کے طور پر نہیں پیش ہوئے اور احادیث کا خلاصہ اور پیشین گوئیاں دین و ایمان کے معاملات کو سمجھانے کے لئے نہیں ہیں۔ معلمین اسلام کے طور پر جو ہستیاں سب سے پہلے میدان عمل میں آئیں ان میں ام المومنین حضرتہ عائشہ صدیقہؓ ،عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ ابن عمرؓ،عبداللہ بن عباسؓ ،ابو ہریرہؓ ،انسؓ ، جابرؓ اور وہ صحابہ رسول ﷺ جن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ان کے علاوہ فن سیرت کے ارکان ومحدثین جیسے عروہ بن زبیر بن ابو بکرؓ ۹۴ھ، شعبی ۱۰۹ھ، وہب بن منبہ ۱۱۴ھ، عام بن عمر بن قتادہ تابعی ۱۲۱ھ، محمد بن مسلم بن شہاب زہری ۱۲۴ھ، یعقوب بن عتبہ ۱۲۸ھ، موسیٰ بن عقبہ ۱۱۴ھ، ہشام بن عروہ بن زبیر ۱۴۶۔۲۱۳ھ، محمد بن اسحاق بن یسیار المطلبی ۱۰۱۔۱۵۰ھ، عمر بن راشد الاذدی ۱۵۲ھ، علی بن مجاہد الرازی الکندی ۱۸۰ھ، محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ اور فقہا و تابعین جیسے ابن شہاب زہری ، یحیٰ بن سعید انصاری، زید بن اسلم ، ربیعہ ،ابو زنا دان کے علاوہ امام مالک بن انسؓ ۹۳۔۱۷۹ھ (موطاء)، امام احمد بن حنبل ۱۶۴۔۲۴۱ھ (مسند حنبل)، محمد بن سعد ۱۶۸۔۱۳۰ھ (طبقات سعد) محمد بن اسماعیل بخاری ۱۹۴۔۲۵۶ھ (صحیح بخاری) ابو داؤد سلمان اشعت سجستانی ۲۰۲۔۲۷۸ھ (ابو داؤد) امام مسلم بن حجاج ۲۰۶۔۲۶۱ھ (صحیح مسلم)، عبداللہ محمد بن یزید القروینی ۲۰۹۔۲۷۳ھ (ابن ماجہ)، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی ۲۱۴۔۳۰۳ھ (نسائی)، ہشام بن محمد الکلبی ۲۰۴ھ، ابی جعفر محمد بن جریر الطبری ۳۱۰ھ (تاریخ طبری)، امام بغوی ۴۳۳۔۵۱۰ھ (مصابیح السنہ)، امام تبریری ۳۷۷ھ (مشکواۃ المصابیح)، ترمذی ۲۷۹ھ، حافظ ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری ۳۷۳ھ (المستدرک)، عماد الدین ابن کثیر ۷۰۷۔۷۷۴ھ، جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی ۸۴۱۔۹۱۱ھ (در منثور) عبدالرحمٰن ابن خلدوون ۷۴۲۔۸۰۸ھ (تاریخ ابن خلدون)، عبدالرحمٰن جامی ۸۱۷۔۸۹۴ھ (شواہد النبوہ)، امام اعظم ابوحنیفہ ۸۹۔۵۷ھ، امام شافعی ۱۵۰۔۲۰۴ھ، امام مالک ۹۳۔۱۷۹ھ، امام احمد بن حنبل ۱۶۴۔۲۴۱ھ، امام غزالی ۴۵۰۔۵۰۵ھ وغیرہم ہیں۔

یہ وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے مذہب اسلام کی بنیاد کی ایک ایک اینٹ محنت مشقت اور تندہی سے جمع کیں اور آنے والی نسلوں کے سامنے بے مثال خزانۂ علم پیش کیا جس کی بدولت آج اسلامیات کا ایک معمولی طالب علم بھی مستفید ہوتا ہے جو اسلام کی چودہ صدیوں کے علمی ورثہ کے علاوہ اقوام عالم

کے تمام نوع انسانی کے حالات اور کیفیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس میں پیغمبروں کے حالات کا قرآنی ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ ان کتب کے مطالعہ کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام روئے زمین کی سیر قرآن کریم کے مطابق کر کے دیکھی جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''تم زمین پر گھوم پھر کے دیکھو کہ ہم نے نافرمانوں کا کیا انجام کیا۔

قرآن کریم کا اور ان تمام کتب کا مطالعہ کرنے پیغمبروں کے حالات اور ان کی شریعتوں پر نظر کرنے کے بعد خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت مطہرہ کی کیفیت معلوم کرنے سے یہ معاملہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولایت کی ختمیت کا مقام کیا ہے؟ اور اس میں خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کی بعثت کا جواز پوری طرح روشن ہوجاتا ہے۔ جس طرح انبیاء سابقین کی شریعتوں کا سلسلہ شریعت خاتم الانبیاء پر موقوف ہے اسی طرح ولایت خاتم الانبیاء کا سلسلہ جو آپ ﷺ کی توسط سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ سلسلہ بہ سلسلہ چلا تھا مثلاً طیفوریہ، نقشبندیہ، قادریہ، شادلیہ، رفاییہ، سہروردیہ، کبراویہ، ملاویہ، چشتیہ، قلواتیہ، یشروتیہ، بداویہ۔ ان تمام کا اختتام خاتم ولایت علیہ السلام سے ہے۔ جس طرح نبوت کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوکر محمد ﷺ پر ختم ہے اسی طرح ولایت محمدیہ ﷺ کی ابتداء آپ ﷺ کے توسط سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوکر مہدیٔ موعود آخرالزماں پر ختم ہے۔ اس کی ابتداء کعبہ کے ظاہری بتوں کو گرانے سے شروع ہوتی ہے اور باطنی بت نفس امارہ کی نفی پر ختم ہوتی ہے۔

روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ ؓ کے ساتھ خانۂ کعبہ میں تشریف لے گئے جہاں بعض ایسی جگہ بت رکھے ہوئے تھے کہ ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے کندھوں پر پائے اقدس رکھ کر ان بتوں کو نیچے گرا دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ائے علی! کہ تم بار نبوت کے متحمل نہیں ہوسکتے اس لئے تم اپنا پاؤں میرے کندھوں پر رکھ کر چڑھو۔ حضرت علیؓ نے ارشاد نبی کی تعمیل کی بتوں کو نیچے گرا دیا۔ دریں اثناء حضور ﷺ نے امیرالمومنین حضرت علیؓ سے پوچھا کہ اے علی! تم اپنے آپ کو کیا محسوس کرتے ہو؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا حضور ﷺ تمام حجابات دور ہوگئے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ میرا سر عرش معلیٰ پر ہے۔ میں جس پر ہاتھ دھرتا ہوں کھینچ لیتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا کہنے اس ساعت کے جس میں تم حق کا کام کر رہے ہو

اور میں کتنا خوش حال ہوں کہ میرے شانوں پر بار حق ہے۔

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ میں 'علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ'

یہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ 'انا' کا بت جو ہمارے اندر موجود ہے اسے گرانا، ولایت محمدیہ ﷺ کی سعی و جستجو کے ذریعہ اس نفس امارہ کی نفی کرنا اور رسول ﷺ کے اعمال مخصوصہ پر عمل کرنے کی کوشش کرنا حق کا کام کرنا ہے اور رسول مقبول ﷺ نے حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو نہیں بلکہ علی رضی اللہ کی توسط سے اور آپؓ کی اولاد میں جو خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کے سلسلے کا دور چلنے والا تھا یا اللہ تعالیٰ کو پانے اس کی قربت حاصل کرنے کے لئے محنت مشقت اٹھائی جانے والی تھی اور اللہ تعالیٰ کے دیدار میں خود کو فنا فی اللہ کی حد تک امت کے خواص کے گذر جانے کا مشاہدہ فرمایا تھا اور اس بار کو اپنے مقدس کندھوں پر اٹھا کر خوشی محسوس فرمائی تھی۔ ظاہری بتوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے گرادیا، مخفی بتوں کو جو انسان کے نفس میں پوشیدہ ہوتے ہیں ولایت محمدیہ ﷺ کے طریقوں اور سلسلوں میں سرنگوں کرنے کی تربیت دی گئی اور ولایت محمدیہ ﷺ کے خاتمؑ نے ان سلسلوں اور طریقوں کے ذریعہ داخل ہوئی انسانی نفسانی خواہشوں اور بدعات و رسوم کا صد باب کیا اور منزل عرفان 'دیدار' کی طرف رہنمائی کر کے امت کو حب خدا اور طلب خدا کی طرف راغب کرتے ہوئے اطاعت و بندگی کے مقامات عالیت کے رہنماء اصول بتائے جن پر چل کر گروہ پاک کے خواص و عوام نے حضرت محمد ﷺ کی ولایت مخصوصہ کی ختمیت کا ثبوت بہم پہنچایا، کہ ہاں! مہدئ موعود آخرالزماں کی آمد کا وعدہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا تھا اس کا منتہیٰ 'دیدار باری تعالیٰ' کے سواء اور کیا ہوسکتا ہے یعنی جو اس دنیا میں بینا ہے وہ آخرت میں بھی بینا ہے اور جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا۔ بزرگان مہدویہ نے عملی طور پر وہ کر دکھایا جو انہیں کا حصہ تھا مگر! موجودہ دور کے علماء کا عمل کیا کچھ بھی رہا ہو۔ علمی کوششیں بھی نہیں کے برابر ہیں۔ اب ارباب اہل علم کو میدان علم میں اپنے قلم کے جوہر دکھانے کی ضرورت ہے اور ارباب عمل کو میدان عمل میں اصلاح مومنین اور تربیت مصدقین کے لئے آگے آنا ہی ہوگا۔ اگر مسند نشین خلوص نیت کے ساتھ آگے بڑھیں گے تو یہ ممکن نہیں کہ ملت ان کا ساتھ نہ دے۔ اگر یہ کوشش مجتمع نہیں تو نہ صحیح ایک ایک مسند نشین اور ہر دائرہ اپنے اپنے انفرادی ذریعوں کو استعمال کر کے اپنے حلقے کی اصلاح کا بیڑا اٹھا سکتا ہے۔ مگر اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ڈل مل یقین کے ابن الوقت لوگ اس عمل اور

مقصد کو ہائی جیک نہ کر پائیں اور موجودہ اور آنے والی نسلیں کم فہمی، یا سیت اور عینی خلجان کا شکار نہ ہوں ۔ ہمارے بکھرے ہوئے منتشر احوال واقوال کو سمیٹ کر ایک نئی ترتیب دینے کی ضرورت ہے اور ملت کے افراد کو ان خودساختہ مولوی کا ملوں مفتیوں اور بے ڈھنگوں سے جو خود کو مجتہد سمجھکر ایمان عقیدہ کو طاق پر رکھتے ہوئے، دوسروں کی اقتدا کی اجازت کا پروانہ دیتے ہیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ان کی اس بے دین رخصت کی وجہ سے لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ کیا ہم حج کو جا کر اتنی بڑی نماز کی جماعت چھوڑ دیں ہم پوچھتے ہیں کیا نماز با جماعت حج کا رکن ہے؟ جب رسول مقبول ﷺ کے حکم کا خلاف کیا جارہا ہے تو ایمان ہی کہاں سلامت رہ گیا جو نماز قبول ہوگی ۔''**قالا لنبی** ﷺ **من انکر مهدی فقد کفر**'' اور قرآن کہتا ہے جھٹلانے والوں کو اطاعت حرام ہے'' تم جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرو'' (جز ۲۹ رکوع ۳) اگر ہم سید محمد جونپوری کو مہدیؑ موعود آخرالزماں مانتے ہیں اور اس کے بعد بھی ان کے انکار کرنے والوں کی اطاعت کرتے ہیں تو کیا ہم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول ﷺ کے فرمان کے موجب کفر کا راستہ نہیں اختیار کررہے ہیں؟ اس طرح ہم دوہرے گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے؟ پھر ہماری نماز، نماز کہاں رہی ایمان کہاں رہا؟ ایک اور جگہ فرمایا'' اے لوگوں ایمان لا چکے ہو (اس کے بعد) اگر تم تو اہل کتاب سے کسی فریق کی پیروی کرو گے، تو وہ تمہارے ایمان کے باوجود تم کو کفر کی حالت کی طرف پھیر دیں گے'' (جز ۴ رکوع ۱)

قرآن کا پیغام صاف ہے۔ ایمان لانے کے بعد اہل کتاب کی پیروی کرنا کفر کی طرف پلٹ جانا ہے تو کیا اہل قرآن میں ایسے لوگ، ایسے فرقے اور گروہ نہیں ہیں جو ہمارے ایمان میں نقب لگاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت ستائیس درجے ثواب کی نیت سے نہیں ۔ ایک مقبولہ سجدے کی نیت ہونی چاہیئے ۔ کونٹر اور میٹر لگا کر نہیں ۔ اگر منافقت کو اختیار ہی کرنا ہے تو سیدھے انکار کرنے والوں کے زمرے میں کیوں نہیں چلے جاتے ۔ دو گھوڑوں کی سواری کیوں؟ اس سے ظاہر ہے تمہارا وجود خود دو حصوں میں بٹ گیا ہے ۔ نہ دین کے نہ دنیا کے ۔ کیا ادھر جاؤں یا ادھر جاؤں ۔ ایسے لوگوں کے مہدویت سے چلے جانے سے آمام آخرالزماں مہدیؑ موعود کے خلیفتہ اللہ ہونے پر کوئی اثر پڑھنے والا نہیں ۔ اگر روئے زمین پر صرف ایک سچا اور یقین والا مہدوی بھی باقی رہے گا تو آپ علیہ السلام خلیفتہ اللہ مامور من اللہ ہی ہونگے ۔ کیونکہ پیغمبروں میں ایک ایسے نبی بھی گذرے ہیں جن کا ایک ہی امتی تھا۔

پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں نبی قرار دیا اور ان کے انکار کرنے اور حکم عدولی کرنے والوں کو کافروں میں گردانا ہے اور جن کے حصے میں ایمان و احسان کی دولت ہے، وہ ان بکھرے اجزاء سے اپنے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے خدا کی قربت کا راستہ معلوم کرلیں گے اور جن کی قسمت میں دین و دنیا میں اندھیرا مقدر ہو چکا ہو وہ دنیا میں بھی اندھے رہیں گے اور آخرت میں اندھے رہنے کے ذریعہ دنیا میں خود تلاش کرلیں گے۔

جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لائے، ان کو اللہ تعالیٰ بھی راہ پر نہ لاویں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی (النمل ع ۱۴)

مہدویت کا دریا ساڑھے پانچ سو سالوں سے بہے جارہا ہے، ایمان والوں کی پیاس بھی بجھا رہا ہے اور اسلام کی کھیتی کو سیراب بھی کررہا ہے لیکن اس کے اطراف واکناف میں کبھی کبھی کچرا، کوڑا، کرکٹ بھی جمع ہوجاتا ہے۔ اسے مخالفین کی باڑ اور طغیانی بہا کرلے جاتی تھی اور پھر سے یہ دریا پہلے کی طرح بہتا رہتا۔ لیکن مہدویوں کے اخراج وہجرت کے ختم ہونے کے بعد سکون و آسائش نے منافقت اور ارتداد کی سڑاند اور بدبو سے اس دریا کے اندر بدبو پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ منافقت کی باڑ خود انہیں کو بہالے جائے گی۔ جنہیں ایمان اور احسان نہیں نصیب ہونا ہے مگر! یہ دریا اپنی آب وتاب اور پاکیزگی کے ساتھ یوں ہی بہتا رہا ہے بہتا رہے گا اور اہل ایمان اپنی دینی وایمانی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ کیا دریا کو ندی نالوں سے گذرنے کی ضرورت پڑتی ہے، البتہ ندی نالے آکر دریا میں سماتے رہتے ہیں۔ پانچ صدیوں پہلے بھی یہ دریا اسلام کی کھیتی کو سیراب کرچکا ہے اور یہ کرتا رہے گا کیونکہ یہ اس کی فطرت کا خاصہ ہے۔ ہاں ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے یہ تھوڑا مکدر ہوا ہے۔ نہ ہی اس کا بہاؤ کا ہے اور نہ یہ سوکھ گیا ہے۔ ہماری اپنی ناؤ کے رخنوں یا سوراخوں کو ہم بھردیں گے اور اس میں آئی دراڑوں کو پاٹ دیں گے تو یقیناً ہم پہلے کی طرح اس میں تیر کر کفر والحاد کی آندھی کو پار کرسکتے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے اس دریا کو پار کرکے وحدت کے سمندر میں غوطے لگائے تھے اور نور کے بحر بیکراں میں اپنا مسکن بنایا۔

ہم تو دریا ہیں ہمیں اپنا گذر معلوم ہے جس طرف بھی چل پڑیں گے راستہ ہوجائے گا

☆☆☆

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

اعمال وعقائد کی بنیادیں

ایسے اعمال وعقائد جو ہماری سمجھ میں نہ آئیں یا جس کی وضاحت بزرگان دین نے اس لئے نہیں کی کہ وہ ان کے لئے روزمرہ زندگی کا حصہ تھے یا عام رواج تھا۔انہیں! آج بلا کسی تحقیق وسند کے حقیر جاننا یا ان کا انکار کرنا نہ صرف کم فہمی ہے بلکہ کئی اعمال کا ترک کرنا انہیں برا کہنا نہ صرف بے دینی ہے بلکہ ان کے انکار سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کا انکار ہوتا ہے اور جس سے کفر کا ارتکاب بھی ہوجاتا ہے۔علاوہ ازیں ان اعمال وعقائد اور طریقہ کو اپنا لینا جو حضور ﷺ اور ان کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین تابعین دو آئمہ اہل سنت کے اعمال کا حصہ نہیں تھے جس سے دین و ایمان اور علم الغیب کی بنیادی تعلیم اور عقیدہ متاثر ہوتا ہو یہ بی بدعات اور بے دینی ہی کی علامت ہے۔ اس لئے کسی بھی طریقہ کو بلا سونچے سمجھے معلومات حاصل کئے اور تحقیق کئے بنا اپنا لینا اور اسی کو دین و ایمان سمجھ لینا بھی بے دینی ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآئَکُمْ فَاسِق'' بِنَبَاً فَتَبَیَّنُوْٓا (سورۃ حجرات ٦) اے! ایمان والو اگر کوئی جھوٹا آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔ہم یہاں چند اعمال مہدویہ اور اعمال غیر مہدویہ کو پیش کرتے ہیں، آپ خود ان کا تقابلی جائزہ کرلیں۔

گروہ پاک میں پانی کو عود دینے کا معاملہ ہی لیجیے، کچھ لوگ اپنے بے دین مبلغوں کو خوش کرنے کے لئے اس عمل کو بدعت قرار دیتے ہیں، جبکہ ہمارے بزرگوں نے اس عمل کو حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر اختیار کیا ہے۔ ایک سائل نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یا اللہ کے رسول ﷺ میری تمنّا یہ ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر ایک کنواں کھدواؤں، لیکن میں اتنی مقدرت نہیں رکھتا پس میری یہ آرزو کس طرح پوری ہو۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا،ایک گھڑا لے اور اس کو خوشبودار کرکے ٹھنڈا پانی اس میں بھر اور بندگان خدا کو اس میں سے پلادے، ایک کنواں کھدوانے کا ثواب اللہ تعالیٰ تجھ کو عطا کریگا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: اللہ تعالیٰ تو متقیوں کی نظریں قبول کرتا ہے (المایدہ ٢٧)

اسی طرح اایصال ثواب کے لئے دعا کرنے کے بارے میں روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے کھانہ سامنے رکھکر ہاتھ اٹھا کر ایصال ثواب کے لئے دعا فرمائی تھی۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کسی دُعا میں ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے سوائے استقاء کے موقع پر کہ اس وقت آپ ﷺ ہاتھ اتنے بلند فرماتے کہ آپ ﷺ کے مبارک بغلوں کی سفیدی تک

دکھائی دیتی (مسند امام احمد بن حنبل ۱۲۸۹۸)

پس خوردہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اور خالد بن ولیدؓ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ ﷺ حضرتِ میمونہؓ کے ہاں تھے، حضرت میمونہؓ نے فرمایا کیا میں آپ ﷺ کے سامنے وہ دودھ پیش نہ کروں جو ہمارے پاس ہدیہ کے طور پر آیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے سامنے دودھ کا ایک برتن لایا گیا، نبی ﷺ نے اسے نوش فرمایا۔ میں (عباسؓ) نبی ﷺ کے دائیں جانب تھا اور خالدؓ بائیں جانب۔ نبی ﷺ نے فرمایا پینے کا حق تو تمہارا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو خالدؓ کو اپنے اوپر ترجیح دے سکتے ہو۔ میں (عباسؓ) نے عرض کیا کہ میں آپ ﷺ کے پس خوردہ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا (مسند حنبل جلد۲۔۱۹۷۸)

سویت: حضرت ابوسعید خدریؓ یا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ غزوہ تبوک میں تشریف لے گے وہاں مسلمانوں کو بھوک نے ستایا اور انہیں کھانے کی شدید حاجت ہوئی۔ انہوں نے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت مانگی نبی ﷺ نے اجازت دی۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس طرح تو سواریاں کم ہوجائیں گی۔ آپؐ ان لوگوں کے پاس سے متفرق طور پر جو چیزیں موجود ہیں وہ منگوا لیجیے اور اللہ سے اس میں برکت کی دعاء فرمالیجیے، نبی ﷺ نے ان کی رائے کو قبول کیا اور متفرق چیزیں جو توشے میں موجود تھیں منگوائی۔ چنانچہ کوئی شخص ایک مٹھی بھر جو لایا کوئی کھجوریں کوئی روٹی کے ٹکڑے۔ جب سب چیزیں دسترخوان پر جمع ہوگئیں تو نبی ﷺ نے اللہ تعالی سے اس میں برکت کی دعاء کی اور فرمایا کہ اپنے اپنے برتن لے کر آؤ سب کے برتن بھر گئے اور سب لوگوں نے خوب سیر ہوکر کھایا اور بہت سی مقدار بچ گئی..........(مسند حنبلؒ ۱۱۰۹۶)

زیارت قبور: حضرت انس بن مالکؓ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں قبروں کی زیارت سے روکتا تھا، تو اب ان کی زیارت کرلیا کرو کیونکہ وہ موت کی یاد دلاتی ہے (مستدرک ۱۴۱۹۔ابوداؤد ۱۴۵۸)

قبرسان میں جوتوں سمیت چلنا: حضرت بشیر بن نہکؓ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو جوتوں سمیت قبروں پر چلا جارہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے جوتوں والے انہیں اتاردو'' (مستدرک صحیحین ۱۴۱۳)

تعزیت: حضرت آدمؑ کی وفات جمعہ کے دن ہوئی فرشتے خوشبو اور کفن جنت اور حریم قدس سے ساتھ لائے حضرت شیث علیہ السلام سے تعزیت کی اور انہیں وصیت فرمائی۔

اجماع : حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہﷺ کہ :'للہ تعالی اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کریگا پھر فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے (اجماع علماء پر) لہٰذا جماعت کے پیچھے چلو کیونکہ جو ایک طرف ہوجاتا ہے وہ جہنم میں جا گرتا ہے (۱۳۹۵المستدرا حاکم)

نقل ہے کہ ایک روز اجماع ہوا تھا تمام برادر اجماع کے کام میں مشغول تھے مگر ایک برادر خلوت میں بیٹھا رہا اور اجماع میں نہیں آیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ مناف ہے جو اجماع میں حاضر نہیں ہوا ہے ۔ اجماع سے خارج ہونا نفاق کی صفت ہے (نقلیات بندگی میاں عبدالرشید ۴۰۷)

قدمبوسی : حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضورﷺ کے سر مبارک اور قدموں کو بوسہ دیا۔ (مستدرک حاکم)

مستدرک میں باب معرفت الصحابہؓ کے عنوان کے تحت حاکم نے حضرت ابوسفیانؓ کے مناقب بیان کرتے ہوے لکھا ہے کہ غزوہ حنین میں وہ حضورﷺ کے ساتھ تھے حضرت عباسؓ نے آپﷺ سے عرض کیا یہ آپ کے چچازاد بھائی ہیں آپﷺ ان سے راضی ہوجائے، رسول اللہﷺ نے فرمایا آپ کی سفارش قبول ہے، میں ان سے راضی ہوگیا۔ اللہ تعالی ان کی ہر وہ عداوت جو میرے خلاف کی ہے معاف فرمادے ۔ پھر عباسؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ بے شک وہ میرا بھائی ہے۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ کے قدموں کو بوسہ دیا۔

شامی نے قدمبوسی کے جواز میں ایک حدیث پیش کی ہے کہ ایک شخص آنحضرتﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یارسول اللہﷺ مجھے کوئی ایسی چیز دکھلایئے جس سے میرا یقین ایمانی بڑھ جائے اس پر آپؐ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس شخص کو حکم دیا کہ تم اس کے پاس جاؤ اور اس کو میرے پاس بلا لاؤ وہ شخص اس درخت کے پاس گیا اور کہا کہ اے درخت تجھ کو رسول اللہﷺ نے بلایا ہے۔ وہ درخت حضورﷺ کے پاس آیا اور سلام کیا پھر آپؐ نے اس درخت کو حکم دیا کہ وہ واپس چلا جائے تب وہ واپس گیا۔ اس کے بعد اس شخص نے حضورﷺ کی اجازت لے کر سر مبارک اور دونوں قدموں کا بوسہ دیا، حاکم نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کو صحیح السناد قرار دیا ہے۔

قدمبوسی کے تعلق سے تمام عبارت راقم نے حضرت ابوالفتح سید جلال الدین نور اللہ مرقدہ کے کتابچہ سے اخذ کیا ہے جو قدمبوسی پر آپ نے تحریر کی تھی۔ آپ نے لکھا ہے کہ قدمبوسی دراصل ایک تعظیمی رسم ہے جو فعل مباح کی حیثیت رکھتی ہے۔ مباح ایک فقہی اصطلاح ہے جو ایسے عمل کے لئے استعمال

ہوتی ہے جس کی ادائیگی پر ثواب ہے نہ ترک کرنے پر عذاب.........پس معلوم ہوا کے قدمبوسی ایک فعل تعظیمی کے سوا کچھ نہیں۔ مہدویہ کے پاس قدمبوسی کی کڑیاں راست سیرت حضرت سیدنا مہدیٔ موعود علیہ السلام سے ملتی ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ بندگی میاں ثانی مہدیؓ جب بسلسلہ ملازمت چاپانیر میں مقیم تھے وہاں ایک رات آپ نے حالت خواب میں دیکھا کہ مہدیؑ آپ کے پاس آئے ہیں اور آپؑ کے ساتھ ایک اور بزرگ ہیں، دونوں میں بڑی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ میراں سید محمودؓ کو یہ پہچاننے میں کہ کون آپؓ کے والد بزرگوار ہیں دشواری پیش آرہی تھی۔ حضرت مہدیٔ علیہ السلام کی زبان گوہر افشاں سے ارشاد ہوا، بھائی سید محمود آپ کی قدمبوسی کرو یہ تمہارے جداعلیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ حسب ارشاد بندگیمیاں سید محمودؓ نے رسول خدا ﷺ کی قدمبوسی کی۔ قیاس کہتا ہے کہ تب ہی سے ہمارے پاس قدمبوسی کا رواج چلا آتا ہے۔ اس کی وجہ اظہار تعظیم ہی ہے۔

سجدہ میں دعا کرنا: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ بندہ اپنے رب سے قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ (سنین ابوداؤد ۳۰۳)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں پردہ اٹھایا بی بی عایشہؓ کے ہجرے کا، جس میں آپؐ تشریف رکھتے تھے۔ دیکھا تو لوگ صف باندھے ہوئے ہیں، ابوبکرؓ کے پیچھے آپؐ نے فرمایا اے لوگو! نبوت کی خوشخبری دینے والی چیزوں سے اب کوئی چیز نہ رہی کیونکہ نبوت ختم ہوگئی، سواء نیک خواب کے جس کو مسلمان آدمی دیکھے یا اس کے واسطے دوسرا دیکھے اور مجھ کو ممانعت ہوئی کلام اللہ رکوع یا سجدے میں پڑھنے۔ رکوع میں پروردگار کی بڑھائی بیان کرو اور سجدے میں کوشش سے دعاء کرو امید ہے قبول ہو جائے (سنن ابوداؤد)

الغرض معترض کا معاملہ ایسا ہے کہ جیسے گدھے کے سر میں سینگ نکل آئے ہوں، تو ظاہر ہے وہ ہر کسی کو سینگ مارنے لگے گا۔ لہٰذا حضرت مقدام بن معدیکرب کندیؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ وقت آئے گا تم میں سے ایک شخص چارپائی پر بیٹھا میری حدیث بیان کرے گا (بے ادبی، بد عملی اور غرور سے) اور کہے گا کہ میرے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے چنانچہ اس میں جو حلال لکھا ہے اسے حلال مانیں گے اور جس کے بارے میں حرام لکھا ہے اسے حرام کہیں گے (المستدرک حاکم ۱۳۷۵) مطلب آپ ﷺ کے احکام اور سنتوں کو نہیں مانیں گے ایسا وہ اپنے علمی غرور کی وجہ سے کریں گے۔ (فی زمانہ ایسے لوگ کثرت تعداد میں تمام زمانوں سے زیادہ ہیں۔ آج ایسے ہی لوگوں کا بول بالا ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو (سورۂ انفال ۲۴) غرض

جولوگ نئی تاویلات، ترجیحات، اور قیاس آرائیوں سے دین وایمان میں بزرگوں کے ان اعمال کو جوقرآن وحدیث پرمبنی ہوں غلط اور بدعت خیال کرتے ہوں ان لوگوں کا معاملہ ابوجہل ملعون جیسا ہے۔جس کے بارے میں اللہ تعالی نے خبر دی ہے’’ کَمَنْ مَّثَلُهُ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَا رِجٍ مِّنْهَا (اس کی حالت اس شخص کی طرح ہے جواندھیروں میں گھرا ہوا ہے۔کہ اس سے نکل نہیں سکتا)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب مکہ کے کفار جناب رسول اللہﷺ پر ایمان نہ لائے اور بدبختی یہ کی کہ حضورﷺ کی پیغمبری کو آزمانے کے لئے مدینہ میں علمائے یہود کے پاس آدمی بھیجا کہ تم توریت وزبور سے ایسے مسائل چن چن کر بھیجو جس کا جواب محمد (ﷺ) نہ دے سکیں۔تب علمائے یہود نے کئی مشکل سوالات کا ایک سوالنامہ لکھ بھیجا جس کو اہل قریش یا عرب نہیں جانتے تھے، مثلاً روح کیا چیز ہے، اصحاب کہف کون تھے ان کا حال کیا تھا۔ ذولقرنین کون تھے ان کا حال کیا تھا تب ابوجہل ملعون نے حضورﷺ سے سوال وجواب سے پہلے یہ کہا۔اِنْ ا تَیْتَ الْکِتَابَ بِمِثْلِ مَآ اُوْ تِی مُوْ سیٰ مِنَ الْکِتَابِ لَاٰمَنَّا بِکَ اگر تم ایسی کتاب لائے ہو جیسی کتاب موسیٰ کو یعنی توریت دی گئی تھی ہم تم پر ایمان لائیں گے جیسا توریت پر ایمان لائے تھے مشیعت خداوندی یہ ہوئی کہ رسول اللہﷺ نے ان سے کہہ دیا کہ اس کا جواب میں کل دوں گا اس بھروسے پر کہ کل جبرائیل علیہ السلام آئیں گے ان سے پوچھیں گے اور جواب دیں گے۔اس میں لفظ انشاءاللہ نہ کہا اس لئے گیارہ دنوں تک نہ کوئی وحی نازل ہوئی اور نہ جبرائیل آئے اور حضورﷺ اس کا جواب نہ دے سکے اور کافروں نے کہنا شروع کر دیا کہ اے محمدﷺ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا، اس بات سے حضرت رسالت مآبﷺ غمگین ہوئے اور اللہ تعالی سے رجوع ہوئے اس کے بعد جبرائیل آئے اور وحی نازل ہوئی’’ وَلاَ تَقُوْ لَنَّ لِشَاْیءٍ اِنّی فَا عِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ہ اِ لَّا اَنْ یَّشَآ ءَ اللّٰہ ‘ اگر کسی کام کو کرنے لگو تو یوں نہ کہو کہ یہ میں کل کروں گا، مگر یوں کہو کہ اللہ چاہے تو۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالی نے حضورﷺ کو کفار کے سوالات کے شافی جوابات بتائے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔یہود اور کفار مکہ متعجب ہوئے اور کہنے لگے محمدﷺ سچ کہتے ہیں اس میں ذرا فرق نہیں جیسا تورات وزبور میں ہے اور بہت سارے ایمان لے آئے۔مگر! ابوجہل لعین نے کہا کہ تم ایک ساحر ہو اور دوسرا ساحر موسیٰ تھا میں ہرگز تمہارے دین میں نہ آؤں گا۔

کیا ابوجہل صفت لوگ ہم میں نہیں ہیں؟ جو ایمان وعقاید کے معاملات اور کتب ان لوگوں کو بہم پہنچاتے ہیں جن کو ایمان نہیں اور جن کا کام تحقیق کرنا نہیں بلکہ بے بنیا دتنقید کرنا ہے اور نہ انہیں معرفت الٰہی کی سمجھ ہے۔اور ایسے لوگوں سے ہم پر حرف زنی کرواتے ہیں اور بزرگان دین پر دریدہ دہنی اور بدگوئی کی تمام حدوں سے متجاوز کرنے والے بدبختوں اور کمینہ صفت لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے

ہیں۔قیامت کے قائم ہونے تک قرآن مجید ایمان والوں کے پاس نافرمانوں اور منافقوں کے لئے قطعی حجت ہے، اس میں سکھائی گئی عبادات اذکار، احکام، واقعات اور پیشین گوئیاں تمام دلایل و براہین ایمان کی مضبوطی کے لے کافی ہیں۔ضرورت ہےان پرغور کرنے کی سمجھنے کی ان پرعمل کرنے کی

روایتوں میں ہے کہ دنیا میں انسانوں کی اصلاح کے لئے ایک لاکھ چوبیس یا ایک لاکھ اسی ہزار نبی رسول پیغمبر مبعوث کئے گئے۔صحایف آسمانی میں حضورﷺ کے تعلق سے ہی پیشین گوئیاں اور اشارات میں ان کے آنے کی اطلاع دی گئی۔یہودیوں ہی کی مثال لیجیے، انہیں معلوم تھا کہ پیغمبروں کا سردار نبی آخرالزماں آنے والا ہے۔اوران کی کتابوں سے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ آفتاب انسانیت یثرب میں طلوع ہونے والا ہے۔وہ صدیوں سے یثرب (مدینہ منورہ) کے آس پاس کے علاقوں میں جمع ہونے لگے تھے تا کہ ان کا خیر مقدم کریں۔نتیجہ کیا ہوا؟ جب آفتاب رسالتﷺ طلوع ہوا تو سب سے زیادہ مخالفت ان منتظروں نے ہی کی اس پر بس نہ کیا دشمنی میں اس حد تک آگے بڑھے کہ حضورﷺ کو (نعوذ باللہ) ساحر جھوٹا کہا اور آج بھی اسلام دشمنی میں وہ سب سے آگے ہیں۔یہی حال ہر زمانے میں اہل کتاب کا رہا ہے۔

پینه وسواس بیرون کن زگوش تابگوشد آمداز گردوں خروش (مولانا روم)
وسوسوں کی روئی کان سے نکال تا کہ تیرے کان میں آسمانی آوازیں آئیں

موسیٰؑ کے دور کے عامیل مقتول کا واقعہ لیجیے، جو بڑا احشمت والا ملک و دولت کا مالک تھا۔مگر اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کا ایک بھتیجا تھا غریب مگر شہ زور اور طاقت ور، اس نے دولت کے لئے اپنے چچا عامیل کو قتل کر دیا اور الزام گاؤں والوں پر لگا دیا۔بات وقت کے پیغمبر موسیٰؑ تک پہنچی جو قوم بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے، یہ قوم بڑی ضدی اور سرکش اور نافرمان تھی اور ڈھکے چھپے گائے کی پوجا کرتی تھی۔انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ وہ اپنے رب سے پوچھ کر بتائیں کہ عامیل کا قتل کس نے کیا۔موسیٰؑ نے دعا کی تو جبرائیلؑ آئے اور کہا ان سے کہے ایک گائے ذبح کریں اور اس کی زبان لے کر مقتول پر ماریں وہ مردہ خود بخود بتادیگا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ان نافرمانوں کی سرکشی اور کج روئی دیکھئے بال کی کھال نکالنے لگے، کہ گائے موٹی ہونی چاہئے کہ دبلی، جوان یا بوڑھی اسکا رنگ کیسا ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

غرض بزرگان دین کے اعمال میں بال کی کھال نکالنے کے بجاے اگر ہم خود اپنا محاسبہ کریں تو دین وایمان کی بہت ساری برائیاں جو ہم نے اپنے اوپر مسلط کر لی ہیں وہ دور ہوسکتی ہیں۔اس کے لئے خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالی کے احکام میں نیک نیتی کے ساتھ غور وخوص کرنا ہوگا، تنقید اور تکذیب کے مقصد سے نہیں۔اس کا بہترین طریقہ مہدئ موعود علیہ السلام نے بتایا ہے کہ ذکر اللہ کے

ذریعہ اگر ہمارے دین ایمان اور عقیدہ کی اصلاح کی کوشش کی جائے تو خود بخود اللہ رب العزت ہماری رہنمائی فرماتے جائیں گے ہمیں کسی بھی مبلغ یا ملحد کی انشاءاللہ ضرورت نہ پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایمان کے حصول کے لئے خلوص نیت شرط ہے اگر تسکین قلب اور طلب ایمان وتحقیق کے بجائے مقصد تنقید سے ہے تو یہ شیوہ ابوجہل کا ہے۔

جب تاویلا وترجیحات کی بات نکلی ہے تو ہم سوال کرتے ہیں، کہ کیا غلط تاویل اور ترجے وہ لوگ نہیں کررہے ہیں جن کو آج مترجم مفسر مفتی اعظم اور شیخ الحدیث کہا جارہا ہے؟ اس کی مثال ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ترجے کے نام پر آج کل ایسی کتابیں دستیاب ہیں جن کو دیکھ کر بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ مترجموں کا مقصد کیا ہے اور کس طرح غیر محسوس طریقے سے اصل حقیقت کو چھپادیتے ہیں۔

ترجمہ مشکواۃ المصابیح حدیث نمبر ۵۶۵۶۔صہیبؓ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا، جب تمام جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالی فرمائیں گے، کیا تم کسی چیز کو چاہتے ہو کہ میں تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے، کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا، کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ سے نہیں بچایا۔آپ ﷺ نے فرمایا تب پردہ اٹھادیا جائے گا۔پس تمام جنتی اللہ رب العزت کے چہرے کا دیدار کریں گے۔انہیں ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی جو پروردگار کی طرف سے ان کے دیکھنے سے زیادہ محبوب ہو۔اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ''جن لوگوں نے اچھے عمل کئے ان کے لئے جنت ہے اور مزید بھی''

یہاں پر چہرے کا دیدار مترجم کا اضافہ ہے جبکہ عربی عبارت اس طرح ہے ''فَیُرْ فَعَ الْحِجَابُ'' بات حجاب اٹھانے کی ہے چہرہ دکھانے کی نہیں (حَجَبٌ یا حِجَابٌ ڈھانپا، روکنا، آڑ کرنا، پردہ کرنا جیسے اِحْتَجِبیُ مِنْهُ جیسے اس سے پردہ کر۔لغات الحدیث) کیا نوراً علی نور کا کوئی چہرہ بھی ہوتا ہے مخلوق جیسا؟ یہی تو شرک ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہ کی نفی ہے ایمان ہے اسی طرح ''لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحسنی وَزِیَادَۃٌ'' کا ترجمہ میں جنت کا ذکر نہیں ہے مترجم نے جنت کا اضافہ اپنی طرف سے کردیا ہے۔ جب مہدوی خلیفۃ اللہ کے حکم کے مطابق دیدار کو حق کہتے ہیں تو واویلا مچایا جاتا ہے۔ ہڑبونگ مچ جاتی ہے جبکہ اپنی ناقص عقل اور قیاس کے بوتے پر اللہ تعالیٰ کا چہرہ بنالیا جارہا ہے اور اچھے عمل کے جانے پر مزید عطا کرنے کو جنت کا عطا ہونا کہا جارہا ہے۔ احادیث کے یہ تراجم وہ لوگ کررہے ہیں جو آج خود کو اسلام کے مبلغ اور کیرٹیکر سمجھ رہے ہیں جنہیں ظاہر پرست کہا جاسکتا ہے اور وہ جو خود کو روحانیت کے علم بردار کہتے ہیں ان کا کیا حال ہے دیکھئے۔

اقتباس الانوار میں ہے کہ ''شیخ محمد صادق نے شیخ محمد جمال کو بھینسوں کی خدمت پر مامور کیا

تھا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ جمال نے شیخ صادق سے عرض کیا کہ مجھے شغل باطن کی تلقین کریں۔ شیخ صادق نے شیخ جمال سے پوچھا تجھے کس چیز سے محبت ہے، انہوں نے عرض کیا میرے گھر میں ایک بھینس ہے جسے میں سب بھینسوں سے عزیز رکھتا ہوں۔ شیخ صادق نے انہیں ذکر جہری کی تلقین کر کے نماز معکوس (الٹا لٹک کر نماز پڑھنا) اور اس میں اس بھینس کا تصور رکھنے کا حکم دیا۔ شیخ جمال نے چالیس روز تک خلوت میں رہ کر یہ عمل کیا اور دروازہ کھولا۔ بعد چلہ کے شیخ صادق نے دروازہ پر آ کر کہا کہ دروازہ کھولو۔ شیخ جمال نے کہا کہ کیسے دروازہ کے باہر آ وؤں میرے سینگھ بڑے ہیں اور دروازہ تنگ ہے۔ شیخ صادق نے انکا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔

اسی اقتباس الانوار میں لکھا ہے کہ '' شاہ عبدالقدوس گنگوہی نماز عشاء کے بعد کسی سے کہہ کر اپنے آپ کو الٹا لٹکوا لیتے تھے اور نماز معکوس پڑھا کرتے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مخدوم احمد عبدالحق ردولوی قبر میں بند رہ کر شغل حق میں مشغول رہے۔ چھ ماہ بعد قبر خود بخود کھل گئی اور جس قدر جان بچ چکی تھی خادموں نے لحاف میں لے کر باہر نکالا۔

دوسروں کو تبلیغ اور دین کا سبق پڑھانے والے وہابیوں اور دیوبندیوں کی زبان درازی اور علمی غرور کا حال دیکھئے۔ دیوبند کے پیشواء اسماعیل دہلوی نے ایک روز فارسی میں لکھا ہے ''اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ جھوٹ بھی بولتا ہے نعوذ باللہ۔ دوسرا دیوبندی حسین علی بلغتہ الحیر ان میں لکھتا ہے کہ ''انسان خود مختار ہے اچھے کام کرے یا نہ کرے اور اللہ کو پہلے سے اس کا علم نہیں ہوتا کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ کو ان کے کرنے کے بعد علم ہوگا۔ محمود الحسن دیوبندی نے لکھا ہے کہ ''افعال قبیحہ مقدور باریٔ تعالیٰ ہیں''

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص کوّا کھاتا ہے نبی ﷺ اس کا نام فاسق (گنہگار، بدکار) رکھا ہے (ابن ماجہ) مگر فتاویٰ رشیدیہ میں رشید احمد گنگوہی سے سوال کیا ''جس جگہ زاغ معروفہ (عام کوّا) کو اکثر حرام جانتے ہیں اور کھانے کو برا کہتے ہیں تو ایسی جگہ کوّا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا یا عذاب؟ جواب دیا ہے ''ثواب ہوگا'' شیطان اور ملک الموت کا علم حضور اکرم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے (براہین قاطعہ خلیل احمد انبیٹھوی) نعوذ باللہ حضور ﷺ کو اللہ نے جیسا اور جتنا علم غیب عطا کیا ہے ویسا علم جانوروں، پاگلوں کو بھی حاصل ہے (حفظ الایمان۔ اشرف علی تھانوی) نعوذ باللہ۔

نماز میں حضور ﷺ کی طرف خیال کا صرف جانا بھی بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بہتر ہے (صراط مستقیم۔ اسماعیل دہلوی) نعوذ باللہ

دیکھئے کیسی دریدہ ذہنی اور بے ایمان ہے۔ ایسے لوگوں کے پیروکار، اہل سنت والجماعت کو دین کا سبق پڑھانے چلے ہیں۔ ظاہر پرستوں کا وہ حال ہے تو روحانیت کے علم برداروں کا یہ حال۔ اور

اگر ہم مہدوی حضرت رسالت مآب ﷺ کی شریعت ظاہرہ اور آپ ﷺ کے اعمال ولایت پر عمل کرتے ہیں جو ہمیں ہمارے بزرگوں نے سکھایا ہے تو یہ خود ساختہ مبلغ اور بدعتی مسلمان اور ہم میں موجود ان کے ہم نواء حامیوں کا گروہ واویلہ کرنے اور ہڑبونگ مچانے لگ جاتا ہے۔ اب ہمیں کوئی یہ بتائے کہ مہدویوں نے ایسے کونسے مجاہدات قبروں میں بیٹھ کر کر لئے تھے یا الٹے لٹک کر نماز معکوس پڑھنے کی بدعتیں ایجاد کر ڈالیں یا شان رسول ﷺ میں گستاخیاں کی ہیں جیسا کہ آج کے مبلغ دین کر رہے ہیں بلکہ مہدویوں کے اقوال و اعمال تو عین نیستی اور توکل الی اللہ پر مبنی تھے۔

نقل ہے ایک بندۂ خدا بہت مشقت اٹھاتا تھا، کانٹوں پر سوتا تھا۔ کئی رات دن اس کو کشائش نہیں ہوئی، مرشد سے کہا کہ مجھ کو کوئی کشائش نہیں ہوتی (کوئی بھید نہیں کھلتا) مرشد نے اس کا تمام احوال پوچھا اور حکم دیا کہ آج رات کو نہالی پر سو اس نے ویسا ہی کیا، اس کو کشائش حاصل ہوئی (۲۱۵ نقلیات میاں سید عالم)

نقل ہے کہ خراسان کے راستے میں ایک مجذوب حضرت مہدی علیہ السلام کے سامنے آیا وہ اپنی ناک میں سوراخ کر کے رسی ڈالا ہوا تھا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے، اس نے کہا جب میری ہستی (میری نفسانیت) میرے قابو میں آ گئی تو میں نے ایسا کیا ہے، حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا ایسا کرنے میں کچھ نہیں ہے۔ اے مجذوب تمام ذات کو پگھلا دینا چاہیئے اور اسی رسی کو دور کر دینا چاہیئے......(۲۲۱ نقلیات میاں عالم)

حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ”آخر زمانہ میں مباحثہ کرنے والی دو جاہل جماعتوں کی وجہ سے دین کو نقصان پہنچے گا۔ ایک جماعت معانی (باطن کے مسائل) میں غلو کرے گی اور ایک جماعت ظاہر لفظ پر اڑ جائے گی۔ دونوں کو دین سے بہرہ حاصل نہ رہے گا (نقلیات بندگی میاں عبدالرشیدؒ)

ہم میں موجود ان بے دینوں کے حمایتی لوگوں کے گروہ میں اب یہ برائی صاف دکھائی دیتی ہے کہ ان کو دین کے باطن سے زیادہ ظاہر کو آراستہ کرنے کی فکر ہے۔ اس کی ایک مثال مسجدیں ہیں۔ ہم نے کئی لوگوں کو یہ شکوہ کرتے سنا ہے کہ دیکھو ان کی مسجدیں کیسی عالیشان ہوتی ہیں وہاں نرم قالینیں فرش چمکدار اور تمام سہولتیں ہوتی ہیں اور ان کے قبروں پر کیسے خوشنما سجاوٹ کے طغرے ہوتے ہیں۔ ہم نے ایک ایسی ہی قبر کے کتبے پر مدفون مذکورہ شخص کے دینی اور دنیاوی خدمات کا تذکرہ دیکھا یعنی اس مدفون شخص کی اولاد نے مرنے کے بعد بھی اپنے باپ کے دینی و دنیاوی مقام و مرتبہ اور طمطراق کا بھرپور احساس جتانے کی مقدور بھر کوشش کی تھی جس سے ان کا جاہ و جلال ٹپکتا تھا۔ قبر کے اندر کا معاملہ اللہ تعالیٰ جانے اور یہ بدبخت طریقہ آہستہ آہستہ ہم لوگوں میں بھی گھس آ رہا ہے جس طرح اسلام کا تعلق

ایمان سے ہے۔محض سجدہ سجود سے نہیں۔اسی طرح نماز کا تعلق خضوع وخشوع سے ہے نہ کہ سجاوٹ اور آرائش سے۔اس باب میں حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ حلال مال کو اخلاص کے ساتھ مسجد کے نقش ونگار پر صرف کر کے خیال کرتے ہیں کہ کار خیر انجام دیا ہے لیکن اس کام میں دو برائیاں ہیں۔ایک تو یہ نقش ونگار اور تزین کے باعث نماز میں لوگوں کا دل ادھر مشغول ہوگا اور پھر وہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکیں گے۔دوسری قباحت یہ کہ پھر ان کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوگی کہ مسجد ہی کی طرح وہ اپنے گھر کو بھی سنواریں۔اسی طرح دنیا ان کی نظر میں آراستہ ہوگی اور سمجھیں گے کہ انہوں نے کار خیر انجام دیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے''جب مسجد کو نقش ونگار سے اور قرآن پاک کو سونے چاندی سے سنوارو گے تو تم پر حیف ہے''مسجد کی رونق اور آبادی تو ایسے دلوں سے ہوتی ہے جن میں خضوع وخشوع ہو اور دنیا سے متنفر ہوں یا ایسا کام جو حضور دل میں خلل انداز ہو جس سے خشوع ختم ہو جائے اور دنیا کی نظر میں آراستہ ہو اصل میں ویرانی کا سبب ہے اور یہ نادان اس طرح مسجدوں کو ویران کر کے سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کار خیر کیا ہے(کیمیائے سعادت)

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے نمازی ایسے ہیں جن کو نماز سے رنج اور تھکاوٹ کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ فقط بدن سے نماز پڑھتے ہیں دل غافل رہتا ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ''جس نماز میں دل حاضر نہ ہو حق تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں''(کیمیائے سعادت)

امام ترمذی اور بیہقی نے شعیب الایمان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ چاہو۔عرض کی گئی نفاق کا خشوع کیا چیز ہے؟ فرمایا بدن میں خشوع ہو اور دل میں نفاق ہو(درمنثور۔سورۂ مومنون)

امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے۔فرمایا اگر اس کا دل خشوع والا ہوتا تو اس کے اعضاء بھی خشوع کرتے(درمنثور)اللہ تعالیٰ کے واسطے ہمیں کوئی یہ بتائے کہ بدعتی اور بے دین کون ہیں؟ مہدویوں نے تو اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کو تھامے رکھا ہے اور رسول ﷺ کے محبوب مشاغل جیسے ترک دنیا، عزلت از خلق، ذکر اللہ، تقویٰ وتوکل کو خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کی تعلیم اور تربیت کے ذریعہ اپنائے رکھا۔ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح ہم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے نہ تو تکبر و غرور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اور نہ تو اہل ہنود ومشرکین سے متاثر ہو کر قبروں میں بیٹھ کر اور الٹے لٹک کر نماز پڑھنے کی بدعات اور مجاہدات کئے ہیں اور نہ ہی مسند علم پر بیٹھ کر

غرور بھرے شیطانی فتوے صادر کئے ہیں اور نہ ہی غلط تا ولایت و ترجمہ کر کے اللہ تعالیٰ کے چہرہ اور ناک نقشہ بنا کر دکھایا ہے نعوذ باللہ۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس کسی عالم نے تھوڑا بہت علم دین حاصل کرلیا اس نے نہ تحقیق کی نہ حقیقت حال کو جاننے کی کوشش کی، بس سنی سنائی باتوں اور اپنی رعونیت کے زعم میں بدگوئی اور اپنی بے دینی سے مہدویوں پر فتویٰ ٹھوک دیا جبکہ مہدوی ان کی شیطانی کارستانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے رضائے الٰہی اور سنت رسول ﷺ کی ادائیگی میں کوشاں رہے ہیں۔ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے اعمال و عقائد کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت رسول ﷺ کے مطابق ہی ہیں۔ تھوڑی بہت لغزشیں اور کوتاہیاں جو آج ہم میں ہیں وہ ہماری بے عملی کی وجہ سے ہیں۔ ان کو بنیاد بنا کر ہر حق بات اور قول و عمل کو کسوٹی پر پرکھنا عقلمندی نہیں کہی جاسکتی۔ اس لئے ہمارے نو جوانوں کو پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے اسلاف کے اچھے اعمال حق کو بہتر طور پر امت کے سامنے پیش کریں اور خود ان پر خلوص و اعتقاد کے ساتھ عمل کریں اور وقت بے وقت محفل شادی بیاہ ہو یا موت وہاں بیٹھ کر اپنی دوپلی کی دینداری کی دوکان نہ آراستہ کریں۔ ہم مہدویوں نے اللہ کے فضل و کرم سے دین ورثہ میں پایا ہے اور اس کے لئے ہمارے بزرگوں نے رسول ﷺ اور مہدی آخرالزماں کی تعلیمات و عقائد کو خوب سمجھ کر اختیار کیا تھا اور اس کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں اور خود کے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے بہترین اسوہ اپنے بعد ورثے میں چھوڑا ہے۔ لگ بھگ ساڑھے پانچ سو برس سے مہدویوں نے اسے آزمایا اور مراد کو پہنچے۔ یہ نہیں کہ کھڑے کھڑائے بیٹھے بٹھائے چالیس دن چلہ لگا کر بے دینی اور بدعت اختیار کر رکھی ہے۔ رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک بندوں کے درمیان اخلاق، آداب اور بندگی کا نمونہ بنا کر پیش فرمایا۔ اس کے بعد تیئیس برس تک ہر مشکل اور تمام مصائب کا مقابلہ کر کے دین کو مضبوط بنیاد پر قائم کیا اور نبوت کو مقام احدیت تک پہنچایا اور مہدی موعودؑ نے آپ ﷺ کی اتباع میں آپ کی ولایت کو ختمیت کی انتہاء کو شرف انسانیت یعنی دیدار باریٔ پر کیا ہے۔ کیا ان بدعتی لوگوں نے اپنی واقات اور حیثیت دیکھی ہے کہ نبیوں کا کام کرنے چلے ہیں، بندگی کا ظرف نہیں فرشتوں کے اوصاف کا دعویٰ؟ بتاؤ تو بھلا! کونسے نبی اور صحابہؓ اور آئمہ وصالحین نے چالیس دن کا چلہ لگا کر سروں پر چولھے ہانڈی لے کر پکنک منائی اور آ کر مسند ارشاد پر بیٹھ گئے اور شرعی و فقہی مسائل کا درس دینے لگ گئے۔ بدعتیں تم نے ایجاد کر رکھی ہیں اور ہمارے اعمال و عقائد کو بدعت کہتے ہو۔ کہیں بے دین مبلغوں کے پیچھے جانے کا انجام ایسا نہ ہو کہ

چلے تھے سوئے کعبہ میخانے میں جا پہنچے   جناب شیخ کے نقش قدم کہے تو کیا کہے

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

علمائے سوٗ کی خودفریبی اور انکار حق

سردار الانبیاء ختم المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں رسول اور بندہ بن کر رہوں یا رسول اور بادشاہ بن کر۔ میں نے بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ میں رسول بندہ بن کر رہوں گا۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو متواضع (فروتنی اختیار کرنے والا) شخص ہوتا ہے ,اور میرے بندوں کے ساتھ تکبر نہیں کرتا اپنے دل میں مجھ سے ڈرتا ہے اور سارا دن میری یاد میں بسر کرتا ہے اور میری خاطر اپنی خواہشات کو ترک کر دیتا ہے..... حضرت سلیمان علیہ السلام صبح صبح اپنی رعایا کے تونگر حضرات کے احوال معلوم کرتے اور پھر خود مساکین کے زمرے میں بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ مسکین کا یہی ٹھکانہ ہے.... حضرت یحییٰ معاذؒ فرماتے ہیں کہ شریف آدمی تقویٰ و وروع کا مقام حاصل کرتا ہے تو فروتنی اختیار کرلیتا ہے اور کمینہ نیک ہوکر متکبر ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''**اعوذ بک من نفخة الکبر**'' اے اللہ میں کبر کی ہوا سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ ان اقوال حسنہ کو ضبط قلم کرتے ہوئے کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے تکبر کے باب میں لکھا ہے کہ 'تکبر کی بعض شکلیں بہت ہی قبیح اور بُری ہیں اور جس پر تکبر ہوتا ہے اس کے فرق سے تکبر میں تفاوت ہوجاتا ہے۔ تکبر یا اللہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا رسول کے مقابلے میں یا بندوں کے معاملہ میں۔ پہلا درجہ اس تکبر کا ہے جو اللہ تعالی کے مقابلے میں ہو جیسے نمرود' فرعون' اور ابلیس کا تکبر۔ دوسرے ان لوگوں کا تکبر جنھوں نے اُلوہیت کا دعویٰ کیا اور اللہ کی بندگی سے عار محسوس کی ارشاد باریٔ ہے لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِلّٰہِ وَ لَا الْمَلا ئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (النساء) عیسیؑ اور ملائیکہ مقربین اس بات سے عار محسوس نہیں کرتے کہ وہ اللہ کی بندگی کریں (بلکہ یہ تو عین مقصد زندگی ہے)

دوسرا درجہ رسول مقبول ﷺ پر تکبر کا ہے جس طرح کفارِ قریش نے کیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنے جیسے آدمیوں کی بات نہیں مانیں گے۔ اللہ تعالی نے فرشتہ کو رسول بنا کر ہمارے پاس کیوں نہیں بھیجا اور انسان کو ہی بھیجنا تھا تو کسی صاحب وقار مرد کو کیوں نہ بھیجا یتیم کا انتخاب کیوں کیا؟ وَ قَالُوْ ا لَوْ لاَ نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَ جُلٍ مِنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (زخرف) انہوں نے کہا کیوں نہ اتارا یہ قران ان دو بستیوں (مکہ وطایف) کے کسی بڑے آدمی پر۔ اس قسم کے کفار دو طبقوں پر مشتمل تھے ایک طبقہ کا تکبر انکے حق میں حجاب بن گیا حتیٰ کے انہوں نے تفکر و تدبر سے کام نہ لیا اور نبوت کو پہچان نہ سکے۔ سَا صْرِفُ عَنْ اٰیَاتِیِ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ بِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (الاعراف) وہ لوگ جو زمین میں تکبر کرتے ہیں

انہیں آیات حق کے دیکھنے سے روک دیا جاتا ہے۔جبکہ دوسرا طبقہ جانتا تھا اور پھر انکار کرتا تھا۔تکبر کے سبب ان میں اقرار کی طاقت نہ تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:وَ جَحَدُوْابِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَا ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا (نمل) ان سب نے اللہ تعالی کی آیات کا‘ ظلم اور بڑائی کے سبب انکار کردیا حالانکہ ان کے دلوں کو اس کا یقین تھا۔اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہ تکبر سے ڈرتے رہتے‘ حضرت حذیفہؓ کو ایک بار امامت کرنا پڑا تو دوسروی مرتبہ فرمایا تم کسی اور کو امام بنالو کیونکہ میرے ذہن میں آنے لگا ہے کہ شاید میں تم سے بہتر ہوں۔

ہمارا یہ مضمون اُن دوسرے درجے والوں کے خصائل اور تکبر پر مبنی ہے‘ ایسے لوگ غفلت کا شکار ہیں۔ان لوگوں کو اللہ تعالی سے رجوع ہوکر مدد مانگنی چاہیئے ورنہ ہوسکتا ہے وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوجائیں اور انہیں خبر ہی نہ ہو ارشاد باریٔ تعالیٰ ہے:وَ اَنِیْبُوْآ اِلٰی رَبِّکُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَه‘ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذابُ ثُمَّ لاتُنْصَرُوْنَ(زمر) ’’اورتم رجوع کرو اپنے پروردگار کی طرف اور اس کی تابعداری اختیار کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری مدد نہیں ہوگی‘‘ غزالیؒ فرماتے ہیں ’’اللہ تعالی سے حجاب میں جو بدبختی ہے وہ دوزخ سے بھی بدتر ہے‘‘ کہتے ہیں پندار(غرور وتکبر) میں پہلا طبقہ علماء کا ہے ان میں سے بعض اپنی ساری عمر حصول علم میں گنوادیتے ہیں تاکہ بہت علم حاصل کرسکیں لیکن معاملہ اور عمل میں قصور کرتے ہیں اپنے ہاتھ‘ زبان‘ آنکھ اور شرمگاہ کو گناہ سے نہیں بچاتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم علم میں اس مرتبہ کو پہنچ گئے ہیں کہ ہم جیسوں کو عذاب نہیں ہوگا۔اور کسی معاملہ میں ہماری گرفت نہیں ہوگی بلکہ ہماری ہی شفاعت پر مخلوق کی نجات کا دارومدار ہے.....جب ان میں تکبر کا اثر پیدا ہوتا ہے تو شیطان ان سے کہہ دیتا ہے کہ یہ تکبر نہیں بلکہ دین کی عظمت ہے۔جب ان میں رعونیت پیدا ہوتی ہے تو شیطان ان سے کہتا ہے کہ اہل بدعت علماء کی شان وشوکت سے مغلوب ہوتے ہیں‘......بادشاہوں کے یہاں جاتے ہیں تو کہتے ہیں یہ ظالم کے ساتھ فروتنی نہیں کیونکہ یہ حرام ہے بلکہ اس میں فایدہ ہے کہ مسلمانوں کی سفارش اور ان کی خیر خواہی کا موقع ملتا ہے۔

ایسی ہی خود فریبی جب تب دیکھنے کو ملتی رہتی ہے۔۸ جون ۲۰۱۲ کے راشٹریہ سہارا میں مضمون ’قرآن خوانی کی اجرت اور وارثین انبیاء کی ذمہ داری‘ چھپا ہے اس میں حضرت بریدہؓ سے روایت بیان ہوئی ہے کہ فرمایا رسول ﷺ نے جو شخص قرآن پڑھے تاکہ اس کی وجہ سے لوگوں سے کھائے۔قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ محض ہڈی کا ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔یعنی جو لوگ قرآن شریف کو طلب دنیا کے لئے پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا‘‘۔اور اس مضمون نگار نے خود کو وارث انبیاء میں شمار کیا ہے کہتے ہیں کہ آج ہم وارث انبیاء اللہ کی مقدس کتاب کو ہدایت کے لئے نازل کیا گیا تھا جس کے نزول کا مقصد لوگوں کو اللہ کے حقوق سے واقف کرانا تھا او خود کو اپنے ایک

دوسرے کے حقوق جاننے کے لئے اتارا گیا تھا......کیا ہم اس کتاب کو اس مقصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ساتھ میں اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ حقیقت میں ہم وارث انبیاء نہیں بلکہ دشمنان انبیاء ہیں.... اور شیطان کے ہمنوا ضرور ہو چکے ہیں۔

حضرت ابوالحسن قرقانیؒ فرماتے ہیں''علماء کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ وارث انبیا ہیں دراصل اولیاء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ اولیاء کو علم باطن حاصل ہوتا ہے اور حضورﷺ کے اکثر اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں مثلاً فقر وسخا امانت ودیانت وغیرہ۔

ایسا پہلی بار نہیں ہے کئی لوگوں نے خود کو ایسا سمجھا ہے۔مودودی کے پیش کردہ نظریات اسلام کو ہی لیجیے کوئی راسخ العقیدہ مومن تو انہیں قبول ہی نہیں کرسکتا، البتہ ان کے سیاسی وحکمرانی کے ارادوں سے ضرور مطلع ہوسکتا ہے۔پہلے ہم مودودی کے مذہبی وسیاسی ذہنی سطح کا جایزہ لے لیں۔تجدید واحیائے دین نامی کتاب میں لکھا ہے کہ''مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کر کے دکھانے کی چیز ہے'' اور لکھا ہے کہ (مہدی کو) خود بھی اپنے مہدی ہونے کی خبر نہ ہوگی، اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی (مہدی) تھا، وہ! خلافت منہاج النبوۃ پر قایم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا۔یعنی مودودی کا کہنا یہ ہے کہ وہ خود مہدی ہے مگر اس کی موت کے بعد دنیا کو معلوم ہوگا کہ وہ مہدی تھا۔اس ارادے کا اظہار آگے چل کے کر بھی دیا ہے۔

مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے، مجھے اس کام میں کرامات وخوارق، کشوف، الہامات اور چلّوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔میں سمجھتا ہوں کہ انقلابی لیڈر کو دنیا میں جس طرح شدید جدوجہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے انہیں مرحلوں سے مہدی کو بھی گزرنا ہوگا (جیسے مودودی نے گزارے) وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر School of thoughts ذہنیتوں کو بدل دیگا، ایک زبردست تحریک اٹھائے گا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی، جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اسے کچلنے کی کوشش کرے گی مگر بالآخر وہ جاہلی اقدار الٹ کر پھینک دے گا اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قایم کریگا.........اسلام تمام دنیا کے افکار، تمدّن اور سیاست پر چھا جانے والا ہے تو ایسے ایک عظیم الشان شخص کی پیدایش بھی یقینی ہے......جب خدا کی اس خدائی میں لینن اور ہٹلر جیسے ایمہ ضلالت کا ظہور ہوسکتا ہے تو آخر ایک امام ہدایت ہی کا ظہور کیوں مستبعد ہو؟

اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مذہب کی سیڑھی پر پیر رکھ کر دنیا میں حکمرانی کا خواب کس طرح دیکھا گیا ہے۔چلئے انہوں نے خود کو لینن جیسے دہریے اور اور ہٹلر جیسے ڈکٹیٹر کی صف میں خود کو کھڑا کرنے کی سعی تو کر لی ورنہ دوسروں کو ان کے ارادوں سے واقف کرانے اور ثابت کرنے میں بڑی پریشانی ہوتی۔

مزید براں اس سلسلے میں محمد یوسف لدھیانوی کی کتاب 'اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں انہوں نے میں لکھا ہے کہ'' مولانا (مودودی) کے نزدیک اسلام ایک سیاسی تحریک کا نام ہے(لا دین الا لسیاسۃ) اس لئے کہ وہ کسی بڑی سے بڑی عبادت کو اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں دیتے جب تک کہ وہ سیاسی تحریک کے لئے مفید نہ ہو اس لئے وہ بات بات پر عبادات کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اس طرح مودودی نے عظمت امام مہدی کو عامیانہ اور سطحی مذاق کا ہدف بنایا ہے کیا ایسے پوہڑ پن اور بھونڈے مذاق کا انسان کسی تحریک کا رہنما کہے جانے کا مستحق ہے؟ چہ جا یکہ اس کے مرنے کے بعد اسے لوگ مہدی مان لیں۔ محمد یوسف لدھیانوی نے لکھا ہے کہ' میں کسی طرح یقین نہیں کر پاتا کہ ایسی سوقیانہ افسانہ طرازی کسی عالم دین کے قلم سے بھی نکل سکتی ہے۔ مگر مولانا (مودودی) کو اہل اللہ کی شکل وصورت سے جو نفرت ہے اور ان کے اعمال واشغال سے جو بغض وعداوت ہے اس نے انہیں غیر سنجیدہ مذاق پر مجبور کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مولانا کی ذات گرامی میں آخر کس چیز کی کمی ہے؟ یہ ساری باتیں جو مولانا نے ''الامام المہدی'' کے لئے لکھی ہیں (کہ مہدی ایک ماڈرن سیاست دان اور لیڈر ہوگا) ایک ایک کر کے ماشاءاللہ خود مودودی میں پائی جاتی ہیں' وہ خدا کے فضل سے جدید ترین طرز کے لیڈر بھی ہیں' تمام علوم جدیدہ میں ان کو مجتہدانہ بصیرت بھی حاصل ہے' زندگی کے سارے مسائل مہمہ پر نہ صرف ان کی نظر ہے بلکہ ایک ایک مسئلہ پر ان کے قلم نے لکھ لکھ کر کاغذوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ اور سیاسی تدبر کی ساری باتیں بھی انہوں نے ذہن سے کاغذ پر منتقل کر دی ہیں۔ آخر کیا بات ہے کہ الامام المہدی کے بارے میں ذکر کردہ ساری صفات کے ساتھ متصف ہونے کے باوجود ان کی تحریک (جماعت اسلامی) کاغذی گھوڑے دوڑانے سے آگے نہیں بڑھ سکی؟

حضرت عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ نے شواہد النبوہ میں حضورﷺ پر ایمان نہ لانے اور تصدیق نہ کرنے والوں کے بارے میں لکھا ہے کہ: ایک جماعت ایسی ہے جو آنحضرتﷺ کے معجزات وتصدیق کے متعلق ہمیشہ سننے کے باوجود دولت تصدیق وایمان سے بہرہ مند نہیں ہوتی وگرنہ تصدیق وایمان سے بہرہ مندی کے بعد حضورﷺ کے تمام معجزات کا مشاہدہ ان کے یقین وایمان کا موجب بنتا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جن میں سے صفت مناسبت مٹ چکی تھی اور نور جنسیت ختم ہو چکا تھا۔ ہر چند ان کے سامنے معجزات وآیات پیش کے گئے لیکن وہ عداوت وعناد اور تکبر وغرور کے رستے پر ہی گامزن رہے۔ ایسے لوگوں میں قبیلہ قریش کے بڑے بڑے لوگوں کی ہے جو ازراہ تحکم آپ ﷺ سے معجزات طلب کرتے تھے اور مشاہدہ کے بعد کہہ دیتے کہ یہ جادو اور شعبدہ بازی ہے۔ اور اس مشاہدہ سے محض ان کی بدبختی وشومئ قسمت ہی میں اضافہ ہوا اور انہیں لوگوں سے ملحدوں اور زندیقوں

کی ایک جماعت پیدا ہوگئی جو کہ صدیوں سے ...تکبر وغرور کی راہ پر چلتی آئی ہے۔(شواہد النبوہ)

۱۰ جون ۲۰۱۲ کے راشٹریہ سہارا میں پروفیسر اختر الواسع کا مضمون 'ریشمی رومال تحریک کے ۱۰۰ سال' میں اس کے تمام ثبوت وشواہد ہیں۔لکھا ہے کہ''1857 میں مسلمانوں کے سیاسی زوال پر آخری مہر لگ جانے کے بعد اس کی خاکستر سے اٹھنے والی چنگاریوں نے مسلمانوں میں دوطرح کے رجحانات کو فروغ دیا۔ایک سرسید احمد خاں کا' جو انگریزوں کے ساتھ تعامل وتعاون کے ذریعہ اس مقام تک پہنچنا چاہتا تھا جہاں سے وہ آزادی وخود مختاری کا مطالبہ کر سکے۔دوسرا طبقہ قاسم نانوتوی اور دیگر علمائے دیوبند کا جو انگریزوں سے ہر طرح سے قطع تعلق رکھتے ہوئے انہیں اقتدار سے بیدخل کرنے کا خواہاں تھا۔چنانچہ اس نے ہر طرح کی سیاسی وسرکاری سرپرستی اور اثر سے آزاد ایک ایسے تعلیمی نظام اور روایت کی داغ بیل ڈالی جس کا پیش خیمہ دارالعلوم دیوبند تھا۔

مدارس کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حریت وآزادی کے جذبے کو کبھی سرد پڑھنے نہ دیا۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہماری جدوجہد آزادی کے بڑے مسلم رہنماء ہی نہیں بلکہ ہمارے سیاسی رہنماؤں کے بہت بڑی اکثریت کا تعلق انہیں بوریہ نشین علماء اور ان کی تعلیمی روایت سے تھا۔بظاہر سیاسی نہ رہتے ہوئے بھی آزادی کی سیاست کا گڑھ بنے رہنا ہماری مدارس کی روایت کا امتیاز ہے۔دیو بند ایک علامتی اصطلاح ہے جو ہندوستانی مسلمانوں میں اس رجحان کے لئے استعمال ہوتی ہے۔(یہی رجحان نے بعد میں طالبان کو جنم دیا اور وہابیت کے ذریعہ مسلمانوں کا خون ناحق بہایا اور! آج بھی بہایا جا رہا ہے جس کی ابتداء صحرائے نجد سے ہوئی تھی) مولانا محمود الحسن دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب العلم تھے بعد میں انہوں نے مدرسی اور صدر مدرس کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔اور انہوں نے دارالعلوم دیوبند کو اپنے فکر وعمل سے ایک ایسے مرکز میں تبدیل کر دیا جہاں علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کے ساتھ جدوجہد آزادی کی آبیاری کی جاتی تھی (مطلب خالص مذہبیت اور للّٰہیت دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کی وجہ نہیں تھی)

وہ (محمود الحسن) آزادی کی صبح تک مدرسے کی چہار دیواری کے اندر بیٹھے رہنے اور انتظار کرنے کے قایل نہ تھے بلکہ میدان عمل میں نکل کر اپنے عوان وانصار کے ساتھ آزادی کی جدوجہد کو کامیابی سے ہم کنار کرنے میں اپنا عملی تعاون بھی پیش کرنا چاہتے تھے۔اس مقصد کے لئے مولانا محمود الحسن نے عام طلبہ سے ہٹ کر اپنے مخصوص شاگردوں کی اس مقصد کے لئے وقف ایک ٹیم بھی تیار کی جس کے روح رواں مولانا عبیداللہ سندھی اور عبدالرحیم انصاری وغیرہ تھے (اور اس طرح طالبان اور بدنام زمانہ اسلامی دہشت گردی کی بنیاد پڑی جس نے دنیا میں اسلام کے دشمنوں کو دہشت گرد مذہب قرار دینے کا بھرپور موقع ملا' جبکہ حالات اور شہادتیں بتا رہی ہیں کہ دیوبند کا تعلق سیاست اور حکومت

سے تھا، نہ کہ اسلام سے)

مفتی محمد تقی عثمانی نے نقوش رفتگان کے صفحہ ۸۹ پر لکھا ہے کہ ''..... جہاں آزادیٔ ہند کے لئے علمائے دیو بند کا ذکر آتا ہے وہاں مجاہدین (ہندوستان کی آزادی کے) فہرست میں مولانا عبیداللہ سندھی کا نام بھی شامل ہے۔لیکن مولانا عبیداللہ سندھی کے نظریات میں دینی اعتبار سے وہ تصلب نہ تھا جو علماء دیو بند کا طرہ امتیاز رہا ہے۔اسی لئے وہ بعض عقاید و احکام میں وقتاً فوقتاً جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتے تھے۔.........ایک مرتبہ انہوں نے کسی ایسے نظریہ کا اعلان کر دیا تھا جو جمہور علمائے امت کے خلاف تھا........آخری دور میں انہوں نے پھر بعض ایسے نظریات کی تبلیغ شروع کر دی جو جمہور علمائے امت کے خلاف، بلکہ نہایت خطرناک اور زایغانہ تھے۔اسی طرح شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسمٰعیل نے اپنے ماننے والوں کی جماعت کے ساتھ پشتون پاکستان میں اپنی نام نہاد اسلامی حکومت کا دعویٰ کیا تھا اور خود امیر المومنین کا لقب اختیار کر لیا مگر لوگوں نے ان کی اس مملکت کی طرف توجہ بھی نہ دی۔

دیو بندی، تبلیغی، جماعت اسلامی اور وہابی خود کو کتنا ہی دیندار اور مذہبی سمجھ لیں تاریخی مذہبی و عقائدی شہادتیں گواہ دے رہی ہیں کہ ان کے اعزایم سیاسی ہیں ایمانی نہیں۔ یہاں ان باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ کے دور کے بعد دنیا کو دین کے ذریعہ حاصل کرنے کا طریقہ دشمنان اسلام کا رہا ہے۔مسیلمہ کذاب نبوت کا منکر تھا بلکہ اس کا دعویٰ تھا کہ اسے حضور ﷺ کے ساتھ شریک نبوت کیا گیا ہے۔اس نے آپ ﷺ کو لکھا تھا کہ ''مسیلمہ رسول اللہ (کذاب) کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف آپ پر سلام ہو۔آپ کو معلوم ہو کہ میں آپ کے ساتھ نبوت کے کام میں شریک کیا گیا ہوں (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۳۹۹) اور مسیلمہ کذاب کے ہاں جو اذاں دی جاتی اس میں **اشھد ان محمد الرسول الله** کے الفاظ کہے جاتے تھے بنو حنفیہ کے لوگ اس لئے غلط فہمی میں مبتلاء ہو گئے اور اس پر ایمان لے آئے کہ اس نے خود کو حضور ﷺ کی رسالت میں شریک کر دیا تھا۔یعنی متاع دنیا یا حکومت، جاہ و حشمت کے دلدادہ لوگوں نے مذہب و دین اسلام اور اس کی تعلیمات کی آڑ میں اپنے مکر و فریب سے دنیا حاصل کرنے کی کوشش ہر زمانے میں کی ہے۔

ایسے لوگوں کو جب اپنے حسب منشاء دنیا میں کامیابی نہیں ملی تو جھنجلا کر مذہب اسلام کی بنیادی اساس پر ہی سیدھا حملہ کر دیا۔ان کی کفریہ دشنام طرازیاں ملاحظہ ہوں جسے سادہ لوح لوگوں نے دین و مذہب سمجھ لیا ہے۔

۱) جس کا نام محمد یا علی ہو وہ کسی چیز کا مختار نہیں، نبی اور ولی کچھ نہیں کر سکتے (تقویۃ الایمان صفحہ ۴۱ اسماعیل دہلوی)

۲) امتی بظاہر عمل میں نبی سے بڑھ جاتا ہے (قاسم نانوتوی ص ۵ تحذیر الناس)

۳) دیوبند کے علماء نے حضور اکرم (ﷺ) کو پل صراط پر سے گرنے سے بچا لیا (بلغۃ الحیران ص ۸ حسین علی دیوبندی)

۴) لا الہ الا اللہ اشرف علی (تھانوی) رسول اللہ اور الھم صلی علی سیدنا ونبینا اشرف علی کہنے میں تسلی ہے کوئی خرابی نہیں (رسالہ الامداد صفحہ ۳۴، ۳۵ اشرف علی تھانوی)

ان کی دریدہ دہنی دیکھئے لکھا ہے کہ ''یہ بات بھی قابل پہچان ہے کہ (ہر چیز اللہ تعالی کے حکم سے پیدا ہونے کی وجہ سے اس کا کلمہ ہے) تاہم یہاں خصوصی طور پر حضرت عیسیٰ کو ''اللہ تعالی کا کلمہ کہا گیا ہے (بتانا یہ مقصود ہے کہ محمد عبدالوہاب نجدی اور وہابی توحید کی بات کر کے اللہ کا کلمہ ہو چکے ہیں۔ (سوال یہ ہے؟ کہ ختم رسالت کی توہین اور تضحیک کر کے یہ کیا ہوئے کہنے کی ضرورت نہیں) انکا کہنا ہے کہ انبیاء کرام بھی اس کلمہ (لا الہ الااللہ) کی فضیلت کے جاننے کے محتاج تھے (اور صرف وہابیوں نے اس کی فضیلت کو جانا ہے) (سید مجتبیٰ سیعدی)

حضور ﷺ کا ادب ولحاظ مقام ومرتبہ کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں ''**لَا تَجْعَلُوْ ا دُعَآ ءَ الرَّ سُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُم بَعْضًا**(سورہ نور ۶۳) مومنو پیغمبر کے پکارنے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اور سورۂ حجرات میں ہے کہ ''**یا ایھا الذین آمنو ا لا ترفعو ا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھرو لہ بالقول کجھرو بعضکم بعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون** (الحجرات ۲) اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور ان کے سامنے بات زیادہ اونچی آواز سے نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچا بول لیتے ہو ورنہ اندیشہ ہے کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں محسوس بھی نہ ہو۔

اب ان بدبختوں کی گستاخی اور دلیری دیکھئے تمام حد وادب بالائے طاق رکھدیا۔ اور اس پر ان کے ہمنواؤں اور ان عقیدت مندوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان والے ہیں۔

۵) جو خصوصیت نبی کریم کی ہے وہی دجال کی ہے (نعوذ باللہ) (آب حیات ص ۱۶۹ قاسم نانوتوی)

۶) نبی کا ہر جھوٹ سے پاک اور معصوم ہونا ضروری نہیں (تصویۃ العقاید ص ۲۵ قاسم نانوتوی)

۷) نبی کی تعریف صرف بشر کی سی کرو بلکہ اس میں بھی کمی کرو (تقویۃ الایمان و ۳۵، ۶۱)

۸) لفظ رحمۃ اللعالمین، رسول اللہ (ﷺ) کی صفت خاصہ نہیں ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں کو بھی رحمۃ اللعالمین کہہ سکتے ہیں (فتاوی رشیدیہ ص ۱۲ رشید احمد گنگوہی)

رسول ﷺ فرماتے ہیں ''**ایکم مثلی یطعمنی ربی و یسقنی**'' تم میں سے کون میری

طرح ہوسکتا ہے میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ'' اور اے نبی ﷺ ہم تم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' اور رشید گنگوہی کا کہنا ہیکہ رحمت اللعالمین حضور ﷺ کی صفت خاصہ نہیں ہے۔ یا گنگوہی کو بھی رحمت اللعالمین کہنا چاہئے۔ تو کیا گنگوہی کو بھی وحی آتی تھی؟ کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں رحمت اللعالمین کی صفت خاص کے بعد اللہ یہ فرما رہا ہے کہ'' کہہ دو کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے'' تو کیا گنگوہی بھی اس صفت سے بھی متعصف تھا؟ (نعوذ باللہ)

۹) خاتم النبین کا معنی آخری نبی سمجھنا عوام کا خیال ہے' علم والوں کے نزدیک یہ معنی درست نہیں (تحذیر الناس ص۳ قاسم نانوتوی)

قاسم نانوتوئ کا کہنا ہے کہ امت مسلمہ کہتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النبین ہیں۔ اور عالم (قاسم نانوتوئ جیسے عالم) حضور ﷺ کو خاتم النبین نہیں سمجھتے' یا یہ بھی نبوت کے حقدار ہوسکتے ہیں یا ان کو بھی رحمۃ اللعالمین کہا جاسکتا ہے (نعوذ باللہ) اسی لئے انہوں نے اپنے ماننے والوں پر نبوت کو جاری وساری کر کے (جاہل' گنوار' بد بخت) لوگوں پر نبیوں والا کام سونپ دیا ہے۔

زباں سے کر گیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تو نے (اقبالؔ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ'' اگر آدمی یہ'' نہ'' سمجھے کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلم نہیں۔ اگر وہ کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یا میں پیغمبر ہوں تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (جلد۲ ص۲۶۳)

۱۰) دیوبند کے شیخ التفسیر مولوی احمد لاہوری نے لکھا ہے کہ'' مرزا احمد قادیانی اصل میں نبی ہی تھے لیکن میں نے ان کی نبوت کشید کر لی اور یہ نبوت اب مجھے وحی کے فائدوں سے نواز رہی ہے (تجلی دیوبند ۱۹۵۷)

شان نبوت' اس کے تقدس اس کے مقام و مرتبہ کا ان لوگوں نے بھدا مذاق بنا دیا ایسا کرنے کی جرأت یہود و نصاریٰ بھی نہ کر سکے تھے۔ کیا یہ عالم دین اور مبلغ دین ہیں؟ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک انہوں نے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ بس یہی مومن ہیں باقی سب بدعتی۔ لیکن آج انکی بہت ساری کتابیں بازار میں دستیاب ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مومن تو کیا مسلمان کہلانے کے بھی مستحق نہیں ہیں۔

۱۱) حضور اکرم ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے (تقویۃ الایمان اسماعیل دہلوی) اور رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں اسماعیل دہلوی کے تمام اقوال اعمال اور تحریروں کو جایز قرار دیا ہے۔

ان بد بخت جملوں کا جواب مدارج النبوہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ

''اگرچہ حدیث نبوی کے مقتضیٰ بموجب عام مومن کی قبر میں وسعت و کشادگی منتہائے نظر تک ہوتی ہے۔تو سردار الانبیاء سید اہل صفا ﷺ کی قبر انور شریف کی جگہ کا کیا اندازہ۔حدیث میں آیا ہے کہ 'انبیاء علیہا السلام کو چالیس دن بعد قبر انور میں نہیں رکھتے اور حدیث میں ہے کہ حق تعالی کے نزدیک اس سے بزرگ تر ہوں کہ تین دن کے بعد مجھے قبر انور میں رکھے۔اس سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہ السلام اپنی قبروں میں حیات کے ساتھ مذکورہ مدت کے قطعی طور پر اقامت گزیں نہ ہوسکیں؟ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: حق تعالی نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء علیہ السلام کے اجساد مقدسہ کو کھائے......

مفتی محمد فیض احمد اویسی نے شرح الصدور السیوطی کی تقریظ میں لکھا ہے کہ'' عوام نے موت مٹنے کو سمجھ رکھا ہے۔حالانکہ یہ عقیدہ کفار مکہ کا تھا''کما قال اذا متنا و کنا ترابًا(کیا ہم جب مرکر مٹی ہو جائیں گے) اہل اسلام کے نزدیک روح کا جسم سے خروج کا نام موت ہے پھر روح جہاں بھی ہو رابطہ رہتا ہے۔''اور یہ بھی لکھا ہے کہ'' ہمارے دور میں معتزلہ (فرقہ) کو عوام بہت کم بلکہ بالکل نہیں جانتے۔خواص (علمائے کرام و مشائخین عظام) کو ان کا اور ان کے عقائد کا علم ہے۔لیکن اس فرقہ (معتزلہ) کا نام و نشان تک ختم ہے۔البتہ ان کے عقاید و مسائل کو ہمارے دور میں مختلف عنوانات سے زندہ کیا جارہا ہے۔منکرین حدیث، اور نیچری بالخصوص وہ دیگر جدید فرقے انہیں معتزلہ و خوارج کی یادگار ہیں۔وہابی، دیوبندی اور ان کی تمام شاخیں انہیں خوارج و معتزلہ کی نشانیاں ہیں۔

۱۲) ''دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد (حضور ﷺ کو علم الغیب کا ہونا) بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور (ﷺ) ہی کی کیا تخصیص (خصوصیت) ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی (بچہ) و مجنوں (دیوانہ) بلکہ جمیع حیوانات و بہایم (جانور اور چوپائے) کے لئے بھی حاصل ہے (حفظ الایمان صفحہ ۱۳۔اشرف علی تھانوی)

دریدہ ذہنی بدباطنی اور بدزبانی کی اس زیادہ کیا مثال ہوسکتی ہے۔وہابیت کی اس بے دینی کے لئے بس اتنا کافی ہے کے آپ ﷺ کو معراج میں وہ دکھایا گیا جو کائنات میں یا ہستی عالم میں کسی کو نہیں دکھایا گیا۔انسان تو کجا کسی مخلوق نے بھی قدرت الٰہیہ کے وہ نظارے وہ خلائق نہیں دیکھے جو آپ ﷺ سے پہلے یا بعد کسی نبی مرسل یا ملائکہ مقرب نے دیکھیں ہوں حتیٰ کہ جبریل امین علیہ السلام جو کائنات کی پیدائش سے ستر ہزار سال پہلے سے نور محمد ﷺ کو دیکھ چکے تھے وہ بھی سدرۃ منتہٰی سے آگے نہ بڑھ سکے۔باایں ہمہ حضور ﷺ نہ صرف آگے بڑھے بلکہ عرش اعظم پر آپ ﷺ کو خالق کونین نے خوش آمدید کہا۔یعنی تخلیق خلایق سے پہلے یا بعد وہ کسی نے نہیں دیکھا جو حضور ﷺ نے دیکھا۔یا خلایق عالم کے کمالات کی آپ ﷺ پر تکمیل کردی گئی اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُم

وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط ''(سورۃ المائدہ آیت ۳) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔'' اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں''یعنی تمام طریقے ادیان' مذاہب' خیالات' کمالات' احساسات' سوچ' تفکر' تدبر کی تکمیل کا مرجع و مرقعہ آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے۔اس سے بڑھ کر علم الغیب کے مشاہدے کے کیا کیفیت ہوسکتی ہے۔اللہ تعالی کی لعنت ہوان پر جو آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ اس قدر گھٹا کر پیش کرتے ہیں۔ کے علم غیب کی برابری زید و عمر' صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات سے کرتے ہیں۔جبکہ حضور ﷺ کو الانسان کامل کہا گیا۔

آج خدا کا ایک باغی اور منکر بھی آسمانی وسعتوں میں جھانک رہا ہے اس کی حقیقتوں کی پہچان بتا رہا ہے اور دنیا کو آگاہ کر رہا ہے۔اور وہابیوں نے حضور ﷺ کو علم غیب کا نہ ہونا اس بات پر موقوف کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پیچھے کا علم نہیں تھا۔''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے' میں اپنے پیچھے بھی اس طرح دیکھتا ہوں جیسے اپنے آگے اور سامنے کی چیزیں دیکھ رہا ہوتا ہوں۔اس لئے تم اپنی صفیں سیدھی رکھا کرو اور اپنے رکوع و سجود اچھی طرح کر لیا کرو'' (مسند امام حنبل ۸۲۳۸)

اب ذرا مودودی کی شان رسول ﷺ میں گستاخیاں بھی دیکھ لیجیے۔''ہر شخص خدا کا عبد ہے مومن بھی اور کافر بھی جس طرح ایک نبی اسی طرح شیطان رجیم بھی۔(رسایل و مسایل' صفحہ ۳۱)

انبیاء بھی انسان ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین میعار قائم رہے جو مومن کے لے مقرر ہے۔بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے۔(ترجمان القران صفحہ ۳۴)

انبیائے کرام علیہ السلام رائے اور فیصلے کی غلطی بھی کرتے تھے۔(ترجمان القران ص ۱۵۸)

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِم غِشَاوَةٌ اور مہر لگا دی اللہ تعالی نے ان کے دلوں اور کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔جیسا کہ ابوجہل ملعون کے بارے میں خبر دی تھی''كَمَنْ مَّثَلُهُ فِی الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا اس کی حالت اس شخص کی طرح ہے جو ظلمتوں (اندھیروں) میں گھرا ہوا ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا۔اب ان کی دیکھا دیکھی ہر فرقہ اور مسلک کے لوگ شان رسول ﷺ میں گستاخی کرنا عالم دین ہونا مان لیا ہے۔اور ہذیان بکنے لگے ہیں۔

سورہ توبہ آیت ۱۰۷ میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ''اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس

غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچایں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں ....اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھا مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں اور آیت ۱۰۸ میں فرمایا تم اس مسجد میں جا کر کبھی کھڑے بھی نہ ہونا (چہ جا یکہ اس جگہ جا کر نمازیں پڑھو اور عبادت کرو)

چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست   پست بہر دستے نشاید داد و دست

چونکہ بہت سے شیطان انسانی چہرے کے ہیں   اس لئے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ پکڑانا چاہے

(مولانا روم)

ان تمام حقایق کو یہاں پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس مقام رسالت کا کوئی لحاظ نہیں ہے وہ مقام ولایت کی اہمیت اور ضرورت کو کیا پہچانیں گے یا سمجھ پائیں گے۔انہوں نے دینی علم صرف اس لئے حاصل کیا ہے کہ اس کے ذریعہ اپنے پیٹ جہنم کی آگ سے بھریں اور دنیا اور متاع دنیا کو زیادہ سے زیادہ حاصل کریں اور دین کے پیشوا بن کر لوگوں پر حاکم بنیں اور امت رسول ﷺ کا استحصال کریں۔علامہ ذہلان نے الدارالسنیہ صحیحین سے حدیث شریف نقل کی ہے کہ'' فرمایا رسول ﷺ نے مشرق سے ایک گروہ ظاہر ہوگا جو قرآن کی تلاوت کر رہے ہونگے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔یہ گروہ روز قیامت تک ترقی کرتا رہیگا اور یہی لوگ دجال کی ترقی کا سبب بھی بنیں گے۔ان کی پہچان یہ ہیکہ وہ ایک حلقے میں بیٹھے ہونگے''وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْ دِیْنَهُم ْ لَعِبًا وَّ غَرَّ تْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا (سورہ انعام ۷۰) انہیں چھوڑ دیجیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔اور دنیا کی زندگی (مال ومتاع) نے مغرور کر دیا ہے۔متاع دنیا یعنی دولت' شہرت' عزت' علم' مشیخیت' پیشوائی ہی تو ہے

علامہ ابن سیرین نے نعیم بن حمادؒ کے حوالے سے قول نقل کیا ہے کہ''**عن ابن سیرین قبل له المهدی خیراو ابو بکر و عمر رضی الله عنهما ؟ قال هوا خیر منهما و بعدل بنبی** (کتاب الفتن ص ۲۵۰)

علامہ ابن سیرین سے پوچھا گیا کہ امام مہدیؑ زیادہ بہتر ہیں یا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما؟ تو ابن سیرین نے کہا کہ امام مہدیؑ ان دونوں سے زیادہ بہتر ہیں اور نبی کے برابر ہیں۔

علامہ سیوطیؒ نے الحاوی الفتاوی جلد ۲ صفحہ پر نقل کیا ہے جن میں ایک روایت ضمرہ کی سند سے ابن سیرین سے یوں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔''جب فتنوں کا زمانہ آجاے گا تو تم اپنے گھروں میں بیٹھ جانا یہاں تک کہ تم حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ بہتر آدمی کے آنے کی خبر کا سن لو۔لوگوں نے پوچھا کہ کیا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما سے بھی افضل کوئی شخص آے گا؟ تو فرمایا کہ وہ تو بعض انبیاء پر فضیلت رکھتا ہوگا۔(الحاوی المفتاوی جلد ۲ صفحہ ۹۲)

سید برزنجیؒ نے علامہ سیوطیؒ کی تحقیق نقل کر کے اپنی تحقیق یوں رقم کی ہے ''تحقیقی بات یہ ہے کہ باہمی فضیلت کی جہات مختلف ہوسکتی ہیں, اس لئے ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم کسی ایک فرد کو مطلق فضیلت دے دیں, ہاں! اگر 'حضورﷺ ہی کسی کو کلی فضیلت دے دیں تو اور بات ہے' ورنہ درست نہیں' کیونکہ ہر مفعول میں کسی نہ کسی جہت سے کوئی ایسی اضافی چیز پائی جاتی ہے جو افضل میں نہیں ہوتی........ امام مہدیؑ کی فضیلت پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ حضورﷺ نے ان کو ''خلیفۃ اللہ'' فرمایا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کو زیادہ سے زیادہ ''خلیفۃ الرسول اللہ'' کہا جاتا ہے (الاشاعہ ص ۲۳۸)

فتوحات مکیہ باب ۳۶۶ میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے مہدیؑ کے باب میں فرمایا ہے کہ 'جب یہ امام نکلیں گے تو خصوصًا فقہا کے سوائے ان کا کھلا دشمن کوئی نہ ہوگا۔ کیونکہ فقہا کی حکومت باقی نہیں رہے گی' جب مہدیؑ ان کے مذہب کے خلاف کریں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ ان کا ہر حکم گمراہی پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے فقراء کا یہ اعتقاد ہوگا کہ اجتہاد کا زمانہ ختم ہوگیا ہے اور پھر ان آیمہ کے بعد پھر کسی کو اجتہاد کا درجہ نہیں ملیگا۔ اگر مہدی کے ہاتھ میں اللہ کی تلوار نہ ہوگی تو فقیہا ان کے قتل کا فتوی دیتے' نیز فتوحات میں ہے کہ مہدیؑ کے زمانے میں بہت مذہب ہونگے اور مہدیؑ اجتہاد و استدلال سے حکم نہیں کریں گے بلکہ مہدیؑ اپنے اس کشف و یقین کے ذریعہ سے حکم کریں گے جو آپؑ کو نبیﷺ کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہوگا۔ (جواہر التصدیق)

حضرت امام مہدی اپنی سیرت' اور اخلاق میں حضورﷺ کے مشابہ اور مماثل ہونگے کیونکہ وہ حضورﷺ کی اولاد میں سے ہونگے۔ صاحب مظاہر حق جدید نے جلد ۵ صفحہ ۳۷ میں حدیث '' لا تھذب الدنیا'' کے تحت فرمایا ہے کہ'' حضورﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضورﷺ کے ساتھ ان (مہدیؑ) کا تعلق صرف نسبی اور نسلی نہیں ہوگا بلکہ روحانی اور شرعی بھی ہوگا۔ یعنی ان کا طور طریقہ اور ان کے عادات و معمولات حضورﷺ کے طور طریقے اور آپﷺ کے عادات و معمولات کے مطابق ہونگے'' (اسلام میں مہدی کا تصور) منکرین مہدی یا فی زمانہ وہ لوگ جو مہدیؑ کی آمد یا بعثت کے منکر ہیں ان میں عبیداللہ سندھی' ڈاکٹر اقبال اور سر سید احمد خاں کا نام ہے۔ ان کے علاوہ وہابیہ کا وہ طبقہ جو راست طور پر وہابیت سے ملحق ہے مگر! خود کو اہل سنت کہتا ہے وہ مہدی کا کھلے لفظوں میں انکار تو نہیں کرتے لیکن تمام احادیث مہدی کو غریب اور ضعیف قرار دے کر مہدی کے تشخص کو مشکوک بنا دیتے ہیں جیسا کے ان کی ذہنیت ہے کہ اگر کسی بات کو سمجھا نہیں سکتے تو عوام کو کنفیوز کر دو یا مغالطہ میں ڈال دو جیسے صدیقی کاندھلوی نے اپنے کتابچہ عقیدہ ظہور مہدی میں کیا ہے۔ ان کے جواب میں وہ لوگ جو منتظر مہدی ہے کہتے ہیں کہ ''پہلی بات تو یہ ہے کہ عقائد و اعمال شرعیہ کا اصل مدار اور سرچشمہ دو چیزیں

ہیں: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں.........ناقد محدثین اور علمائے اُمت کے اقوال کی روشنی میں یہ بات تفصیل سے ذکر کی ہے کہ امام مہدی کا ظہور کثیر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔لہٰذا اب امام مہدی کا ثبوت اس پر بالکل موقوف نہیں کہ فلاں متکلم نے اپنی کتا میں اس کو ذکر کیا بھی یا نہیں یہ بالکل بدیہی بات ہے.......ظہور مہدی کا مسلہ کتب حدیث اور ان جیسی کتابوں میں تلاش کرنا چاہئے۔........احادیث صیحہ مرفوعہ سے ظہور مہدی ثابت ہے.....

حضرت شیخ علی ہجویریؒ فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ مدعیان علم میں سے میرا ایک شخص سے مناظرہ ہوا۔جس نے کلاہ غرور کا نام آیمہ شریعت کی سیرت رکھا ہوا تھا۔دوران مناظرہ اس نے کہا کہ ملحدین کی بارہ جماعتیں ہیں ان میں سے ایک اہل تصوف کی ہے۔میںؒ نے کہا اگر ایک جماعت صوفیاء کی ہے تو باقی گیارہ تم لوگوں میں سے ہیں۔تاہم صوفیاء کی ایک جماعت ہو کر بھی جس طرح اپنی حفاظت کرتی ہے، تم گیارہ رہ کر بھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتے (غرور و تکبر سے)۔آپؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم الکلام (توحید الٰہی) کی صرف عبارات پر ہی اکتفا کرتا ہے اور زہد و تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ زندیق (بے دین) ہے اور جو شخص پرہیزگاری اپنائے بغیر شریعت اور علم فقہ پر اکتفا کر لیتا ہے وہ فاسق ہو جاتا ہے''

میڈ ویل انڈیا میں پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ ''مہدویوں نے نہ صرف روحانی تزکیہ سے عوام کی خدمت کی بلکہ ہندوستان کے تمدن بنانے اور سنوارنے میں بھی ان کا حصہ کسی سے کم نہیں........دنیادار کج فہم مولوی ان کے در پے آزار ہو گئے۔وہ مولوی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ مہدویہ تعلیمات عوام میں ایک حیات تازہ پیدا کر رہی تھیں۔صدیوں کا سویا ہوا انسان ان کی آواز پر جاگ رہا تھا۔جنونی اور تنگ نظر مولوی یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کے اپنے بنائے ہوئے مذہب وعقاید کا بھانڈہ ان جان باز مخلص مہدویوں کے ہاتھوں پھوٹ رہا ہے۔

اورینٹل کالج میگزین میں خلیق احمد نظامی، ایم اے، استاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ ''حقیقت یہ ہے کہ سید محمد جونپوری کی تحریک حالات گرد و پیش کے خلاف ایک زبردست بغاوت کا اعلان تھا۔مادیت کی وباء ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔شریعت سے انحراف روز بروز ترقی کر رہا تھا۔علماء نے، دین کی بے حرمتی پر کمر باندھی تھی اور سیدھے سادھے انسانوں کو گمراہ کر رہے تھے صوفیہ نے شریعت وطریقت کی تفریق میں اپنی بے راہ روی کا جواز تلاش کر لیا تھا۔امراء وسلاطین ہنگامہ ہائے ناؤ و نوش میں مدہوش تھے۔اس صورت حال نے سید محمد (مہدی موعودؑ) کے حساس قلب میں کرب و بے چینی پیدا کر دی تھی۔انہوں نے اعلاء کلمہ حق کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔

سید محمد جونپوری (مہدی موعودؑ) جو فرقہ مہدویہ کے بانی ہیں۔مہدویہ کے خروج سے نہ

صرف ایک نیا فرقہ وجود میں آیا بلکہ اس نے اپنے پیروؤں میں ایک تازہ روح اور دینی جوش پھونک دیا۔ ایک نئی قسم کی رہبانیت کی ترویج کی۔ نئی جماعت بندی ہوئی اور نیا لٹریچر وجود میں آیا۔ نئے فدائی اور شہدا پیدا ہوئے جو عقیدے کی خاطر اپنا جان و مال ہر وقت قربان کرنے کے لئے مستعد تھے قید و بند قتل و غارت، اخراج اور دنیوی لالچ انہیں اپنے معتقدات سے متزلزل نہیں کرسکتا تھا دنیا ترک کی اور مہدیؑ کی خاطر طرح طرح کے عذاب سہے۔ مگر اس سے غداری نہیں کی۔ (خلیق محمد نظامی)

ایمان کا معاملہ یقین سے ہوتا ہے، سنن دارمی میں موصلی اور ابن حیان کی سند سے حدیث بیان ہوئی ہے کہ ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ ہم سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کے ایک اعرابی آیا، جب وہ آپ کے قریب ہوا تو اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟'' اس نے کہا 'اپنے گھر کا'' ''آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا بھلائی میں تجھے کچھ رغبت ہے؟ اس نے کہا 'وہ کیا ہے؟ یہ کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں''۔ اس نے کہا جو بات آپ کہہ رہے ہیں اس پر کون گواہی دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کیکر کا درخت'' اور وہ درخت وادی کے کنارے پر تھا پس اسے رسول اللہ ﷺ نے بلایا، وہ زمین کو پھاڑتا ہوا آیا حتی کہ وہ آپؐ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ آپؐ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی، اس نے تین بار گواہی دی کہ آپ ایسے ہیں جیسے آپ ﷺ نے فرمایا۔ پھر وہ اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ وہ دیہاتی نے واپس اپنی قوم کے پاس لوٹتے ہوئے کہا ''اگر انہوں نے میری بات مان لی تو ان سب کو آپ کے پاس لاؤں گا اور آپ ہی کے پاس رہوں گا۔

حضرت میراں سید محمد مہدیٔ موعود علیہ السلام کے دعوئے مہدیت سے پہلے جن ہستیوں کو الہام، کشف، ہاتف اور ندائے غیب سے اشارے دئے گئے اور مطلع کیا گیا کے آپ کی ذات والا صفات مہدیٔ آخرالزماں ہے ان میں پہلے تو آپ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ ہیں، جو صاحبہ عفت عبادت گزار نیک پاکیزہ فطرت پرہیز گذار تھیں، جنہوں نے آپؑ کی پیدائش سے پہلے معاملہ دیکھا کہ چاند آسمان سے اتر کر بی بی کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا جس قدر بلند ہوتا تھا تجلی روشن زیادہ ہوتی تھی۔ بی بی نے یہ واقعہ اپنے بھائی قیام الملک کو سنایا جو صاحب پرہیز گار مرد صاحب علم و عمل تھے انہوں نے سنکر آپ سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شکم سے صاحب خاتم الاولیا پیدا ہوگا.... آپؑ کی ولادت باسعادت کے وقت حضرت شیخ دانیالؒ ساکن جونپور نے جو صاحب حال اور مرشد دوراں تھے ان کے کانوں نے آواز سنی جاء الحق تو شیخ کے دل میں یہ بات آئی کہ آج کوئی مرد عزیز پیدا ہوا ہے۔ آپؒ اسی جستجو میں تھے کہ آپ کو معلوم ہوا میراں سید عبداللہ کو لڑکا عطا ہوا ہے۔ تو آپ نے عبداللہ کو بلا کر اس بچہ کا حال دریافت کیا میاں عبداللہ نے تمام حالات کہنے کے بعد کہا کہ آنحضرت ﷺ خواب

میں تشریف لا کر کہا کہ اس طفل کا نام میں نے اپنے نام پر رکھا ہے اس لئے ہم نے اس کا نام سید محمد رکھا ہے۔ حضرت شیخ دانیالؒ نے حضرت عبداللہ کو آپ کے خاتم ولایت ہونے کی خوشخبری سنائی۔ اور اس کے بعد ہر لمحہ و ہر حال آپؑ کے حال اور کیفیات پر آپ کی نظر رہی یہاں تک کہ آپ کی بسم اللہ خوانی پر شیخ دانیالؒ نے مراقبہ کیا تو دیکھا حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے ہیں اسکے بعد علمائے جونپور نے آپ کے علمی قابلیت کو دیکھ کر اسعد العلماء کا خطاب دیا۔

بیدر کے شیخ مومن توکلیؒ کو از روئے کشف معلوم ہوا کے آپؑ ہی ذات مہدی موعود ہے۔ اور قاضی علاء الدین اور ان کے علاوہ شیخ بابوؒ قاضی عبدالواحد جنیری نے ہاتف کی آواز سنی کہ مہدیؑ موعود ظاہر ہو گیا۔ جب آپؑ حج کو گئے تو ایک دن جو بروز پیر تھا حضرت مہدیؑ نے اللہ کے حکم سے رکن و مقام اور حجر اسود کے درمیان بلند آواز سے مجمع خلایق میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث پڑھ کر دعوی مہدیت فرمایا کہ ''جس نے میری پیروی کی مومن ہے۔ حضرت شاہ نظامؒ قاضی علا الدینؒ اور ایک اعرابی جو خواجہ خضر تھے یا شافعی مصلے کے امام نے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا ہم تیری اتباع کرتے ہیں۔ وہاں موجود باقی لوگ کہنے لگے اس مرد نے نبی ﷺ کی طرح بڑی بات کہدی۔ امام علیہ السلام نے کہا قاضی کتنے گواہ پر راضی ہوتا ہے (یعنی شہادت کے لئے کتنے گواہ چاہئے) تو قاضی علاء الدین نے کہا دو پر اس کے بعد امامؑ وہاں سے واپس آئے۔ اس وقت آپ کے صحابہ پر سات آٹھ دن کا فاقہ تھا۔ آپؑ نے تین ماہ تک کعبہ میں قیام فرمایا۔ میاں شاہ نعمتؒ جب ملاعین کے سپاہیوں سے چھپتے ہوئے جنگل میں پہنچے تو وہاں اذان کی آواز سنی اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جب سپاہی آئے تو پہچانا نہیں وہ یہ مجھے کہ کوئی اللہ کا بندہ نماز اداء کر رہا ہے چلے گئے۔ جب میاں شاہ نعمتؒ نماز سے فارغ ہوئے تو جنگل میں اذاں دینے والوں کی تلاش میں موضوع سانتیج پہنچ کر کسی سے پوچھا کہ جنگل میں اذان کس نے دی تھی کسی نے کہا کہ ایک جماعت ہے ان کا سردار سید ہے جس نے مکہ معظّمہ میں دعوی مہدیت کیا ہے۔ میاں یوسف سہیتؒ جو عالم باللہ استاد شریعت پیر طریقت تمام گجرات میں مشہور تھے ان کے جیسا کوئی عالم وہاں نہیں تھا انہوں نے اما علیہ السلام سے عرض کیا میرانجی مجھے غیب سے بطریق عتاب آواز آتی ہے کہ ہم نے سید محمدؑ کو مہدی موعود کیا ہے اس کی تصدیق کر۔ مہدیؑ نے کہا ایسا ہی ہے لیکن اس کا وقت ابھی نہیں ہے۔ میاں یوسف سہیتؒ نے کہا خوند کار دعویٰ کریں انشاء اللہ تعالی میں حضرت علیہ السلام کی مہدیت کی حجت دونگا۔ امامؑ نے فرمایا کہاں سے حجت دو گے؟ میاں یوسف سہیتؒ نے کہا کہ خدائے تعالی نے میرا دل ایسا کھولدیا ہے کہ تمام کتابوں (توریت زبور انجیل اور فرقان اور تمام احادیث اور خبروں اور بزرگوں کی کتابوں) سے مہدیؑ علیہ السلام کے مہدیت ثابت کروں گا۔ امامؑ نے فرمایا۔ خیر جی کوئی حجت نہیں دے سکتا مگر مہدیؑ کے دعویٰ پر خدائے تعالی قادر ہے وہی حجت دے گا۔

امامؑ نے بڑلی میں قیام فرمایا اس سے پہلے بارہ سال سے ہر روز حق تعالی کا فرمان ہوتا تھا۔ ہم نے تجھ کو مہدی موعود کیا ہے۔آپؑ نے فرمایا اے بار خدایا اگر چہ نفسانی وسوسہ یا ماسوی اللہ کا وجود ہے تو ہمارے جد محمدﷺ اور علی مرتضیٰؓ کے صدقے اور تیرے فضل سے مجھ کو بچا اور اس کے مکر سے باز رکھ اس کے بعد عتاب سے فرمان ہوا کہ تو عین حق کی نفی کرتا ہے.......ہم زیادہ جاننے والے ہیں اور ہم نے تجھ کو لایق جانکر محمدؐ کی ولایت کا خاتم بنایا ہے۔ ....اس کے بعد نماز ظہر کے بعد اجماع میں فرمایا میں مہدی موعود اللہ کا خلیفہ محمد رسول اللہﷺ کی پیروی کرنے والا ہوں جس نے میری پیروی کی وہ مومن ہے جس نے میری ذات کا انکار کیا پس تحقیق وہ کافر ہے۔اس دعوے اعلان کے بعد آپ نے مسلم حاکموں کو خطوط لکھے اور ساڑھے چار مہینے ان خطوط کے جواب کا انتظار کیا۔آپ کی مہدیت کی دعوت کی خبر مشہور ہوگئی شہر نہر والہ، احمد آباد اور ہر طرف سے علماء دعوت کے احوال کی تحقیق کے لئے آنے لگے اور آپؑ سے سوالات و جوابات کا سلسلہ چلتا رہا۔ اور بہت سے لوگ ایمان لائے۔

مہدیت کو اگر سمجھنا ہے تو رسول اللہﷺ کے رسالت اور نبوت کو سمجھنا ضروری ہے۔علامہ سیوطیؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جس میں ابن سیرینؒ کا قول یوں نقل کیا گیا ہے ''**يكون فی هذا الامتی خليفةالله كا يفضل عليه ابو بكر و عمر**'' اس اُمت میں ایک خلیفہ ہوگا جس پر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی فضیلت نہ ہوگی (الحاوی جلد۲ صفحہ۹۳) علامہ سیوطیؒ کے جواب میں علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ: امام مہدیؑ کی افضلیت اور ثواب کا اضافہ ایک امر صحی ہے اس لے کہ کبھی کبھار مفعول میں کچھ ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو افضل میں نہیں ہوتیں اس وجہ سے طاؤسؒ نے امام مہدیؑ کا زمانہ پانے کی تمنا کی ہے اس لئے کے امام مہدیؑ کے زمانے میں (یا ماننے والوں کو) نیک کام کرنے والوں سے زیادہ ثواب ملے گا اور گناہ گار کو توبہ کی توفیق ہوگی (القول المختصر فی علامات مہدی المنتظر صفحہ۷۱)

ملا علی قاری نے اپنی کتاب ''المشرب الوردو فی مذہب المہدی'' میں لکھا ہے کہ ''امام مہدیؑ کی فضیلت پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ حضورﷺ نے ان کو ''خلیفۃ اللہ'' فرمایا ہے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو زیادہ سے زیادہ ''خلیفۃ الرسول اللہ'' کہا جاتا ہے (الاشاعہ)

اور جو لوگ بعثت مہدی کو خلافت دنیا، وحکومت دنیا پر محمول کر کے دنیا میں حکمرانی کے منصوبے گھڑتے ہیں وہ بھی یہ بات جان لیں کہ خلیفۃ اللہ مہدی کی بعثت احیائے دین، تجدید دین کے لئے مخصوص ہے نہ کہ حکومت وامارت دنیا کے لئے اور اسی کے ساتھ یہ بھی جان لیں کہ حضورؐ کیا حکمراں تھے بادشاہ تھے، یا فرمانروا تھے؟ وہؐ یہ سب کچھ نہیں تھے بلکہ وہ اللہ کے نبی تھے! جو زمین پر اللہ تعالی کے احکام اور شریعت نازل کرنے کے لے مبعوث ہوئے تھے البتہ خاتم الانبیاء اور ختم المرسلین تھے اس لئے

آپ ﷺ کے پیغام احکام اور اعمال میں آگے چل کر جو برائیاں اور بدعتیں پیدا ہونے والی تھیں ان کو آپ ؐ کی مکمل اور بے خطاء اتباع کرنے والے معصوم عن الخطاء موعودہ ہستی خاتم ولایت محمدیہ ؑ کی تعلیم و تربیت سے بندوں کو خدا سے واصل کرانا اور ان کے ایمان وعقیدہ کو مربوط ومضبوط رکھنا تھا۔حکمرانی و بادشاہی تو دنیاداری سے موسوم ہے اس کو ایمان ویقین اور روحانی معاملات سے کیا تعلق۔

نقل ہے کہ مہدی علیہ السلام نے فرمایا ''مہدی اور مہدویوں کے لئے کوئی جگہ اور جائے پناہ گھر اور الفت کا مقام نہیں۔انشاءاللہ جو ہمارے ہیں مفلس مریں گے مہدی ومہدویاں قیامت تک رہیں گے۔

ایک روز میاں بغدادیؓ نے عرض کیا کہ سہروردی خانوادہ میں نفس کی تسلی کے لئے کچھ زر کمر میں باندھنا چاہئے اور خواجگان چشت کے پاس جو کچھ خدا دیتا ہے اسی روز کھاتے اور کھلا دیتے ہیں جو کچھ باقی رہ جاتا ہے اسے زمین میں دفن کردیتے ہیں۔امامؑ نے فرمایا دونوں کا مقصود اچھا ہے لیکن دونوں کے کلام میں ہستی کی بو آتی ہے کلام اللہ اور محمد الرسول اللہ ﷺ کی اتباع سے کچھ ادا نہیں کیا۔اس لئے کہ بخل و اسراف دونوں ناجائز ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**لم یسرفوا ولم یقتروا** (جز ۱۹ رکوع ۴) نہ فضول خرچی کریں نہ تنگی کریں۔درویشی کا کمال یہ ہے کہ خود کو اس طرح خدا کے حوالے کردیں کہ کچھ اختیار نہ رہے۔

ایک روز میاں ملک گوہرؓ امام مہدیؑ علیہ السلام کے ہمراہ گرم پانی کا لوٹا لئے ہوئے جنگل میں جارہے تھے۔اس جنگل میں جتنے پہاڑ تھے خالص سونا ہو گئے اور ندیوں کی تمام ریت جواہر بے بہا بن گئی۔امامؑ نے فرمایا اے ملک گوہرا گر تم کو کوئی چیز درکار ہو تو لے لو۔عرض کیا خدا کی قسم مجھ کو کوئی چیز نہیں چاہئے پس فرمایا کہ ایک مٹھی لے کر تمام صحابہؓ کو دکھاؤ اور کہو جس شخص کو اس چیز کی ضرورت ہے جائز ہے۔تو تمام صحابہؓ نے کہا کہ ہم کو ان جواہرات اور سونے کی ضرورت نہیں۔ملک گوہرؓ نے امامؑ سے عرض کیا کہ کسی صحابیؓ نے اس سونے جواہرات کی طرف توجہ نہ کی تو امام مہدیؑ آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن خاتم ولایت محمدیہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کو چاہتا ہے مال کو نہیں چاہتا اور جو شخص مال کو چاہتا ہے وہ خدا کو نہیں چاہتا۔پس مہدی مال کو نکال کر کس کو دیگا۔نادان لوگ نہیں جانتے زمین سے مال نکال کر لوگوں کو گمراہ کرنا دجال کی صفت ہے۔

مشکواۃ شریف جلد چہارم میں ہے کہ ''حضرت نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا 'پھر وہ (دجال) ایک قوم کے پاس جائے گا اور انہیں (اپنی طرف) بلائے گا وہ لوگ اس کی بات نہیں مانیں گے تو وہ ان کے پاس پھر (پلٹ کر) جائے گا تو وہ لوگ قحط میں مبتلاء ہو جائینگے۔ان کے ہاتھ کچھ اپنا مال نہیں ہوگا۔پھر دجال ویرانے میں جائے گا اور ویرانے سے خطاب کریگا۔کہے گا (دبے ہوئے) خزانے نکال دے چنانچہ تمام خزانے (زمین سے نکلیں گے) اس کے پیچھے (دجال کے) لوگ اس طرح چلیں گے جیسے شہد کی مکھیوں کے سردار کے پیچھے مکھیاں چلتی ہیں۔

دنیا میں ان گنت نظریات ہوئے ہیں لیکن مذہب اسلام کا متبادل اوراس کے جتنا موثر اور متاثر کن کوئی نہیں رہا جس نے تیئیس سال کے قلیل عرصے میں ریگزار عرب سے پھیل کر تمام براعظموں کو اپنے خیالات ونظریات سے متاثر کیا ہو۔توحید کے ساتھ شرک و بت پرستی کا پرانا واسطہ رہا ہے' مگر توحید نے انسانیت کو زمانے کے ہر دور میں متاثر کیا' شرک و بت پرستی بہ معنی خوف و دہشت کے لوگوں کو قرب خالق کائینات سے دور رکھنے کا موجب رہی ہے۔رب الارباب کا تصور دنیا کی ہر قوم و قبیلے کا مرکز رہا ہے' دوسری عفریتوں اور معبودوں کو خدائے واحد کے معاون و مددگار کے طور پر لازم کرلیا گیا۔اسی طرح دہریت یا اشتراکیت (کمیونزم) ہے۔جس میں وحدت الوجود کا خانہ خالی ہونے کے باوجود خلایق کا وجود میں آنا اور خود افزایش نسل و پیدایش نباتات و جمادات کا وجود کا موجود ہونا بسبب حیرانی و تحقیق سے مراد ہے۔مطلب ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔انارکی یا فاشیزم یا ڈکٹیٹرشپ جس میں شفقت رحم کی کوئی گنجایش نہیں' لیکن مخلوقات پر اپنی برتری اور فوقیت دوسروں سے اعلی وارفع ایک فرد واحد یا قوم کے علاوہ دوسرے ہیچ اور نیچ جو خالق نے انہیں عطا کر دی ہے۔سکیولرازم جس میں نہ ذات پات نہ مذب نہ عقیدہ نہ نظریہ' سب کا مالک ایک راستے انیک اور! منزل دنیا کی خوشی سمیٹ اور بعد مرنے کے جو ہوگا دیکھ۔اگر ان نظریات اور خیالات کی تشریح اور گنتی کرنے بیٹھیں تو زندگی گزر جائے۔ ایسے ہی فرسودات اسلام بھی کہیں کہیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ جنہوں نے حق کی تحقیق کے بناء ہم کو بدعتی قرار دے کر بے دینوں اور خدا کے دشمنوں کی پناہ پکڑ رکھی ہے۔اور جب تب مہدویوں کے اعمال وعقاید پر حملے کرواتے ہیں۔وہ اپنے ظاہر پرست بے دین آقاؤں کے اعمال واقوال کی تحقیق کرلیں اور خوشی خوشی جہنم رسید ہوجائیں اس کا انہیں پورا اختیار ہے۔جو بھی بدبخت ان کے مدرسوں سے تعلیم حاصل کر کے آتا ہے اپنی بڑائی اور تشہیر کے لئے مہدویوں کو Soft Target سمجھ کر اول جھول بکنے لگ جاتا ہے۔لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم تمہارے دنیا سمیٹنے والے علم کی تشہیر کا تر نوالہ نہیں ہیں؟ یہ بات یاد رہے!

حضرت ابواللیث سمرقندی نے اپنی کتاب تنبیہ الغافلین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت پیش کی ہے کہ''آخری زمانے میں کچھ ایسے (بظاہر دیندار) لوگ نظر آئینگے جو دنیا کی طلب میں اس طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے' جس طرح گھڑسوار ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ لوگ دین بیچ کر دنیا کمائیں گے (ایک دوسری روایت میں ہے) کہ دنیا کے مال کے لئے چھینا جھپٹی کریں گے۔وہ بھیڑ کی کھال کی طرح نرم ونازک لباس پہنیں گے'ان کی زبان میں شکر کی مٹھاس ہوگی' ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کی طرح سخت اور سیاہ ہونگے۔اللہ تعالی ان سے کہے گا:''تم میرے بارے میں کسی فریب میں مبتلا ہو یا بہت جری (باغی) ہوگے''۔اس کے

بعد فرماتا ہے'' مجھے اپنی ذات کی قسم' میں انہیں ایسے فتنوں میں مبتلا کروں گا کہ بڑے بڑے عقلمند حیرت میں پڑ جائیں گے۔' یعنی یہ لوگ عام معاشرتی زندگی میں ایسی حرکتیں کریں گے' جنہیں دیکھ کر یا سن کر عوام کی نظروں میں بھی ان کی کوئی قدر و عزت نہ ہوگی۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے'' مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَه' فِيْهَا مَانَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَالَه' جَهَنَّمَ ج يَصْلاَ هَا مَلْعُوْمًا مَّدْحُوْرًا (بنی اسرایل ۱۸) جو شخص (اپنے عمل کا بدلہ) دنیا میں چاہتا ہے ہم اسے دنیا ہی میں جتنا چاہیں دے دیتے ہیں' پھر ہم اس کے لئے جہنم مقرر کر دیتے ہیں' جس میں وہ ذلیل و رسواء ہو کر داخل ہوتا ہے۔

آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس یا شیطان کا زمین پر اتارا جانا معلوم ہے۔ ایک حق کا علم بردار تو دوسرا ناحق کا۔ ایک اپنی لغزش کی خفت مٹانے اللہ کے احکام پر چلنے کا وعدہ کر کے آیا ہے۔ تو دوسرا اللہ کا باغی بن کر بندگان خدا کو بہکانے کا ارادہ لے کر آیا ہے۔ جس کے وارث علمائے سوء علمائے متکبر ہیں۔ یہ دو متضاد جہتیں ہیں (Extreme Parallels) جو کبھی بھی ایکجا نہیں ہو سکتیں۔ مگر ابلیس کا کمال یہ ہے کہ اس کے درمیان شگاف کر کے ان کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے' اور اس کی مدد یہ علمائے سوٗ اور متکبر آسان کر دیتے ہیں اور لوگوں کے دین و ایمان اور عقیدہ و مذہب میں تفرقہ پیدا کر کے شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اسی قسم کے گروہوں کو منافقین کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ان میں معتزلہ' وہابیہ' تبلیغی و جماعتی ہیں ,انہیں کے دم بہ قدم سے زمین پر شیطان کی دنیا آباد ہے۔ اور ! اللہ کے مخلص بندے آخرت یا حیات بعد الموت کو آباد کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ انہیں دنیا کی حکومت' مشیخیت یا حق کا انکار کرنے والوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ اپنا عمل اخلاص سے کئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی عمل بہ اخلاص کی تعلیم و تربیت کا نام مہدویت ہے۔

مہدویت نہ حکومت' نہ جاہ و حشمت کا نام ہے' نہ طلب متاع دنیا کا' اور نہ مشیخیت' نہ کشف و کرامات اور مجاہدہ و بدعات کا۔ اور نہ ہی معلم و رہبر بن کر کبر و نخوت و غرور میں اللہ کے بندوں کو حقیر جان کر انہیں اللہ سے واصل کرنے کے لئے خود کو وارث انبیاء اور لائق سمجھکر خود کی اطاعت پر مجبور کر کے بندگان خدا کا استحصال کرنیکا۔ بلکہ بحیثیت انسان دنیا میں رہتے ہوئے علائق دنیا سے کنارہ کش رہ کر زندگی کی دوسری ضرورتوں اور ذمہ داریوں کے ساتھ خالق کائنات کے حقوق کی ادائیگی میں سنت رسول ﷺ اور شریعت مطہرہ کی پابندی کے ساتھ خود کو اللہ تعالی کے سپرد کر دینے اور اس کے لئے تعلیمات مہدیٔ موعود آخرالزماں علیہ السلام اور آپ کی تربیت کے مطابق عملی زندگی گزارنے کا نام مہدویت ہے۔

سوداگری نہیں ہے یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے اقبالؔ

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

یٰسٓ اور بینہ

روایتوں میں یہ تو ہے کہ ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر سجدہ کہاں اور کس مقام پر کیا تھا اس کا تذکرہ کہیں نہیں ہے اس مقام کو نہ عرش کہا گیا نہ فرش نہ خلاء نہ بسیط ,جبکہ آدمؑ و ملائکہ مخلوق ہیں ۔ تو کیا خالق عالم کو جنت یا کسی زماں ومکاں پر تعین کرنا مقید و محصور کرنا اور خالق کل کی وسعت وقدرت کو محدود کرنا نہیں ہے ۔ روایتوں میں یہ بھی کہیں نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام نے یا کسی ملائکہ مقرب نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا یا اسے دیکھا یا بالمشافہ ملاقات یا کلام کیا ہو۔لیکن ! اولا دآدمؑ کی بے چینی ,طلب دید کی چاہت دیکھئے مخلوقات میں شرف دیا گیا,عقل اور سمجھ جیسی عظیم نعمت دی گئی اور دنیا میں اس کی راحت و سکون کے اسباب پیدا کئے گئے ,مگر ! وہ مطمئن نہیں ہوتا۔ انسانیت کے لئے خالق کل کو دیکھنے کی کوشش کرنا کوئی غیر فطری امر تو نہیں ,اسی لئے تو امامت اعظمٰی عطاء کر کے رسول اللہ ﷺ کو معراج میں جلوہ دکھایا اور ولایت تامہ میں تعلیم احسان کے ذریعہ اس تقاضۂ بشری کو پورا کرنے کی دعوت دی گئی ۔اور خلیفۃ اللہ معمور من اللہ نے کہا ''میں دیکھنے والوں کا مذہب لایا ہوں'' اور یہ بھی کہا کہ ''جو خدا کو مقید دیکھے وہ کافر ہے''۔اسی دیدارحق کے بشری خواہش کا اظہار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کیا جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور جلیل القدر پیغمبر تھے ,جب فرعون نے حکومت وطاقت کے گھمنڈ میں خود کو رب کہلوانا چاہا تو حضرت موسیٰؑ نے اپنے جیسے انسان اور ایک ادنیٰ مخلوق کو رب ماننے سے انکار تو کر دیا لیکن انسانی فطرت اور بشری خواہش کے اندر چھپے اُس احساس اور طلب کو چھپا نہ سکے اور دیدار کی تمنا کی ۔''قَالَ رَبِّ اَرِنِیۤ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ط'' اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں'(آیت ۱۴۲ رکوع ۱۷ اعراف)وقت کا نبی ,پیغمبر اور رسول بحثیت خلیفۃ اللہ انسانی مخلوق کا پیشوا رہبر اور رہنماء ہوتا ہے ,اس کی خوہش عامتہ الناس کی خواہش ہوتی ہے اسی لئے وہ معجزہ بھی طلب کرتا ہے اس نمایندگی کا اظہار نماز کی امامت میں دکھائی دیتا ہے۔ دیگر انبیاء نے بھی ایسی خواہشیں کی ہیں ، ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا ''قَا لَ اِبْرٰھِمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیفَ تُحِیْ الْمَوْتٰی ط کہا ابراہیم

***

نے اے رب میرے دکھلا دے مجھ کو کیونکر جلاتا ہے (پیدا) مُردوں کو'' (آیت ۲۶۰ رکوع ۵ ۷ البقرہ) مہدیٔ موعود علیہ السلام کی دعوت دیدار کا اعلان اسی تقاضۂ بشری کے کمال کی تکمیل اور اختتام ہے۔ اور دیدارِ حق کا انکار رسول اللہ ﷺ کی معراج کی حقیقت کا انکار ہے جو کفر ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی روح مقدس کا انسانیت پر یہ احسان عظیم ہے کہ آپؐ نے انسانوں کی روحوں کو اجسام کی قید سے باہر نکالا اور مخلوق کی غلامی سے آزادی دلائی اور خالق کائنات سے متعارف کروایا اور انہیں خدائی قواعد وضوابط کے مطابق بندگی ادا کرنے کی تعلیم اور طریقے بتلائے۔ آپ ﷺ کی عظمت کا منتہیٰ ہے کہ آپ ﷺ نے مخلوق اور خالق کی حقیقت انسان کو واضح طور پر کروائی یہ آپ ﷺ کی نبوت کا کمال عظیم ہے۔ وہ نبوت جو اصلاح وتبلیغ سے موصوف ہے۔ اور آپ ﷺ کی ولایت تامہ جو انسانیت کو خالق کل سے واصل بحق کرنے اور ترقیٔ درجات انسانیت اور بلندیٔ پرواز اعمال سے متصف ہے اس کی انتہا بھی لازمی تھی اس لئے سنت خداوندی کے تحت ایک مدت ایک میعاد تک انسانی مشاغل واعمال کی ایک طبعی عمر بھی ہوتی ہے, اس کے مطابق اعمال نبوت جو تبلیغ واصلاح سے موصوف تھے آپ سے ظاہر ہوگئے اور اعمال ولایت جو آپ ﷺ سے منسوب اور مخصوص تھے ان کے کمالات کا اظہار بھی تو ہونا تھا, ایسا تو نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ ﷺ کو عام انسانوں کے مقابلے طویل عمر عطا کردی جاتی جو انسانی عقل سے بعید از قیاس بات ہوتی جس میں اس بات کا احتمال یا خطرہ تھا کہ انسانیت پھر سے بوجہ حیرانگی حقیقی معبود کو بھلا کر غیر معبود کے تابع ہوجاتی یا آپ ﷺ ہی کی پرستش شروع کردی جاتی جیسا کہ اگلی قوموں نے کیا اور بعد کے دور میں خود امت مسلمہ کی قبر پرستی اس لعنت کی مثال ہے۔ اس کے لئے خالق کے تابع کی نہیں مخلوق کے تابع کا اہتمام کیا گیا تا کہ ولایت تامہ کا مظہر بھی آپ ﷺ کی عترت میں مخلوق خاص مبین کلام اللہ مراد اللہ ظاہر ہو۔ جو پہلے سے ہدایت یافتہ ہو اور یہ وعدہ کیا گیا کہ اس ہدایت یافتہ ہادی ومہدی کو ایک ہی رات میں تمام کمالات عطا کردئے جائینگے۔ جس کے لئے عمر رفتہ کے لمحوں اور عرصے کی ضرورت نہ ہوگی'' **عن علی قال قال رسول الله ﷺ المهدی منا اهل البیت یصلحه الله بی لیلة** (ابن ماجہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہدیؑ ہم اہل بیت میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں ایک ہی رات میں صلاحیت پیدا کردیگا (ابن ماجہ)۔ یہاں **یصلحه** سے ظاہر ہے کہ امام مہدیؑ کو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ فیض حاصل ہوگا.........بعض علما نے

****

اس حدیث کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہدیؑ کو یکا یک خلافت الٰہی کے قابل بنا دیگا۔ (مقدمہ سراج الابصار ۸۰)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ کہا افسوس ہے طالقان پر، اس میں اللہ کے خزانے ہیں، نہ سونے کے نہ چاندی کے، لیکن وہاں ایسے لوگ ہونگے جو اللہ کو پہچانتے گے، جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے، اور وہ انصار ہوں گے مہدی کے (ابونعیم الکوفی۔ کتاب الفتن) یہاں اس بات سے بحث کئے بغیر کے طالقان گاؤں تھا، ملک تھا یا علاقہ حضرت علیؓ کی روایت کا یہ حصہ غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا جیسا اسکے پہچاننے کا حق ہے سونے چاندی کے خزانوں کو پالینے سے زیادہ بلکہ بہت بڑی دولت ہے، اور یہ دولت صرف مہدی کے انصار کو ملے گی۔ معنوی، لغوی، اور تاریخی اعتبار سے انصار ان اہل مدینہ کو کہتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو عرب کے کفر وشرک کے اجتماعی ماحول اور جانی و مالی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر اخلاقی، ظاہری و باطنی و ایمانی طور پر نہ صرف خوش آمدید کہا بلکہ دل و جان سے قبول کیا۔ اور مہدیٔ موعود علیہ السلام کے جو انصار بنے ان کے تاریخی احوال کا اگر بنظر غور جایزہ لیں تو حضرت علیؓ کی روایت بخوبی صادق آتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا نبی و پیغمبر آخرالزماں ہونا اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ دنیا کی ایک بڑی آبادی آپ ﷺ کو پیغمبر مانتی ہے' یا نہیں مانتی۔ اگر ایسا تھا تو آپ ﷺ کی بعثت کے وقت جزیرۂ عرب کے علاوہ دنیا کی دوسری آبادیاں آپ ﷺ کو اور آپ کے پیغام کو جانتی نہیں تھیں' بلکہ! آپ ﷺ کا پیغمبر آخرالزماں ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو قرآن کریم جیسی عظیم کتاب اور شریعت قطعی عطا کی گئی۔ ہم جب بھی آپ کے شریعت کے اعمال کا موازانہ قرآن کریم سے کرتے ہیں تو آپ ﷺ کی عظمت اور ختمی مرتبت ہونے کے کلی دلایل از خود ثابت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں نہ صرف آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کی شہادت خالق کائنات نے دی ہے بلکہ ایسے رموز و اسرار اس میں بیان ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت سے لیکر قیامت تک کے انسانوں کو حیران و ششدر کرنے والے ہیں۔ اس میں ایسے کئی سربستہ راز و رموز پنہاں ہیں کہ کسی کو مقطعات کے رموز نے حیراں کر رکھا ہے کسی کو آیات کے باطن کی گوہر افشانیوں نے ششدر کر دیا ہے۔ یہ باتیں زمانے کی ضرورتوں کے مطابق ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ یہ قرآن کا معجزۂ عظیم ہے۔ مثلاً مقطعات میں لفظ ' یٰسٓ '

****

ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منسوب ہے اسی طرح لفظ ’ بینه ‘، مبین کلام اللہ سے مخصوص ہے ۔ کیونکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ہے ۔ دُرِ منثور میں امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اور امام ابن ابی شیبہ، ابن منذر، اور بیہقی رحمہم اللہ نے دلایل میں حضرت محمد بن حنفیہؒ سے روایت نقل کی ہے کہ یٰسٓ سے مراد ’اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم‘ ہے ۔ اور اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ۔ ”یٰسٓ ج وَا لْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ لا اِنَّکَ لَمِنَ ا لْمُرْسَلِیْنَ لا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِالَّرحِیْمِ “اے سید ! قسم ہے قرآن حکیم کی بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں (یقیناً) آپ راہ راست پر ہیں، نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم کو) عزیز و رحیم نے ۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، تابعین، محدثین اور علمائے کاملین نے حرف مقطعہ ”یٰسٓ“ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لفظ ’ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے‘ اور ’اے سید‘ بھی ۔ لیکن لفظ ’بینه ‘ کے بارے میں ایک فیصلہ کن رائے قایم نہ کر سکے کیونکہ وہ معصوم عن خطا نہ تھے ۔ یہاں پہلے مفسرین کی تشریحات اس لفظ کے بارے میں دیکھ لیں اس کے بعد اس ’بینه ‘ یا اس مبین کی حجت پر غور کریں جو معصوم عن الخطاء ہے ۔ ”اَ فَمَن کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِنْ رَّ بِّہٖ وَ یَتْلُوْشَاھِدٌمِّنْه وَ مِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْ سٰٓی اِمَامًا وَّ رَحْمَۃً ط (سورہ ھود رکوع ۲) تو کیا وہ شخص (انکا کر سکتا ہے) جس کے پاس روشن دلیل ہو، اپنے رب کی طرف سے اور اس کے پیچھے ایک سچا گواہ بھی آ گیا ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس سے قبل کتاب موسیٰ بھی آ چکی ہو جو امام اور سراپا رحمت ہے ۔

یہاں بات صاف کہی جا رہی ہے کہ کوئی بھی اس مَنْ کا انکار نہیں کر سکتا جس کے پاس روشن دلیل (بینہ) ہو اور اس (مَنْ) کے پیچھے ایک سچا گواہ بھی آ گیا ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے (سچے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو پہلے گواہی دے چکے کہ میرے نقش قدم پر چلنے والا، مہدیؑ میری عترت میں آنے والا ہے) اس سے قبل جن کے بارے میں کتاب موسیٰؑ گواہی دے چکی ہے کے وہ سراپا رحمت ہے ۔ (اس سچے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کتاب موسیٰؑ گواہی دے چکی ہے کے وہ رحمت اللعالمین ہیں) ان کی گواہی اس (مَنْ) روشن دلیل (بینہ) کے تعلق سے کافی اور سچی ہے، اس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہونا چاہئے تھا ۔ مگر ! شش و پنج، تردد اور شک و شبہ کا سلسلہ چل ہی پڑا ۔

امام ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابونعیمؒ نے المعروفہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی

****

طالبؓ نے فرمایا: قریش میں سے کوئی آدمی بھی نہیں ہے مگر اس کے بارے میں قرآن کریم کا ایک طایفہ (چند آیات) نازل ہوا۔ تو ایک آدمی نے پوچھا: آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا ہے؟ فرمایا: کیا تو سورۂ ہود نہیں پڑھتا '' اَ فَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّن رَّ بِّہٖ وَ یَتْلُوْ شَاھِدٌ مِّنْہُ پس رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی طرف سے ہیں اور میں ان کی جانب سے سچا گواہ ہوں۔ لیکن تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ قول ضعیف ہے، اس کا کوئی قایل ثابت نہیں اور کہتے ہیں شاہد سے مراد حضرت جبرئیل ہیں۔

امام ابوالشیخؒ نے حضرت ابوالعالیہؒ سے بیان کیا ہے کہ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل حضرت محمد ﷺ ہیں۔ امام ابوالشیخ نے حضرت ابن ابی نجیح کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں روشن دلیل سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور وَ یَتْلُوْ شَاھِدٌ مِّنْہُ کے بارے میں فرمایا: کہ حضرت حسنؓ فرمایا کرتے تھے اس سے مراد زبان ہے۔ اور حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور ان کی موافقت میں حضرت سعید بن جبیرؓ نے کہا کہ وہ! شاہد حضرت جبرائیل ہیں۔

امام ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، حضرت مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں روشن دلیل تو حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں اور پیچھے آنے والے شاہد سے مراد وہ فرشتہ ہے جو آپ کی حفاظت کرتا ہے۔ اب اس (مَنْ) صاحب 'بینہ' مبین کلام اللہ مراد اللہ سے سنئے: امام مہدئ موعود علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ یہ مَنْ (اَ فَمَنْ کَانَ کا) خاص ہے اور اس سے مراد فقط تیری ذات ہے کوئی اور نہیں۔ رسالہ ہژدہ آیات کے مصنف حضرت بندگی میاں عبدالغفور سجاوندیؒ لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو مہدی علیہ السلام نے فرمایا ہے کیونکہ لفظ مَن عمومیت کا احتمال رکھتا ہے اور خصوصیت با قتضاء قرینہ ثابت ہوتی ہے جو بیان آیت میں ظاہر ہے اس طرح کے مہدئ موعود کے سوائے من کا کوئی مصداق ہونے کے لایق نہیں اگر اس کا اطلاق افراد مومن سے فرد عام پر کیا جائے تو آیت کے نفس معنی کے لحاظ سے درست نہیں ہے اور اگر اس کا اطلاق افراد اولیاء میں فرد خاص پر کیا جائے تو معنی آیت کے موافق ہوتا ہے اور اولیاء میں فرد خاص (خاتم ولایت محمدیہؐ) مہدئ موعود ہیں یہ بات دین کی ذرا سی سمجھ رکھنے والے پر مخفی نہیں اور صحیح وہی ہے جو مہدئ موعود علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے فرمایا کہ من سے مراد مہدی کی ذات ہے نہ کہ غیر کی۔ اور بینہ سے مراد

ولایت مصطفیٰ ﷺ ہے اور وہ باطن مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یعنے یہ ہے کہ پس وہ شخص جو ولایت مصطفیٰ ﷺ پر ہوا اپنے رب کی طرف سے ایسے شخص کے مانند ہوسکتا ہے........(ہژدہ آیات)

مہدیٔ موعودؑ نے فرمایا کہ: **و نیز فرمود است " حق تعالیٰ که مار فرستاده است مخصوص براے این است که آں احکام و بیان که تعلق با ولایت محمدی دارد وباسطۂ مهدی ظاهر شود** "فرماتے ہیں کہ" اللہ تعالیٰ نے بندہ کو محض اسی غرض سے بھیجا ہے کہ جو احکام و بیان کو ولایت محمدیؐ سے تعلق رکھتے ہیں مہدی کے واسطے سے ظاہر ہوں"

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں، کتاب (اللہ) میں سے جن امور کو تم چھپاتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں بہت سی باتوں کو (المایدہ رکوع ۳)

اور ارشاد باریٔ تعالیٰ ہے کہ: میں باز رکھوں گا اپنی آیتوں کو سمجھنے سے ان کو، جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق، اور اگر وہ دیکھ لیں ہر معجزہ بھی تو ایمان نہ لاویں گے اس پر اور اگر دیکھ لیں راستہ ہدایت کا تو نہ بنایں اس کو راہ، اور اگر دیکھ پائیں راستہ گمراہی کا تو اس کو ٹھہرالیں راہ، یہ اس لے کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور ان سے غافل ہو رہے۔ (جز ۹ رکوع ۷)

ان آیات الٰہیہ کو پڑھنے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرک و کافر تو قرآن نہیں پڑھتے جو آیات قرآن کو سمجھیں۔ پھر یہ خطاب اہل قرآن کے لئے ہوا اور انہیں جن کو اپنے عالم فاضل ہونے کا بڑا غرور ہوتا ہے۔ ایسی بہت سی آیات رموز واسرار ہیں جنہیں سمجھنا غور وفکر کرنا ان کے اسباب وعلت پر غور کرنا داخل ایمان ہے جان کر انجان بنے رہنا اور اپنے علم کے غرور میں ضد کرنا غفلت برتنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تکبر کرنا ہے۔

اگر قرآن کریم کے مطابق 'یٰسٓ' محمد ﷺ ہیں تو 'بینۂ مبین کلام اللہ مہدیٔ موعود ہیں۔ اس کی وضاحت سورۂ الرحمٰن میں یوں ہے۔ " رحمٰن نے (محمد کو علم) سکھایا قرآن (کا)، (اس کے بعد) پیدا فرمایا انسان کو، (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔ یہاں محمد ﷺ کو قرآن کا علم سکھانے کے بعد انسان کو پیدا کر کے قرآن کا بیان سکھانے کی بات کہی گئی ہے۔ یعنی مبین کلام اللہ کا آنا مشیعت ایزدی کے متعلق ہے یہ اسی کی منشاء ہے۔ اسی کو 'مَنْ' کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے جو 'بینه'، دلیل روشن ہے۔ اور

***

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ '' مہدی مجھ سے ہے میرے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہیں کریگا' جو خلیفۃ اللہ مامور من اللہ ہے کیونکہ جہاں کہیں قرآن حکیم بینہ دلیل روشن کا ذکر فرماتا ہے اس سے مراد پیغمبر، نبی، رسول ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں چونکہ اب ختم نبوت ﷺ کے بعد ولایت محمدیہ ﷺ کے خاتم مہدیٔ موعود ہی خلیفۃ اللہ معمور من اللہ ہیں اس لئے وہی ' مَنْ ' صاحب 'بینہ' دلیل روشن ہیں۔جنہیں حضرت یٰسٓ کے 'عَلَمَ الْقُرْآنْ علم قرآن کا بیان سکھانے یا اللہ کی مراد اور مرضی کے مطابق اس معصوم عن الخطاء کا آنا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں سے تھا۔

مہدیٔ موعود علیہ السلام نے فرمایا: ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَا نَه' (سورۂ قیامت) پھر اس قرآن کے حقیقی معنی جو ظن اور قیاس واجتہاد سے پاک ہوں اور اس کے اسرار ونکات) کا بیان کرنا ہمارا ہی حق ہے (ہمارا ہی کام ہے) اگر معلم قرآن ﷺ کی نظیر مبین کلام اللہ ہے تو یٰسٓ ﷺ کی نظیر بھی وہی صاحب بینہ ہی ہے ۔اتنا ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے اہل قرآن کی مزید سے مزید تر رہنمائی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہے کہ '' کہد واے محمد! یہ میرا راستہ ہے جس پر بلاتا ہوں دیدار کی بنیاد پر، اور وہ بھی بلائے گا جو میرا تابع ہے'' (سورہ یوسف) ایسی بہت سی آیات مبارکہ ہیں جنہیں سمجھنا غور وفکر کرنا، ان کی شان نزول کے اسباب وعلت پر غور وفکر کرنا داخل ایمان ہے۔کیونکہ اگر متبوع مخصوص ہیں تو تابع بھی مخصوص ہی ہیں، ہر کس وناکس یا کوئی خاطی وگنہگار مقام نبوت کی اتباع کا مدعی نہیں ہوسکتا۔ہم مومن ہوسکتے ہیں، مسلمان ہوسکتے ہیں، امت محمدیہ ہوسکتے ہیں تابع رسول ﷺ نہیں ہوسکتے۔متبوع کی اتباع کرنے والا مخصوص ہوتا ہے، جیسا کیا جاچکا ہے ویسا ہی ہو بہو کرنے والا، بے خطا کرنے والا۔

اصل سے نقل ناموافق ہوتی ہے نقل لغزش اور خطاء سے بعید نہیں۔نقل میں خطا اور نسیان کا امکان ہوتا ہے۔اس لئے خاتم نبوت ﷺ اور خاتم ولایت علیہ صلواۃ تسلیم اگر معلم اور مبین ہیں تو وہ یٰسٓ اور بینہ بھی ہیں۔وہ بینہ تابع رسول ﷺ ہیں نقل کرنے والے نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یٰسٓ کے بعد بینہ کی بعثت کا کیا جواز ہے یا ضرورت ہے؟ یا خاتم الانبیاء کے بعد خلیفۃ اللہ کا آنا کیوں ہے جو قرآن کریم کے مطابق مقام ومرتبہ میں آپ ﷺ کے تابع تام ہیں۔بات پلٹ کر پھر وہیں آجاتی ہے کہ۔تعلیم قرآن کے بعد بیان قرآن کا ہونا بے حد ضروری تھا! تو کیا مفسرین ومتکلمین نے قرآن کا بیان نہیں کیا؟ ہم کہتے ہیں نہیں! انہوں نے صرف معنی ومطالب بیان کئے

***

جوانہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنے تھے یا ان تک متواتر پہنچے تھے جس کا انہوں نے علم حاصل کیا تھا، اور انہیں روحانی طور پر رسول اللہ ﷺ سے بذات خود منکشف نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے نفس قرآن یا جسے باطن بھی کہا جاتا ہے اس کو وہ سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کے خلیفوں کا خاصہ ہے۔ امام آخر الزماں مہدیٔ موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ: مجھے اللہ سے ہر روز بلا واسطہ تعلیم ہوا کرتی ہے'' (عقیدہ شریفہ) اصطلاح شرع میں وحی ان علوم الٰہیہ کا نام ہے جو ملاء اعلیٰ سے نبی کے دل پر القاء کئے جاتے ہیں۔ تاریخ قرآن (حافظ محمد اسلم جیرا پوری) اللہ تعالیٰ بلا کسی توسط کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔ اس کو وحی یا القاء کہتے ہیں۔ تاریخ قرآن رسول اللہ ﷺ کے روبرو صحابۂ کبار رضوان اللہ علیہ اجمعین موجود ہوا کرتے تھے مگر اس کے باوجود جبرائیل امین کا آنا نزول وحی میں احکام الٰہی کا اترنا اور احادیث نبوی کا بیان جب تک حضور ﷺ نہیں فرماتے، بتاتے نہیں تھے کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ کئی آیات اور احادیث کے معنی و مطلب کو حضور ﷺ کو مختلف موقوں پر مختلف طریقوں سے سمجھانا پڑتا تھا۔ جیسے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے پانیوں سے دوسروں کی کھیتی سیراب مت کرو۔ دوسرے دن مدینے میں لوگوں نے آگے کے کھیتی والوں کا پانی بند کردیا۔ تنازعہ پیدا ہوگیا، حضرت عمر فاروقؓ دربار اقدس ﷺ میں پہنچے اور معاملہ عرض کیا یہ آپؐ نے کیا کہہ دیا ہے۔ اس پر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا سننے والوں نے میری بات کا غلط مطلب نکالا ہے، میرا کہنا یہ تھا کہ زناء مت کرو۔ ایسی باتوں کی صحابہؓ کو وضاحت کرنی پڑتی ہو تو، معاملات ولایت مخصوصہ کا بیان ان حالات میں کیسے مناسب ہوسکتا تھا، صرف اتنا ہوا کہ مخصوص صحابہؓ کو اس بات سے واقف کرادیا گیا کہ بات کیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث کے ذریعہ مطلع کیا گیا کہ ایک موعود مہدی آئیگا جو مراد اللہ مبین کلام اللہ ہوگا، اور وہ ان معاملات کا خلاصہ کریگا جو ولایت محمد ﷺ سے مخصوص ہیں۔ وہ میرے قدم بہ قدم چلے گا خطا نہیں کریگا۔ یہ ہے خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کے تعلق سے حضور ﷺ کا فرمان۔ اب دیکھئے علمائے اہل سنت کا عقیدہ ان آیمہ کاملین کے بارے میں جو معصوم عن خطاء بھی نہیں ہیں اور جن کے بارے میں شان رسالت ﷺ سے کوئی وضاحت یا اشارہ بھی نہیں ہے۔

امام تاج الدین سبکیؒ اصول فقہ پر اپنی مشہور کتاب ''جمع الجوامع'' کے آخر میں لکھتے ہیں: ہمارا اعتقاد ہے کہ ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری، وسفیان بن عنیہ، اوزاعی،

اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری، ابن جریر طبری، اور سارے آیمہ مسلمین عقاید و اعمال میں 'منجانب اللہ ہدایت پر تھے' اور ان آیمہ دین پر ایسی باتوں کی حرف گیری کرنے والے جن سے یہ بزرگان دین بری تھے مطلقاً لایق التفات نہیں ہیں کیونکہ یہ حضرات علوم لدنی، خدائی عطایا، باریک استنباط، معارف کی کثرت اور دین و پرہیزگاری، عبادت و زہد نیز بزرگی کے اس مقام پر تھے جہاں پہنچا نہیں جا سکتا۔ نیز ابوالاسحاق شیرازی شافعی اپنی کتاب ''اللمع فی اصول الفقہ'' میں کہتے ہیں کہ: جرح و تعدیل کے باب میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ راوی کی یا تو عدالت معلوم و مشہور ہوگی یا اس کا فسق ہونا معلوم ہوگا، یا وہ مجہول الحال ہوگا، (یعنی اس کی عدالت یا فسق معلوم نہیں) تو اگر اس کی عدالت معلوم ہے جیسے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین یا افضل التابعین جیسے حضرت حسن بصریؒ عطا بن رباحؒ، عامر شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ جیسے بزرگ ترین آیمہ دین جیسے امام مالک، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام احمد امام اسحاق بن راہویہ، اور جو ان کے ہم درجہ ہیں تو ان کی خبر ضرور قبول کی جائے گی اور ان کی عدالت و توثیق کی تحقیق ''ضروری نہیں ہوگی'' اور حافظ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ: علمائے اہل نقل میں جس کی عدالت مشہور ہو اور ثقاہت و امانت میں جس کی تعریف عام ہو اس شہرت کی بناء پر اس کے بارے میں صراحتاً انفرادی تعدیل کی حاجت نہیں۔

جبکہ امام مہدی کی فضیلت اور شیخین کے کے بارے میں علمائے اہل سنت جیسے علامہ ابن سیرینؒ کے اس قول کی حقیقت بھی معلوم کر لینا ضروری ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت امام مہدی کو ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ پر فضیلت دی ہے چنانچہ نعیم بن حماد کے قول کو اس طرح نقل کیا ہے: **عن ابن سیرین قیل له المھدی خیرا و ابو بکر و عمر رضی الله عنهما ؟ قال هوا خیر منهما و بعدل بنبی**، علامہ ابن سیرین سے پوچھا گیا امام مہدی بہتر ہیں یا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما؟ تو ابن سیرین نے کہا کہ امام مہدیؑ ان دونوں سے بہتر ہیں اور نبی کے برابر ہیں (کتاب الفتن صفحہ ۲۵۰) علامہ سیوطیؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ اور علامہ سیوطی کے جواب کو علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے: امام مہدی کی افضلیت اور ثواب کا اضافہ ایک امر نسبی ہے اس لئے کے کبھی کبھار معفول میں کچھ ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو افضل میں نہیں ہوتیں اس وجہ سے طاؤس نے امام مہدیؑ کا زمانہ پانے کی تمنا کی ہے۔ اس لئے کہ امام مہدی کے زمانے میں نیک کام کرنے والے کو زیادہ

ثواب ملے گا اور گناہ گار کو توبہ کی توفیق ہوگی۔(القول مختصر فی علامات مہدی المنتظر صفحہ ۷۱) سید برزنجیؒ نے علامہ سیوطیؒ کی تحقیق نقل کر کے بعد اپنی تحقیق یوں رقم کی: تحقیقی بات یہ ہے کہ باہمی فضیلت یہ ہے کی جہات مختلف ہوسکتی ہیں۔اس لئے ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم کسی ایک فرد کو مطلق فضیلت دے دیں ہاں! اگر ''حضورﷺ ہی کسی کو فضیلت دے دیں تو اور بات ہے'' ورنہ درست نہیں، کیونکہ ہر معفول میں کسی نے کسی جہت سے کوئی ایسی اضافی چیز پائی جاتی ہے جو افضل میں نہیں ہوتی (الاشاعہ صفحہ ۲۳۸) ملا علی قاری نے بھی اپنی کتاب المشرب الورود فی مذہب المہدی میں تحریر کیا ہے کہ ''امام مہدی کی فضیلت پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ حضورﷺ نے ان کو 'خلیفۃ اللہ' فرمایا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کو زیادہ سے زیادہ خلیفۃ الرسول کہا جاتا ہے (الاشاعہ ۲۳۸) ''حضرت امام مہدی اپنی سیرت اور اخلاق میں سرکار دو عالمﷺ کے مشابہ اور مماثل ہونگے، کیونکہ وہ حضورﷺ کی اولاد میں سے ہونگے۔(صاحب مظاہر حق جدید جلد ۵ صفحہ ۳۷) اور حدیث **لا تھذب الدنیا** کے تحت فرمایا ہے کہ ''حضورﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضورﷺ کے ساتھ ان (مہدی) کا تعلق صرف نسبی اور نسلی نہیں ہوگا بلکہ روحانی اور شرعی بھی ہوگا، یعنی ان کا طور طریقہ اور ان کے عادات و معمولات حضورﷺ کے طور طریقے اور آپ کے عادات اور معمولات کے مطابق ہونگے (اسلام میں امام مہدی کا تصور)

اب بات ہے یٰسٓ (معلم قرآن) اور صاحب بینہ کے مبین کلام اللہ ہونے یا اس مَنْ یعنی مہدیٔ موعود آخر الزماں کی۔جن کو نظر انداز کرنے یا جھٹلانے والوں کی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَ کذبوا بما لم یحیطو ا بعلمه** (سورۂ یونس آیت ۳۹) وہ ایسے کلام کو جھٹلانے لگے جس کے علم کا ابھی تک انہوں نے احاطہ بھی نہیں کیا۔اور فرمایا **و یحسبون انھم مھتدون** اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں (الاعراف ۳۰) حالانکہ حضورﷺ نے اپنا معلم ہونا خود بیان فرمایا ہے **انما بعثت معلما** ''میں معلم بن کر مبعوث ہوا ہوں۔امام ابوقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں: **کل شریعة غیر مویده با لحقیقة فغیر مقبول و کل حقیقة غیر مقیده بالشریة فغیر محصول** ''یعنی شریعت کی ہر وہ بات جس کی تائید حقیقت سے نہ ہو وہ غیر مقبول ہے، اور حقیقت کی ہر وہ بات جو شریعت کی قیود میں نہ ہو حاصل کرنے کے قابل نہیں۔پیر ذوالفقار احمد نقشبندی نے تصوف و سلوک میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ: کسی لفظ کا من و عن قرآن و

حدیث میں موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ لفظ غیر اہم ہے یا غیر اسلامی مثال کے طور پر متکلمین کا لفظ قرآن وحدیث میں من وعن کہیں موجود نہیں تو کیا علم الکلام غیر اسلامی ہوگیا۔اس کے بغیر تو اسلامی عقاید بھی ثابت نہیں کئے جا سکتے،اسی طرح نحو کا لفظ قرآن وحدیث میں موجود نہیں تو کیا علم النحو فضول اور غیر اہم ہے اس کے بغیر تو قرآن وحدیث کو سمجھنا بھی ممکن نہیں۔

ان فی ذالک لذکری لمن کان له قلب اوالقی السمع و هو شهید (سورہ ٔ ق ۳۷)اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کے لئے جس کے پاس عقل ہو یا کم از کم دوسرے کی بات توجہ سے سنے"

جو لوگ یٰسٓ کو اے محمد ﷺ اور اے سید،تو مان لیتے ہیں لیکن آپ ﷺ کے احادیث اور قرآن کریم میں بینه کے من کو خاص ماننے اس لئے تیار نہیں کہ انہیں اس من کو عام ثابت کر کے دین و ایمان میں اپنی من مانی کا موقعہ مل سکتا ہے تا کہ امت مسلمہ کے دین وایمان سے کھلواڑ کریں۔جبکہ یہ من مخصوص ہے مبین کلام اللہ مراد اللہ خلیفۃ اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ سے۔احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ: تجلیٔ ایمان کے تین مراتب ہیں۔پہلا مرتبہ عوام کے ایمان کا ہے،یہ خالص تقلیدی ایمان ہوتا ہے۔دوسرا مرتبہ متکلمین کے ایمان کا ہوتا ہے اس میں تقلید کے ساتھ حجت اور دلیل بھی ہوتی ہے،یہ مرتبہ عوام کے ایمان سے قریب ہے۔تیسرا مرتبہ عارفین کے ایمان کا ہے یہ ایمان نور یقین سے دریافت ہوتا ہے۔"اور فرماتے ہیں کہ: فطری وعزیزی عقل سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا ممکن نہیں،اور نہ بدیہی علوم کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے۔بلکہ اس کے لئے اکتسابی علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔لیکن عقل کے ذریعہ علوم حاصل کرنے پر حضرت علیؓ جیسا شخص قادر ہو سکتا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے علیؓ سے فرمایا: انا تقرب الناس الی الله تعالیٰ بانواع ابر فتقرب انت بعقلک جب لوگ نیک اعمال کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کریں تو،تو اپنی عقل کے ذریعہ اس کی قربت حاصل کر(ابونعیم)

اور صاحب بینه کا آل رسول ﷺ عترت علی و فاطمہؓ میں آنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس لئے ان علوم ولایت محمدیہ ﷺ کو خاصان خدا اور خصوصاً آل رسول ﷺ میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں احتیاطاً تذکرہ کر دیا گیا۔حضرت خواجہ سید محمد بندہ نواز گیسو درازؒ نے ملفوظات جوامع الکلم میں لکھا ہے کہ،عید کے دن حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے حسینؓ سے فرمایا کہ سید الکائنات ﷺ کی خدمت میں جا کر عیدی طلب کرو۔اگر آپ ﷺ کوئی دنیاوی چیز عطا فرمائیں تو قبول نہ کرنا اور یہ کہنا وہ راز جو حق تعالیٰ نے آپ

****

ﷺ کو شب معراج میں عطا فرمایا وہی عنایت کیا جائے تب خوش ہونگے ۔ چنانچے دونوں صاحبزدگان سرورکونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عیدی طلب کی ۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو چیزیں تمہیں پسند ہو بتاؤ تا کہ تم کو دوں ۔انہوں نے کہا، جو راز حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شب معراج عطا کیا وہی عنایت ہو۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے تامل فرمایا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس راز کے اظہار سے آپ ﷺ کو منع فرمایا تھا۔اس اثناء میں حضرت جبرئیل امین نے آکر عرض کیا کہ یہ صاحبزدگان آپ ﷺ کا جز ہیں ان کو بتانا جائز ہے۔اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک بات امام حسنؓ کے کان میں کہی اور ایک امام حسینؓ کے کان میں ۔اس کے بعد دونوں بھائی دوڑتے ہوئے بی بی فاطمہؓ کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا۔ لیکن امام حسنؓ جو کچھ بتایا تھا وہ اس سے مختلف تھا جو امام حسینؓ نے بیان کیا۔ اس اثناء میں حضرت علیؓ گھر تشریف لائے تو سب کو غیر معمولی طور پر خوش وخرم پایا۔اور آپؓ نے وجہ دریافت کی ،تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اس طرح حضور ﷺ سے راز معلوم کیا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ بات آنحضرت ﷺ نے مجھے معراج کی صبح بتائی تھی۔حضرت فاطمہؓ نے کہا پھر ہم سے یہ پوشیدہ کیوں رکھا ہے۔حضرت علیؓ نے کہا پوشیدہ نہیں رکھا لیکن قابلیت واستعداد کا انتظار کر رہا تھا۔اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو یہ قابلیت اور استعداد عطا فرمائی ہے،اب اسکے بیان کرنے میں حرج نہیں ہے۔لیکن حضرت علیؓ نے جو چیز بتائی وہ ان سب سے مختلف تھی ۔طرفہ یہ کے چاروں حضرات نے آنحضرت ﷺ سے مختلف بات حاصل کی۔اسی بات کا اشارہ حضرت ابوہریرۃؓ نے بھی دیا کہ میں نے حضور ﷺ سے دو برتن پائے (یا دو علم حاصل کئے)ایک کو میں نے ظاہر کر دیا اگر دوسرے کو ظاہر کردوں تو لوگ مجھے سنگسار کر دینگے۔

خواجہ سید محمد گیسو درازؒ فرماتے ہیں: پیغمبر علیہ السلام کی خلافت کی دو قسمیں ہیں ،کبریٰ و صغریٰ۔خلافت کبریٰ باطن ہے خلافت صغریٰ ظاہر ہے۔اس لئے ایک مدت معینہ تک اعمال وافعال ولایت محمد یہ ﷺ مخصوصہ کو اس لئے بیان کرنے کے وعدے کے ساتھ محفوظ رکھا گیا تا کہ شجراسلام ایک تناور درخت کی طرح مضبوط و مستحکم ہوجائے اور ایمان وعقیدہ میں جھول اور منافقت ،کفر والحاد کی آندھیاں اسے اپنی جڑوں سے کھوکھلا نہ کرسکیں ۔جب منصور حلاجؒ نے ان الحق کہا تو لوگ ان کی حقیقت کو سمجھ نہ سکے ان کو تختہ دار پر چڑھا دیا ،ایسے حالات میں دیدار خدا کی باتیں کرنا مصلحت نہیں تھی ۔جب فکر اسلام اور ایمان میں پختگی پیدا ہوگئی تب ولایت محمد یہ مخصوصہ ﷺ کا منتہی جو معراج مومنین

کا یقین کامل ہے جسے حبیب خداﷺ کو دو کمانوں کے فاصلے پر کرایا گیا تھا اس کی دعوت عام کا نکتہ سمجھانے کی کی تعلیم و تربیت کے اہتمام کے لئے بعثت خاتم ولایت محمدیہﷺ ضروری قرار دی گئی۔ جنہیں کبھی مبین کلام اللہ کہا گیا تو کبھی صاحب بینہ اور کبھی تابع تام رسول اللہﷺ۔

جو لوگ دیدار باری کے قائل نہیں انہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْ بِلِقَآءِ اللّٰهِ ط حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ تْهُمُ السَّا عَةُ بَغْتَةً قَا لُوْ یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّ طْنَا فِیْهَا لا ''جب لوگوں نے دیدار الٰہی کو جھٹلایا بے شک وہ لوگ بڑے گھاٹے میں رہے۔ جب ایک دم قیامت اُن پر آ موجود ہوگی تو پکار اٹھیں گی کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی'' (سورۂ انعام)

اور یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ: سَنُرِ یْهِمْ ٰایٰتِنَا فِی الْاٰفَا قِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّه' الْحَقُّ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّه' عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ہ اَ لَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِقَآ ءِ رَبِّهِمْ ط اَ لَاۤ اِ نَّه' بِکُلِّ شَیْ ءٍ مُّ حِیْطٌ ہ عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیاں اطراف میں دکھائیں گے اور ان کے اپنے درمیان میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا حق (اے پیغمبر) کیا یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد ہے۔ سنو یہ (لوگ تو) اپنے پروردگار کے دیدار ہی سے شک میں پڑے ہیں۔ سنو خدا ہر چیز پر قادر ہے'' (السجدہ)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ ابراہیم خلیل اللہ ہوں موسیٰ کلیم اللہ ہو اور رسول اللہﷺ اللہ کو دیکھیں (المستدرا حاکم ۲۱۶)

حضرت ابن عباسؓ نے بتایا کہ: حضرت محمدﷺ نے اپنے پروردگار کی زیارت کی (مستدرک ۲۲۶)

دیدار کی حقیقت کو دوسرے پہلو سے بھی دیکھا جانا چاہئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین نے رسول اللہﷺ سے کہا تھا کہ جب تک ہم آپﷺ کی صحبت میں رہتے ہیں جو ایمانی کیفیت ہم پر ہوتی ہے وہی کیفیت اس محفل سے جانے کے بعد ہماری نہیں رہتی۔ یہی حال زمانے کی دوری کا بھی ہے جب داعی کے زمانے میں فاصلہ ہو جاتا ہے تو اعمال و اشغال میں وہ بات نہیں رہ جاتی۔ اس طرح آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی غیر موجودگی کا احساس انسان کو بے باک بنا دیتا ہے وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھے کوئی دیکھنے والا، باز پرس کرنے والا نہیں ہے نہ میں کسی کے سامنے حاضر ہوں اور نہ میرے سامنے کوئی حاضر ہے یا مجھے حاضر ہونا ہے۔ جو مرضی من مانی کرو جواب دہی کوئی نہیں۔ یہی احساس انتہا کو پہنچ کر کبر و

نخوت،غرور وتکبر اختیار کر لیتا ہے یا نہیں تو انسان میں خوف وہراس کی شکل اختیار کرتے ہوئے انسان کو غیر مرئی طاقتوں کے خوف سے مرعوب ہوکر بت پرستی ،توہمات میں مبتلاء کر دیتا ہے۔کبھی کبھی یہ غرور فرعونی کیفیات میں تبدیل ہوجاتا ہے۔فراعنہ مصر خود کو''امن را'' سورج کے بیٹے تصور کرتے تھے۔اسی لے ان کے مقبروں (پیراڈس) میں ان کی زندگی کی تمام اشیا اور ان سہولیات کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تا کہ ان کے غرور کے سامان کے ساتھ وہاں عیش کریں۔یہی حال عالموں کا ہے اپنے علمی کمال اور کتابوں کے جال میں وہ خود کو محصور کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں جو وہ جانتے ہیں وہی حق ہے اور جو علم انہیں حاصل ہے اس میں انہیں کمال حاصل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ بِهٖ يَثْبُتُ عَلَى التَّوَجُّه اِلَى الحَقِّ حق تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ ہر وقت رہتی ہے۔اور یہ بھی فرماتا ہے کہ:لِيَزْدَادُوْا اِيْماناً مَعَ اِيْمَا نِهِمْ تا کہ ان کے سابق ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔یعنی جس کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہمیشہ رہتی ہے اس کا ایمان دن بہ دن زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ مزید تر زیادتی کی کچھ تو انتہا ہونی ہے وہ انتہا واصل بحق یا دیدار کے سواء کیا ہوسکتی ہے۔

حضرت سید محمد مہدیٔ موعود علیہ السلام (جونپوری) کا مہدیٔ آخرلزماں اور صاحب بینه ہونے کے لئے یہ بات بھی کافی ہے کہ آپؑ نے برصغیر کے طویل وعریض میں ہزاروں میل سفر ہجرت کرتے ہوئے دعویٔ مہدی موعود کیا اور دیدار خدا کی دعوت عام دی۔اس وقت ہندوستان سے خراسان تک جہاں آپؑ گئے اسلامی مملکتوں کا سلسلہ تھا۔آپ علیہ السلام نے بہ بانگ دہل اعلان فرمایا کہ میرے دعویٔ مہدی کو قرآن وحدیث کی روشنی میں جانچو پرکھو،اگر سچا پاؤ تو ایمان لے آؤ وگرنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معتوب ہوگے۔اگر مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو مجھے قتل کرو۔کیونکہ تم اگر ایسا نہ کرو تو میں جہاں جاؤں گا اپنا دعویٰ پیش کروں گا۔ایک منصور حلاجؒ کے اناالحق کہنے پر انہیں شہید کر دیا گیا وہ بھی ان کے وطن عزیز میں۔مگر کیا بات ہے تمام مسلم مملکتوں میں دعوت مناظرہ کے باوجود آپؑ کو قتل کرنا تو دور کی بات مسلم فرمانرواؤں نے توقف ہی کیا۔کیونکہ آپؑ کا دعویٰ اللہ کی مرضی ومنشاء کے مطابق اور اس وقت کے علماء فقہا امراء وسلاطین اور عوام الناس کی کثیر تعداد نے آپؑ کے صاحب بینه ہونے کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں سرتسلیم خم کیا۔

****

جیسا کہ دنیا کی کثیر آبادی کا حضور ﷺ کو اللہ کے رسول اور پیغمبر آخر الزماں نہ ماننے سے آپ کے معلم قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ ہونا یا یسٓ ہونا موقوف نہیں ہے۔اسی طرح اہل قرآن کے کثیر طبقے کا حضرت مہدیٔ موعود (جون پوری) کو مہدیٔ آخر الزماں اور صاحب بینہ ہونا موقوف نہیں ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے پیغمبر ﷺ کی طرف سے یعنی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں آپ علیہ السلام کا مہدیٔ ہونا ثابت ہے۔

مذہب اسلام میں عقیدہ و مذہب کے لحاظ سے کئی فرقے،طایفے اور سلسلے ہیں،جیسے سلافیہ یا وہابیہ جو خود کو ہندوستان میں اہلحدیث کہتے ہیں،ان کے ایمان وعقیدہ کا پہلا اصول رسول اللہ ﷺ کو اپنے جیسا آدمی سمجھنا اور صحابہؓ و آیمہ و اولیاء کی تحقیر و تذلیل کرنا،اور خود کو اللہ کے فرستادہ و ایستادہ سمجھنا۔ان کے بعد اخوان المسلمین یا جماعت اسلامی،جن کے پاس دین و مذہب،قرآن و حدیث صرف اس لئے کہ اس کے ذریعہ دنیا میں خلافت اللہ اور نظام مصطفیٰ کے نام پر حکمرانی کرنا اور وہ بھی مطلق العنانی (ڈکٹیٹر شپ) کے ذریعہ۔رہے دیوبندی و تبلیغی جن کا پہلا نعرہ نبیوں والا کام،یعنی بانیان دیوبند و تبلیغی جماعت جیسے قاسم نانوتوئی،اسماعیل دہلوی،محمد الیاس اور رشید احمد گنگوہی کو مقامات انبیاء پر تسلیم کرنا کیونکہ ان پر وحی جیسی کیفیت تاری رہتی تھی اس لئے انہوں نے نیا عقیدہ و مذہب ایجاد کیا۔اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کو خاتم الانبیاء نہ سمجھتے ہوئے آیمہ و صالحین کی تحقیر کرتے ہوئے جیسا ان کی کتابوں سے ظاہر ہے'سر پر ہانڈی چولھا لے کر گشت کرتے ہوئے عالمی اجتماع برپا کرنا کے دیکھو ہمارے ماننے والوں کا اژدھام کتنا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ: وَاِنْ تُطِعْ اَ کْثَرَ مَنْ فِیْ الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اگر تو دنیا والوں کی اکثریت کی پیروی کریگا تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دینگے'' اور فرماتا ہے وَ لَقَدْ صَدَّ قَ عَلَیْھِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّہ‘ فَا تَّبَعُوْہُ اِ لَّا فَرِ یْقًامِنْ الْمُوْ مِنِیْنَ ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا اور سوائے مومنوں کی ایک مختصر سی جماعت کے باقی سب اس کے پیچھے لگ گئے۔اب رہی بات روحانی سلسلوں کی جیسے قادریہ،چشتیہ،سہروردیہ،نقشبندیہ وغیرہم۔اولیائے کاملین نے اسلام اور روحانیت کو جن بنیادوں پر اسطوار کیا تھا بعد میں انہیں بدعات،قبر پرستی اور شرکیہ رسوم سے مکدر کر دیا۔اور ایسے ایسے ریاضات،مجاہدات اور نفس کے تزکیہ کے ایسے سخت اور کٹھن،صبر آزما مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے کہ آدمی ہمت نہیں کر پاتا۔ان تمام کوششوں کے بعد بھی بارگاہ خداوندی میں حاضری کا

****

پروانہ نہیں ملتا۔مگر! صاحب بینہ خلیفۃ اللہ معمور من اللہ نے ذکر خفی کی تلقین کی ایک ضرب سے اور دیدار الٰہی کی حقیقی طلب سے بندگان خدا کو خالق کائینات اور مالک حقیقی کے روبرو اس طرح لا کھڑا کردیا کہ خود کی نفی کرو اور ذات موجود ولا محدود کا اثبات ''الا اللہ تو ھے لا الہ ھوں نھیں'' جب سالک اپنے وجود ہی کو مٹادے گا تو ذات حق کے سواء باقی کیا رہجاتا ہے؟۔ بندہ خالق کے سامنے موجود تو ہے مگر اسی کے فضل سے، یہ مسلک احسان کا ایک نکتہ ہے۔ جسے سمجھنے کے لئے علم کے بحرِ ذُخار میں ڈوبنے یا عالم، فاضل اور افضل العلماء ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ۔بس انسان بندہ بن کر عاجزی و نیستی سے اس کے سامنے حاضر ہوتا رہے۔فرشتے عالم، فاضل مفتیٔ دوراں، عالم بے بدل، دامت ام برکاتہ اور خودساختہ امیر شریعت نہیں تھے۔اتنا ہی جانتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے انہیں کرنے کا حکم دیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا انہوں نے کردیا۔یہی بات ابلیس کے سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی جو بہت زیادہ جاننے کا دعویدار تھا، وہ آدمؑ کی ساخت، اسباب وعلت ,کیفیت و حالت پر غور کرتے کرتے نافرمانوں میں اول ہوگیا اور لعین قرار دیا گیا اسے اللہ تعالیٰ کا اقرار تو تھا مگر اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں اس کا علمی غرور مانع ہوگیا۔اسی طرح اس کے پیروؤں کو یٰسٓ اے محمد!ﷺ کا اقرار تو ہے۔لیکن ان کے موعود صاحب بینہ کی آمد اسباب علت کیفیت و حالت پر اس لئے اعتراض ہے کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو بینہ کا وہ تصور جو انہوں نے اپنے ذہنوں میں بٹھا رکھا ہے اس بت کو انہیں توڑنا پڑیگا اور یہ ان سے نہیں ہوسکتا۔کیونکہ اس میں ان کے اعزاز و مرتبہ کا گھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

اگر! یٰسٓ (محمدﷺ) اور صاحب بینہ (مہدیٔ موعودؑ) کی بعثت کی حقیقت کو سمجھنا ہو تو قرآن کریم سے ہی رہنمائی مل سکتی ہے۔معترض و ناقدین کی کبر و نخوت سے بھری تحریرات ہمیں راہ راست سے گمراہ کردینگی۔اللہ تعالیٰ قرآن میں تخلیق آدم کے تعلق سے فرماتا ہے: **ولقد خلقنا الانسانہ ....تا.......منھم جزاء مقسوم (سورہ الحجر)** اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی مٹی سے، جو پہلے سیاہ اور بدبودار تھی اور جان کو ہم نے پیدا فرمایا، ''اس سے پہلے ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں''، اور (اے محبوب) یاد کرو جب آپ کے رب نے کہا تھا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ اور بدبودار کیچڑ تھی جب میں اسے درست فرماؤں اور پھونک دوں اس میں 'خاص روح' اپنی طرف سے تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔

***

عزازیل کو مقامات بلند عطا کئے گئے جو آگ سے پیدا کیا گیا تھا، اس نے نافرمانی کی لعین اور ابلیس قرار دے کر زمین پر اتار دیا گیا۔ آدمؑ کو مرتبہ و مقام عطا کیا گیا اور ملائکہ سے سجدہ کرایا گیا۔ ان سے خطا سرزد ہوئی زمین پر اتارا گیا ''تم نیچے اتر جاؤ اور ایک دوسرے کے دشمن ہو'' (اس لئے انسان شیطان کو دشمن سمجھتا ہے اور شیطان انسان کو) یہاں یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ زمین ان دونوں کا ٹھکانا ہونے کے ساتھ سزاء اور آزمائش کی جگہ بھی ہے۔ مرد کی سزاء یہ کہ روٹی نان ونفقہ کے پیچھے تکلیفیں، مشکلیں اٹھاتا ہے۔ عورت کی سزاء یہ کہ نو مہینے حمل میں اولاد آدم کا بوجھ اٹھاتی پھرے اور دردزہ میں مبتلاء ہو، اور ابلیس کی سزاء دربدر ہوتے رہنا ہے، وہ ایسے کہ انسان کم از کم اعمال صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے اور روحانی پرواز کی ذریعہ سے مقرب ملائکہ بھی ہو سکتا ہے مگر ابلیس کی پرواز پر آسمان سے فرشتے اس پر شہاب ثاقب مارتے ہیں اور اس کا یقینی ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔ مگر اولاد آدم کو اس قیام دنیا کے دوران یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا، عفوو درگذر کا مستحق ہے اس کے لئے اپنے وجود کے کیچڑ والی سیاہ بدبودار مٹی کی خصوصیات کے اندر سے ان صفات حمیدہ کو جگانا ہوگا جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ''خاص روح'' میں پوشیدہ ہیں، اور یہی اس کی روحانی پرواز کا سبب بن سکتے ہیں۔ کیونکہ جس مٹی سے اس کا خمیر بنا تھا جو جنت میں قیام کا سبب بنا، دوبارہ مٹی میں دبانے پھر اسے اٹھایا جانے کے بعد وہ اس قابل ہونی چاہئے کہ پھر سے جنت میں مقام پا سکے۔ اس کے لئے اسے پہلے ایسی آگ میں جلانا چاہئے جس میں دھواں نہیں ہوتا۔ وہ آگ ہے نفس امارہ کی آگ۔ جب انسان نفس امارہ کی آگ میں خود کو جلا ڈالے گا تو نفس لوامہ میں قرار پکڑ لیگا اس کے بعد نفس مطمئنہ ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کہے گا لوٹ آ اپنے رب کی طرف نفس مطمئنہ کا انتہائی مقام دیدار حق کے سواء کیا ہو سکتا ہے۔ یہ نفس مطمئنہ کا ہی مقام ہے کہ وہ دیدار حق کو پا سکتا ہے ''گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا اللہ اسے دیکھ رہا ہے''۔

صاحب بینه نے مبین کلام اللہ مراد اللہ ہونے کی مقام پر یہی نکتہ مختلف طریقوں اور تعلیم سے سمجھایا ہے 'ذکر مخلوط' کرنے والا مشرک 'ذکر قلیل' کرنے والا منافق 'ذکر کثیر' کرنے والا مومن ناقص اور 'ذکر دوام' کرنے والا مؤمن کامل۔ اس کے لئے ان اعمال کی تعلیم اور تلقین کی جیسے 'ترک دنیا' 'ترک علایق' 'صحبت صادقاں' 'عزلت خلق' 'ذکر کثیر'۔ اور آخر میں طلب دیدار کہتے ہیں۔

مٹی ایک ایسا عنصر ہے کہ اس سے میں کئی راز اور دفینہ ہیں۔ اور ایک ہوتا ہے کچی مٹی کا گھڑا جو

***

ہلکی ضرب سے ٹوٹ جاتا ہے، ایک ہوتا ہے آگ میں تپائی ہوئی مٹی کا گھڑا جو پختہ تو ہوتا ہے مگر مضبوط نہیں۔ اسی طرح خاص قسم کی مٹی یا ریت سے پورسلین porcelain کے Insulator بنائے جاتے ہیں جو بجلی کے کھمبوں اور پاور اسٹیشنوں میں کام آتے ہیں جو ہزاروں واٹ بجلی کو سہہ لیتے ہیں۔ انسان نے ہزار ہا سال کی تگ ودو کے بعد اسی مٹی سے ایسا جوہر نکالا ہے جسے سیلکان silicon کہتے ہیں۔ ایک خاص قسم کی ریت اور خاص قسم کے ریتیلے پتھروں sandstone کو جب ہزار ہا درجہ حرارت کی گرمی میں کلن میں تپایا جاتا ہے تو اس میں سے سیلکا یا سیلکان برامد ہوتا ہے۔ اس سے مائیکروچپس Micro chips بنائی جاتے ہیں جو کمپیوٹر میں استعمال ہوتے ہیں۔ جو ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر ہونے کے باوجود اتنے حساس اور تیز رفتار سرعت سے لاکھوں کروڑوں مسائل آن واحد میں حل کر دیتے کہ جو عام انسانی عقل سے بعید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو جنہیں یٰسؔ کہا ہے اور صاحب بینہ کو جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مہدی خلیفۃ للہ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ انسانوں کو مٹی کا ایسا ہی ایک جوہر بنانے یا بننے کی ترکیب، تعلیم اور طریقہ بتایا ہے، تاکہ انسان خلایق عالم کو وہ جوہر بن کر دکھائے کے تمام خلایق حیران وششدر ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ فخر محسوس کریں۔ اور بدبودار کیچڑ والی مٹی سے ایسے قندیل بنیں اور اس قابل ہوں کے ان کو عرش اعظم کے نیچے ستاروں کی طرح چمکنے کے لئے رکھا جائے۔ ملائکہ اولاد آدم کو صرف تخریب کار ہی سمجھ رہے تھے مگر وہ تخلیق کار بھی ہے اور وہ اپنے خالق حقیقی کو خوش کرنے کے کام بھی جانتا ہے۔ جب وہ دیدارِ حق کی تمنا کرتا ہے تو اپنی دنیاوی زندگی کی عیش وعشرت کو داؤ پر لگا کر مخلوقات کو بتا سکتا ہے کہ جس ذمہ داری کو وہ اٹھانے سے گھبرا رہے تھے۔ اسے اٹھانے کی وہ استعداد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا ہی بنایا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا ا لْاَ مَا نَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَاوَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَنَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّه، كَانَ ظَلُوْمًاجَهُوْلًا ☆لا لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ یَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ع ٥(الاحزاب ۷۳)

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا، اس کے اٹھانے سے ڈر گئے اور اٹھالیا اسے انسان نے، بے شک یہ

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)
Cell No. 09242653492

آساں تھا دین! تو نے مشکل بنالیا.....

فرایض اسلام پانچ ہیں، کلمہ، روزہ، نماز، زکوۃ اور حج۔ ان کے احکام قرآن کریم سے معلوم ہیں، اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ شریعت محمد عربی ﷺ کے ذریعہ عملی طور پر بتادیا گیا ہے کہ کب، کتنا، کہاں، کیسے اور کس طرح ادا کیا جانا چاہیئے ۔ اب اس کے بعد بھی سمجھ میں نہ آئے یا معلوم نہ ہو تو صحابہ کی زندگیوں کے قول و عمل سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور اس پر بھی تشفی نہ ہو الجھن باقی ہے، تو آئمہ اربعہ نے اپنے اپنے طور پر اس کی وضاحت فرمادی۔ رہ گئی بات بندگی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے آشنا ہونے کی اس کے لئے اولیائے کاملین کے اعمال و اقوال میں رہنمائی ہے، اگر ان کی ریاضتوں مجاہدوں میں مشکل ہے اور احتمال بدعت و شرک میں مبتلا ہوجانے کا ہے تو اسے ان کی کسر نفسی اور خود کو اللہ کے حوالے کردینے کے ان کے اپنے جنون پر محمول کرکے خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کے سیدھے سادھے اور آسان طریقوں سے جو آپ علیہ السلام کی تعلیمات و اعمال کی بنیاد ہیں بندگی و معرفت کے اعلیٰ اقدار پر فائض ہوا جاسکتا ہے۔

مگر برا ہو ناصبیت کا ! جس نے ابتدا اسلام سے ہی اللہ کے بندوں کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اگر خوارج حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور اسلام میں رخنہ پیدا کرتے ہیں تو کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدگوئی اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر حرف زنی کرتے ہیں۔ اسی ناصبیت کی بیزارگی کا اظہار حضرات ابوبکر و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین کے درمیان دین کے مسائل میں اختلاف تھا، لیکن ذاتی دشمنی یا رنجش کی ان کے پاس کوئی وقعت نہیں تھی۔ ناصبیت کا بدترین پہلو یہ ہے کہ انسان حق کو حق جانتے ہوئے بھی اس کے خلاف برسر پیکار ہوجاتا ہے، وہ جانتا ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا، لیکن پھر بھی وہ اپنی انا خودی اور خودنمائی کے زعم میں سچائی سے آنکھیں چراتا ہے۔ اور بدبختی کی حد سے تجاوز کرتے ہوئے جانے انجانے میں اپنی جھوٹی شان و شوکت کے اظہار میں ایسی حرکتیں اور افعال انجام دیتا ہے کہ حق اور سچائی کو پیروں تلے روند ڈالے گا۔ مگر افسوس وہ ایسا نہیں کرپاتا۔ کیونکہ حق اور سچائی کے آگے اسے ہزیمت اور شکست آخر کار سامنا کرنا

ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ دکھاوا، بناوٹ، خودنمائی، ریاکاری کے دن گنتی ہی کے ہوتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے اور فرماتے تھے قاتلین حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی فوج میں گھسے بیٹھے ہیں، حضرت علیؓ اگر ان سے خصاص لیں تو اہل شام میں سے سب سے پہلے میں علی المرتضٰی کی بیعت کروں گا۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ میں اختلافات چل رہے تھے تو شاہ روم نے اسلامی سلطنت پر حملے کا ارادہ کیا اور سمجھا کہ علیؓ کے مقابلہ میں حضرت ماویہؓ میرا ساتھ دینگے، حضرت معاویہؓ نے اسے پیغام لکھا کہ ''او رومی کتے! بخدا اگر تو اپنے ارادے سے باز نہیں آیا اور اپنے علاقے کو واپس نہ لوٹا تو اے لعین میں اور میرا چچا زاد بھائی (علیؓ) مل جائیں گے اور میں تجھے تیرے ملک سے نکال کر دم لوں گا اور زمین جو وسیع پھیلی ہے تجھ پر تنگ کردوں گا''

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ''جب حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو رونے لگے آپ کو آپ کی بیوی نے کہا آپ ان پر رو رہے ہیں، آپ تو ان سے لڑتے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرا برا ہو تو نہیں جانتی آج لوگوں نے کس قدر علم وفضل والے فقہ کو کھودیا۔

اب دیکھئے حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ ''ہم دونو ایک رب اور ایک نبی کے ماننے والے ہیں اسلام میں ہم دونوں فریق کی دعوت ایک ہے، ہم ان سے ایمان باللہ اور تصدیق رسالت محمد ﷺ میں کسی اور چیز کے طالب نہیں اور نہ وہ ہم سے (ایمانیات میں) کسی اور چیز کا اضافہ چاہتے ہیں۔ ہمارا اور انکا (امیر معاویہؓ) کا معاملہ ایک ہے۔ (ابوریحان فاروقی۔ سوانح حضرت علی)

سرّ الشہادتین میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے امر خلافت کے آخر میں ملنے کا فائدہ یہ بتاتے ہیں کہ خلافت ابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ کے دور میں، حضرت علی رضی اللہ سے معرفت الٰہی یا ولایت محمدیہ کے وہ تعلیمات و اعمال مخصوصہ کا جتن اور ظہور ہوتا رہا جس علم کا سینہ بہ سینہ بعد میں ولایت کے طریقوں میں اظہار ہوا ہے، اس علم کے اول وارثوں میں حضرات حسنین رضی اللہ، کمیل ابن زیادؒ اور حسن بصریؒ ہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ کو حضور ﷺ نے شہادت کی خبر دی تھی کہ ایک شخص ہم میں سے ہے تمہیں شہید کرے گا وراس کا چہرہ بھی بتا دیا تھا یہ دیکھ کر آپؓ بہت خوش ہوئے۔ ظاہر ہے یہ بات سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ اجمعین کے دور میں ممکن نہ ہوسکی۔

عالیت پہلے بھی مخصوص لوگوں کا میدان تھا اور آج بھی مخصوص لوگوں تک محدود ہے۔ جہاں

پر ظاہری اعمال کوئی حیثیت اور قدر و قیمت نہیں رکھتے , جو تھوڑا بہت بھی ہوشمند ہے، عقل رکھتا ہے، ایمان کو سمجھتا ہے وہ میدان عالیت کے اعمال کا شہسوار بن سکتا ہے۔ البتہ رخصت کم علم، کم فہم اور معذور لوگوں کا شتر بے مہار ہے۔

بات شروع ہوئی تھی فرائض سے' آج کل اسلام کی باگ ڈور رخصتی مسلمانوں کے عالیت کے کمال کے تماشوں کی ہے۔ اس کا اظہار رمضان کے مبارک مہینے میں زیادہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ چاند کیا دیکھ لیا وہ لوگ جو سال بھر نماز کے نام سے ناواقف ہوتے ہیں' لوگوں کو طنز کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ تراویح نہیں پڑھو گے؟۔ سال میں ایک مہینہ تو پڑھنا ہے' سال کے تین سو پینتیس دن فرض ادا نہیں کی اس کا کوئی غم نہیں، تراویح (سنت) نہ ادا کرنا گناہ ہو گیا۔ صبح اٹھنے کی یوں بھی عادت نہیں ہوتی بڑی مشکل سے تو اٹھتے ہیں جلدی جلدی خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا جاتا ہے۔ اور دن بھر کا حال اللہ ہی جانے, افطار کا انتظار ہوتا ہے پہلے پیٹ بھر کے کھایا جاتا ہے پھر سگریٹ اس کے بعد نماز, یہ ہوا ان کا روزہ۔ اور نماز کے تو کیا کہنے پہلے ان کی نماز کی ضروریات جان لیں جبہ پاجامہ ضروری, سجی سجائی مسجد ہو تو نماز ہوتی ہے یعنی مسجد سے اسلام کی امارت جھلکنی چاہئے, ہوا پنکھے کا انتظام ضروری, فرش اور قالین اچھے ہونے چاہیں، جوتوں اور چپل کی حفاظت کا معقول بندوبست ہونا چاہئے, امام کا حافظ قران ہونا کافی ہے، ایمان و اخلاص کا اس میں ہونا کوئی خاص ضروری نہیں، دینداری شرط نہیں، بس امام کا عالم ہونا کافی۔ عقیدے کا پتہ نہیں اقتداء ضروری۔ جتنی بڑی مسجد میں نماز پڑھ لیں گے اتنے بڑے مسلمان ہو گئے۔

منافقین کے بارے میں ہم کیا کہیں, اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں عذاب جہنم کا وعدہ فرمایا ہے ڈھٹائی اور بے شرمی سے غیروں کے پیچھے نماز پڑھنے ایسے جاتے ہیں کہ جیسے ہمیں جتا رہے ہوں وہ ایمان والے ہیں دین و ایمان کی تمام تعریفیں انہیں میں جمع ہو گئی ہوں۔ حکم خدا اور رسول ﷺ کی حدیث کا انکار غرور و تکبر سے کرتے ہیں۔ ہم سے ایک ایسے ہی منافق نے کہا کیا پرانی باتیں لے کے بیٹھے ہو۔ ہم نے کہا دین اسلام بھی ایک پرانی ہی بات ہے اسے بھی آئے چودہ سو سال ہو گئے اسے چھوڑ دو یہودی و نصرانی کیوں نہیں بن جاتے اگر قیامت اور روز حساب کا یقین ہوتا تو اپنا محاسبہ خود کر لیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا (انکار کیا) ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر (انکار) میں ہرگز قبول نہ کی جائے گی ان کی توبہ اور یہی لوگ ہیں گمراہ" (آل عمران ۹۰)

ایک حکایت یاد آرہی ہے من وعن تو یادنہیں جیسی حافظے میں ہے یہاں بیان کردیتے ہیں:
ایک بہت بڑے عالم وفاضل بغداد میں رہتے تھے جن کے علم کا چرچا دور دور تک تھا ,ایک دن وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص جلدی جلدی آیا اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہوگیا, نماز سے فارغ ہوکر جارہا تھا کہ عالم صاحب نے اسے آواز دی اس کے پاس آنے پر اسے ڈانٹنے لگے کہ تو نے نہ وضو ٹھیک کیا نہ نماز صحیح پڑھی، چل جا ٹھیک سے وضو کر اور نماز پڑھ۔ وہ شخص انہیں جانتا تھا ان کی علم دانی سے مرعوب ہوا اور جا کر دوبارہ وضو کیا اور نماز پڑھی اور واپس جانے لگا تو عالم صاحب نے بلا کر پوچھا اب بتا پہلے جو نماز تو نے پڑھی وہ ٹھیک تھی یا اب جو پڑھی وہ ٹھیک ہے اس شخص نے کہا جناب پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خوف سے نماز پڑھی تھی ,اب جو نماز پڑھی آپ کے خوف سے پڑھی ہے کہ مبادا آپ دیکھ نہ رہے ہوں۔

زکواۃ کا معاملہ تو دنیا جانتی ہے ,سب سے کم قیمت ہلکا اور معمولی مال اللہ کی راہ میں۔ اور دنیا کو پتہ چلنا چاہئے کہ زکواۃ دی گئی اور جناب صاحب نصاب ہیں۔ اور آج کل حج کو جانے کا مطلب بس دینداری کی خانہ پوری کرنا اور حاجی کہلوانا ہے ,اب تو اس میں ترقی بھی ہوگئی ہے الحاج کہلوانا زیادہ موزوں بنالیا ہے۔ کرتو رہے ہیں فرض ادا اور احسان اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں پر۔ حج نہ ہوا ریلیجیس ٹور ہوا۔

ہمارے یہاں بھی حیلے بہانے بنانے کا ایک چلن ہے مہدی موعودؑ کے فرمان کی دہائی دے کر مرشد کے انتخاب کو ٹھوک بجا کر دیکھنے کی باتیں کچھ لوگ کرتے نہیں تھکتے۔ عقیدہ و ایمان کے معاملے میں! بے دین لوگوں کے ایمان وعقیدہ کی تحقیق اور جانچ کی انہیں کوئی پرواہ نہیں بلا سوچے سمجھے آنکھ بند کر کے ان کی پیروی کر لینے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

صحیحین میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ: ایک شخص حضور ﷺ کے قریب ہوکر گذرا, تو حضور ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا جو آپ ؐ کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ تیرے نزدیک یہ شخص کیسا ہے اس نے عرض کیا یہ شریف لوگوں میں سے ہے اور قسم اللہ کی یہ اس لائق ہے کہ اگر پیغام بھیجے تو فوراً نکاح کر دیا جائے اور سفارش کرے تو فوراً قبول کر لی جائے۔ حضور ؐ نے سن کر سکوت فرمایا پھر ایک اور شخص گذرا آپ نے پوچھا یہ کیسا ہے اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ فقراء ومساکین میں سے ہے اور یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں پیغام بھیجے تو کوئی قبول نہ کرے اور جو کسی کی سفارش کرے تو کوئی نہ سنے اور اگر بات کرے تو کوئی خیال نے کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر پہلے جیسے

آدمی سے سارا عالم بھر جائے تو یہ ان سب سے اچھا ہے۔(نزہت البساطین)

ہمارے آباواجدا نے نفس کو قابو میں کر کے وفادار کتے کی طرح اسے اپنے دین وایمان کی حفاظت اور رکھوالی کے لئے تابع کر لیا تھا۔اب ہمارے نفس نے ہمیں قابو میں کر کے متاع دنیا کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں دنیادار کتا بنا دیا ہے,اور ہم ہیں کے حرام وحلال کی تمیز کے بناء دنیا حاصل کر لینے کو ضرورت زندگی کا مقصد بنالیا۔دنیا حاصل کرنے کے لئے ہر جائز وناجائز شے پر منہ مارنا اپنا فطری حق سمجھ لیا ہے۔

خوب میاں صاحبؒ پالن پوری نے حدود دائرہ میں نقل درج کی ہے کہ: مہدیٔ علیہ السلام نے فرمایا کہ طلب دنیا کفر و طالب دنیا کافر۔جو فقیر دائرہ کسی ایسے شخص کی صحبت کرے یا اس کے گھر جائے یا اس محبت رکھے وہ ہمارا نہیں محمدؐ کا نہیں اور خدا کا نہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ ’’وَ اٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیا ہ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی . جس نے سرکشی کی (فرمان خدا سے) اور دنیا کی زندگی اختیار کی اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے(سورۂ النزعٰت ۳۸۔۳۹)(انصاف نامہ باب ۸) اس فرمان مبارک کی وجہ سے مہاجرین(مہدیؑ)اہل دنیا و اہل نفس سے ہمیشہ بے تعلقی رکھتے تھے۔اور واقعہ ہے کہ:ایک دن بندگی میاں سید محمود ثانی مہدیؒ کو سلطان محمود بادشاہ گجرات کی شہزادی نے (جو مصدقہ تھیں) خط لکھا حضرت اس خط کو پڑھ کر بہت روئے اور فرمانے لگے کہ افسوس میرا نام دنیاداروں کے خط میں لکھا گیا۔(انصانامہ)

اور لکھا ہے کہ:ایک مہدوی جاگیر دار ملک لطیف کے اصرار پر بندگی میاں سید سلام اللہؒ نماز مغرب کے بعد اس کے گھر جانے کے لئے نکلے جو بھیلوٹ شریف سے تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔پھاٹک پر فقیر دائرہ نے جو دربانی کر رہے تھے حضرت کو روکا اور کہا بھلا یہ وقت ذکر اللہ چھوڑ کر کہیں جانے کا ہے حضرت سلام اللہ اور ملک لطیف نے ان کے کان میں کچھ کہا تو دربان بھی ساتھ ہو گئے اور تینوں بگھی میں سوار ہو کر چلے نکل تو گئے مگر میاں سلام اللہؒ کا دل حدود دائرہ توڑنے کی وجہ سے کانپ رہا تھا جیسے کسی کی چوری کی ہو اور بندگی میاں ثانی مہدیؒ کو معلوم نہ ہو جائے اس لئے واپس پلٹ کر عشاء تک واپس آ گئے۔دو چار دن گذرنے کے بعد حضرت ثانی مہدیؒ کے قیلولہ کے وقت فقیر دربان حضرت کے پاؤں کی چپی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ خوندکار بگھی کی سواری کیا اچھی ہوتی ہے,تو آپؒ نے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا۔فقیر دربان نے عرض کیا مغرب کے بعد ایسے واقعہ ہوا۔یہ کیفیت سنتے ہی حضرت ثانی

مہدیؑ کو غصہ آیا ایسے لگا جسے تمام جسم میں آگ لگی ہے فوراً میاں سید سلام اللہؓ کو جو رشتے میں آپ کے سگے ماموں تھے بلا بھیجا۔حضرت سید سلام اللہؓ طلبی کا سنتے ہی حیران واداس ہو گئے اور لگا کے جسم میں خون ہی نہیں ہے۔لیکن مجبوراً حضور میں جانا پڑا۔حضرت ثانی مہدیؑ نے آپ کو سخت وست الفاظ میں دھمکانے لگے,میاں سلام اللہ نے دیکھا کہ حضرت کی ناراضگی کسی طرح کم نہیں ہوتی دوڑ کر بھانجے کے قدموں میں گر پڑے پگڑی زمین پر ڈالدی توبہ ورجوع کی یہ شان دیکھ کر آپؓ فرمانے لگے کہ اس وقت تو معاف کرتا ہوں لیکن آئندہ ایسی حرکت کی تو ماموں سمجھ کر رتی بھر رعائت نہ کر کے دائرہ سے نکال دوں گا۔میاں سلام اللہؓ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ دیڑھ مہنہ تک بھانجے کو منہ نہ بتلایا۔(خاتم سلیمانی)

دائرہ سے کوئی شخص فتح خاں بڑو(جو ایک رئیس آدمی تھے) کی حویلی کو گیا فتح خاں نے پوچھا کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا دائرہ بھیلوٹ سے,فتح خاں نے خفا ہو کر کہا اس کو مارو اور خود بھی دوڑ کر ہاتھ میں کھڑام لی اور مارنے لگے کسی نے کہا کچھ دے(ہی)دو۔فتح خاں نے کہا یہ شخص جھوٹا ہے۔میں حضرت کے دائرے میں جاتا ہوں وہاں کے فقیر کتے کے برابر بھی میری عزت نہیں کرتے(حدود دائرہ)

فقراء کی بات ہم نہیں کرتے ان کا معاملہ اللہ کے حوالے۔اگر آج کے کاسین اپنے عقیدہ و ایمان کی حفاظت میں اغیار کے پیچھے نمازیں نہ پڑھ کے بے دین لوگوں کے بہکاوے میں نہ آکر اول فول جھول بکنا چھوڑ دیں اور حلال کما کر جتنا ہو سکے ذکر اللہ کی عادت ڈالیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ انہوں نے حدود دائرہ کی پابندی کر لی اور وہ اپنی مراد کو پالیں گے۔اس کے لئے دماغ کو زیادہ الجھانے اور بے مطلب دلیل و منطق میں غیروں کی چوکھٹ پر سجدہ کرنے سے اچھا ہے کہ اپنے آبا واجداد کی ایمان و یقین کی میراث ہی کو سنبھالیں۔انہیں انجام کا صلہ اس دن ملے گا جس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونگے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بات کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور ساری باتیں صاف ہیں,رسول اکرم ﷺ اور خلیفتہ اللہ نے تمام باتیں واضح کر دی ہیں۔اور یہ بات جان لیں کہ ہر دین کی بات کرنے والا مسلمان نہیں ہوتا۔محبوب الاذکار(ص ۸۱)پر ہے لکھا ہے اگر سالک کو ابھی تک کسی مرشد کامل کی صحبت نصیب نہ ہوئی ہو تو اس کو ہمیشہ تلاش میں رہنا چاہئے.......اور ہر ایک کو ولی بھی نہ سمجھے, اور بے سوچے سمجھے مرید نہ بنے کیونکہ دنیا میں جھوٹے اولیاء بہت ہیں اور ایسے ولیوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دینا شیطان کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ہے۔

حضرت مہدیؑ موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ مہدی کے ثبوت میں قرآن کریم کی اٹھارہ آیات پیش کیں اور احدیث متواترہ سے ہمارے بزرگوں نے ثابت کیا ہے کہ آپ ہی کی ذات مہدی مراد اللہ خلیفۃ اللہ, مبین کلام اللہ تھی پانچ صدیوں سے لوگوں نے جانا پرکھا اور حق پایا اور آپ کی تصدیق کی ہے اس کے باوجود بے دین لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانا منافقی نہیں تو اور کیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا' وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں' اور وہ لوگ کفّار (انکار کرنے والے) کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راست پر ہیں' اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے ملعون بنادیا' اور خدائے تعالیٰ جس کو ملعون بنادے اس کا کوئی حامی نہیں سو ہم نے ابراہیمؑ کے خاندان کو کتاب بھی دی اور علم بھی دیا اور بعضے ان میں ایسے تھے کہ رد گرداں ہی رہے' بلا شک جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہوئے ہم ان کو سخت آگ میں ڈاخل کریں گے' (سورۂ نساء آیات ۵۱۔۵۴)

یہاں اللہ تعالیٰ معاملہ صاف کرر ہے ہیں کہ جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں یعنی اپنے نفس کے بت اور شیطان کی بات مانتے ہیں۔ اور ایمان والوں کے تعلق سے جو ہمیشہ کے لئے اللہ کے ہو رہے ان کے تعلق سے انکار کرنے والوں کو بہتر خیال کرتے ہیں کہ اور ایسے لوگ ملعون ہیں اگر ان کے پاس کتاب اللہ ہے تو کیا ہوا ان کے دلوں میں متاع دنیا ہے ایمان نہیں ہے' ابراہیمؑ کے خاندان یعنی بنی اسرائیل کے پاس بھی تو کتاب اللہ تھی اس کے باوجود انہوں نے سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اس کے بعد ایک صاف حکم ہے کے بلا شک جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہوئے ہم ان کو سخت آگ میں ڈالیں گے۔ غور کریں 'آیات کے منکر' (احکام کے منکر) کہا گیا ہے وہ احکام جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہیں نماز روزہ زکواۃ حج کے نہیں, آیات کے منکر کہا گیا, کیونکہ کہ وہ لوگ نماز روزہ زکواۃ و حج اداء کر رہے ہونگے اور اللہ کی کتاب پر چلنے کا دم بھی بھر رہے ہونگے جیسے کہ بنی اسرائیل مگر وہ اللہ تعالیٰ کی وعید میں ہونگے, کیونکہ آیات قرآن میں کچھ ایسے بھی احکام ہیں جیسے دیدار, مبین کلام اللہ پر ایمان وغیرہ ایسی آیات کا انکار نفس اور علم کے غرور میں کرنا شیطانی صفت ہے۔ انہوں نے اپنے علم کو اپنا بت بنالیا ہے اللہ کے رسول ﷺ کا حکم خلیفۃ اللہ کے طریقہ پر چلنا انہیں گوارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' جس شخص نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی, اور جو شخص رد گردانی کرے سو ہم

نے آپؐ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا (سورۂ نساء ۸۰) اور قرآن میں کہا گیا ہے کہ ''کیا قرآن میں غور نہیں کرتے' اور اگر یہ لوگ اس کو رسولؐ کے اور جو اس میں ''ایسے امور'' کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے ہیں تو اس کو وہ لوگ تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے'' (نساء۸۲۔۸۳)

اعلانیہ دعوت دی جا رہی ہے کہ قرآن میں غور کرو' اور رسولﷺ کے اقوال و احکام میں غور کرو اور ان میں کچھ ایسے امور ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش کرو, اور جو دلائل ہیں ان کو سمجھو اور بعد از تحقیق انہیں پہچانوں۔ اب اس سے صاف اور کھلی بات اور کیا بتائی جا سکتی ہے۔ برا ہو ناصبیت کا لوگوں نے علم وعقل کو بت بنا کر تحقیق و ایمان سے آنکھیں چرا لی ہیں۔ اپنی مشیخیت کے بت سے عہدہ براء ہو نہیں سکتے, اور وہ احکام جو ضروریات دین سے متعلق ہیں ان کے بارے میں جان لینا اور تحقیق کر لینا گوارہ نہیں۔

مولانا محمد یوسف بنوری۔ 'عقیدہ نزول مسیح السلام' میں ضروریات دین کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ ''جو چیز قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے ثابت ہو یا اجماع امت سے' اور دلالت بھی قطعی ہو تو وہ سب ضروریات دین میں داخل ہیں 'ضروریات دین' کے معنی یہ ہیں کہ ان کا دین اسلام سے ہونا بالکل بدیہی ہو۔ خواص سے گذر کر عوام تک اس کا علم پہنچ گیا ہو۔ یہ نہیں کہ ہر آدمی کو اس کا علم ہو' کیونکہ بسا اوقات تعلیم دین نہ ہونے سے بعض ضروریات دین کا علم عوام کو نہیں ہوتا۔ لیکن تعلیم کے بعد اور جان لینے کے بعد اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ ''بعض متواترات شریعہ کے جہل سے تو کفر لازم نہیں آتا۔ لیکن معلوم ہونے کے بعد جحود وانکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے''۔

'ضروریات دین' کا انکار کرنا یا اس میں اختلاف کرنا مقصود تاویل کرنا دونوں کو علماء کرام نے موجب کفر بتلایا ہے۔

حجۃ السلام امام غزالیؒ نے اس موضوع میں ''التفرقه بين السلام و الذنديقه'' ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ ''جو چیزیں دین میں متواتر ہو جائے وہ دین میں 'ضروری' ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ متواتر کا افادہ علم ضروری قطعی مسلمات سے ہے۔ پس اگر کسی کو اس کا علم ہو جائے کہ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے, یا یہ بات حدیث متواتر سے ثابت ہے تو اس پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق کائنات مافیہ سے ہو یا مغیبات مستقلہ سے خواہ اعتقاد کے متعلق ہو' خواہ احکام کے بارے میں ہو۔

و من اعترف يكون شيء من الشرع ثم جحده كان منكراً للشرع و انكار

جزء من الشرع کا انکار کلہ (شرح التحریر۳۔۱۳) جو شخص یہ مانے کہ یہ چیز شریعت میں ہے۔ باوجود اس کے اس کا انکار کرے تو یہ کل شریعت کا انکار ہے۔

''اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے متعلق یہ اتفاق ہو کہ نبی کریم ﷺ فرما چکے ہیں' اس کا انکار کفر ہے یا مانتا ہو کہ آپؐ فرما چکے ہیں۔ باوجود اس کے نہ ماننے یہ کفر ہے (بنوری)

قرآن کریم کا پڑھنا,حفظ کرنا,سمجھنا اور عمل کرنا ایمان ہے۔ صرف حفظ کرنے مخارج سے ادا کرنے خوش الحانی سے قرآت کر لینے پر ایمان کی بنیاد نہیں ہے۔ اسے سمجھ کر پڑھنے اس کے معانی و مطلب میں غور کرنے اس روح اور حقیقت کو پانے کی کوشش کرنا ایمان ہے۔ علم وعقل پر ایمان کی بنیاد نہیں ہے۔ خلوص ونیت عقیدہ کی مضبوطی ایمان ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ'' سو جو شخص کا سینہ اللہ تعالی اسلام کے لے کھولدے , وہ اپنے پروردگار کے عطا کے ہوئے نور پر ہے۔ (الزمر۲۲) یعنی ایمان کا دارو مدار تعلیم حاصل کر لینے سے نہیں , بلکہ اللہ تعالیٰ کے نور کو پانے یا حاصل کرنے پر ہے۔ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالی اسرار و معارف کے دروازے کھولدیتے ہیں اس کا سینہ کشادہ کردیتے ہیں وہ جو دیکھتا ہے حق دیکھتا ہے جو سنتا ہے وہ حق سنتا ہے اور جو کہتا ہے حق کہتا ہے۔ وہ حق میں فنا ہو جاتا ہے وہ حق میں سما جاتا ہے۔

ایمان ویقین کا معاملہ دل سے ہوتا ہے علم یا عقل سے نہیں۔ اہل ایمان وہ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالی کی رحمت موجزن ہوتی ہے۔ تمام مکہ وجزیرہ عرب محمدؐ کو دیکھ رہے تھے مگر کسی کے پاس وہ روح مطہر نہیں تھی جو بی بی حضرتہ خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ تعالی عنہ کو عطا ہوئی تھی۔ جنہوں نے رسول ﷺ کے ذات اعلی صفات کو اس وقت پہچان لیا جب ہر طرف کفر الحاد کی آندھیاں چل رہی تھیں سارا مکہ غفلت کی نیند سو رہا تھا,اور کاینات کے سردار کا انتخاب کر لینا کوئی معمولی بات نہیں اور نہ معمولی ہوشمندی ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ کیا بات ہے کہ قریش کی مالدار صاحب حیثیت اور اعلیٰ خاندانی شخصیت اپنے سے کم عمر,یتیم پرسان حال بکریاں چروانے والے شخصؐ کی زوجیت کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھ کر نکاح کا پیغام دیتی ہیں,اگر وہ چاہتیں تو عرب کے رئیس اور مالدار شرفا آپ سے منسلک ہونے پر فخر محسوس کرتے۔ اور یہی نہیں اپنی ساری دولت ان پر لٹادی جنہیں اہل عرب امین سے خطاب کیا کرتے تھے۔ کیا کسی اشراف وذی حیثیت ,اور عالم وقت کی نظر وہاں تک دیکھ

سکی تھی جیسا کہ حضرتہ خدیجہؓ نے دیکھا۔اگر ابو بکر صدیقؓ بنے تو نبوت کے بعد بنے, عمرؓ فاروق بنے تو نبوت کے بعد بنے, عثمانؓ غنی بنے تو نبوت کے بعد بنے, علیؓ ولایت محمد یہ کے وارث بنے تو نبوت کے بعد بنے اور حضرتہ خدیجہ پہلے بھی ام المؤمنین تھیں اور قیامت تک ام المؤمنین ہیں۔اور یہی نہیں رسول ﷺ پر نہ صرف اپنی آن بان شان اور دولت لٹادی بلکہ جب حضور ﷺ غار حرا سے جبریلؑ سے ملاقات پر ڈرے سہمے اور کپکپاتے ہوئے آئے تو حضرتہ خدیجتہ الکبریٰ نے آپ کو تسلی اور حوصلہ دیتے ہوئے جو الفاظ کہے وہ تاریخی وانقلابی ہی نہیں تھے بلکہ مذہبی سوجھ بوجھ کے سنہرے الفاظ میں گنے جاسکتے ہیں۔وہ محض الفاظ نہیں تھے عرب کے پراگندہ, شرکیہ اور کفریہ ماحول کے درمیان ایمانی احساسات اور شرافت نفس کے ترجمان تھے' ایسے الفاظ وہی ہستی کہہ سکتی تھیں جو روحانی اعتبار سے پاکیزہ نفس تھیں جنہوں نے آپ ﷺ کی صداقت اور تقدس کو پہچان لیا تھا۔اے! ام المؤمنین حضرت خدیجتہ الکبریٰ, اے! مادر مہربان تجھ پر ازل سے ابد تک کے تمام مؤمنین کا درود وسلام ہو۔اور وقت نے ثابت کر دیا کہ آپؓ کا انتخاب کتنا صحیح تھا۔عرب کے کفر والحاد کے ماحول میں ایمان ویقین کی جو چنگاری آپ کے سینے میں موجزن تھی' اس کا سمندر بے کراں آپؓ کی آغوش میں سماء گیا' اس کا نور ساری کائنات پر چھا گیا۔ایمان تو سب لائے لاتے رہے ہیں لاتے رہینگے لیکن حضرۃ خدیجتہ الکبریٰ کا ایمان کسی کو نصیب نہیں۔آپ نے نبوت سے پندرہ سال پہلے آپ ؐ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے خود کو آغوش سردار دوعالم ﷺ کے سپرد کر دیا تھا۔یہ اعزاز تاریخ اسلام کی کسی ہستی کو نصیب نہیں۔حضرۃ عائشہؓ سے دنیا نے علم دین کی باتیں پائیں ہونگی' لیکن ایمان ویقین کا فیض تو حضرتہ بی بی خدیجتہ الکبریٰ کے پاس ہی حاصل کرنا پڑیگا۔ام المؤمنین کئی ہستیاں ہوئیں لیکن ام المعروفین صرف بی بی خدیجہؓ ہیں۔سورج کے طلوع ہونے کے بعد روشنی کا اقرار کرنا عاقلوں اور عالموں کا شیوہ ہے, لیکن گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں روشنی کی جستجو کرنا عارفوں کا طریقہ ہے۔سب سے پہلے انسانیت کا سایۂ رحمت آپ ہی کے در پہ رونما ہوا حضور اکرم ﷺ باعث تخلیق کائنات تھے تو اس نور عالم کا تمامی حصہ آپ کے دامن میں تھا۔آپ خاتون جنت کی ماں تھیں۔رسول اکرم ﷺ نے کئی موقوں پر آپ کے احسانات اور مناقب کا ذکر کیا ہے۔آپؓ جب تک حیات رہیں ایک ڈھال کی طرح آپ ؐ پر ہونے والے ہر وار کو اپنے اوپر سہہ لیا اور آپ پر آنچ آنے نہ دی۔کسی چیز کے ظاہر ہو جانے کے بعد کوئی بھی ساتھ نبھا سکتا ہے لیکن کسمپرسی ناامیدی کی حالت میں کسی کا

ساتھ دینے والے کی مستقل مزاجی اس کے صدق و یقین کی غمازی کرتی ہے یہی فطرت وراثت میں خاتون جنت بی بی فاطمتہ الزہرا نے پائی تھی۔ایک دن آپؑ نے چاندی کے کنگن پہنے اور دروازے پر پردے لگائے ۔حضورﷺ گھر تک آئے اندر آئے بنا واپس چلے گئے بی بی فاطمہؑ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپؑ نے وہ کنگن اور پردے حضورﷺ کی خدمت میں بھیج دئے اور آپﷺ نے انہیں اصحاب صفہ میں تقسیم فرمادیا اور بی بی فاطمہؑ سے راضی ہوئے۔حضرتہ بی بی خدیجہؑ میں بی بی حاجرہ کا ایثار ,آسیہ بنت مزاہم کا وقار ,زوجہ ایوبؑ کا صبر اور خدمت کا جذبہ اور حضرتہ مریم علیہم السلام کی طہارت جمع ہوگی تھی۔بی بی حاجرہ کو معلوم نہیں تھا کہ چاہ زم زم پھوٹنے والا ہے لیکن بے آب و گیا صحرا میں رہنا اس لئے گوارہ کرلیا کہ وہ خدا کا حکم ہے۔حضرت ایوبؑ آزمائش میں مبتلاء کئے گئے تو جسم میں تعفن پیدا ہوگیا بدبو پھوٹنے لگی آپؑ کی قوم میں آپ پر صرف تین لوگ ایمان لائے تھے وہ بھی چھوڑ کر چلے گئے سوائے آپ کی بیوی کے جو حضرت لوطؑ کی صاحبزادی تھیں۔آسیہ بنت مزاہم کو معلوم تھا کہ فرعون مغرور ومتکبر اور قہر و جبر والا ہے پھر بھی حضرت موسیٰؑ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔اور بی بی مریم کو معلوم تھا کہ وہ پاکدامن ہیں پھر بھی آپ نے دنیا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لوگوں کی تذلیل وتحقیر سے بے پرواہ ہوکر اللہ تعالی کے حکم کو بجا لایا اور عیسیٰؑ کی پرورش کی جو اللہ کی نشانیوں میں سے تھے حضرتہ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہم انہیں نفوس قدسیہ کی فطرت اور آزمائش پر کھری اتریں اپنی دولت عیش و آرام کو آپﷺ پر لٹا دینے اور عسرت وتنگدستی میں گذر بسر ہونے کے باوجود جس طرح حضورﷺ کا وہ خیال رکھتیں تھیں وہ کسی کے حصے میں نہیں آیا۔

یہاں بی بی خدیجتہ الکبریٰؓ کا ذکر برسبیل تذکرہ ہم نے کردیا۔تاکہ اندازہ ہو کہ رسولﷺ و مہدیٔ موعود پر ایمان وتصدیق کا دار و مدار یقین پر ہے علم کی گتھیوں میں الجھ کر اور بے دین لوگوں کے کہے پر عمل کرکے دین کی میراث کو نہیں پایا جاسکتا۔یا ایمان والوں کے کم اور تھوڑا ہونے پر اور بے دینوں کی تعداد زیادہ ہونے پر ایمان کی بنیاد نہیں ہے ,دنیا میں ایمان والوں کی تعداد ہمیشہ کم ہی رہی ہے

کوئی بھی انسان یا گروہ دنیا میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ کسی فرد یا گروہ کی اصلاح کردیگا یا کرسکتا ہے ہاں! مگر کوشش ضرور کی جاسکتی ہے۔لیکن اس کے لئے دوسروں کی اصلاح سے پہلے خود کی اصلاح ضروری ہے۔نبوت کے اعلان سے پہلے وہی مکہ مدینہ والے تھے وہی لوگ تھے جو شام ,یمن اور مصر وایران کو تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے انہیں کوئی پوچھتا نہ تھا ,بلکہ انہیں جاہل اور بدو سمجھتے

تھے۔لیکن جب اسلام قبول کر لینے کے بعد جو نمایاں تبدیلی ان میں آئی اسی نے دنیا کو ان کی جانب متوجہ کیا۔اسلام لانے کے بعد ان کے عادات اطوار خصائل واعمال جو تبدیلی آئی اس میں وہ کشش اور جاذبیت تھی جس نے غیر اقوام کو ان کی جانب توجہ مبذول کروائی۔اسلام کی تعلیمات نے خصائل و اخلاق حسنہ کو نکھار دیا اور دنیا نے ان کو گلے لگایا۔

اللہ تعالی جس کو قابل سمجھتے ہیں اسی کو وہ چیز عطا کرتے ہیں جس کا وہ اہل ہے۔قران کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ ''لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (سورۂ حشر ۲۱) اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا۔(خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا)۔

لیکن حضور اکرم ﷺ کے سینہ مبارک نے اسے برداشت کرلیا۔جبکہ حضرت موسیٰؑ کو جس پہاڑ پر رب کی تجلی نے طور پر جلوہ کیا تھا اور احکام خداوندی کی چند تختیاں دی گئیں تو برداشت نہ کر سکے گر پڑے بیہوش ہو گئے اور وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔اور حضور ﷺ نے نہ صرف قرآن کریم کی عظمت و جلال کو برداشت کیا بلکہ معراج میں جو جسمانی تھی جو علماء ومحدثین کا متفقہ علیہ ہے, آپ ﷺ نے بذات خود اللہ تعالی سے عرش پر ملاقات بھی کی اور دیدار بھی کیا۔

موسیٰؑ سے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے تمہیں پیغمبری اور ہمکلامی کے شرف سے نواز دیا بس یہی کافی ہے۔کیونکہ یہ مقام ولایت محمد یہ خاتم الانبیاء سردار الانبیا ﷺ کا ہے اس لئے موسیٰؑ سے کہا گیا تجلی دیکھ لی بس اسی اکتفا کرو اور شکر بجالاؤ اس مقام کے لائق ذات انوار صفاتؐ آنے والی ہے۔موسیٰؑ بنی اسرائیل کی ضد کرنے پر ستر (۷۰) آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر لیجاتے ہیں اور خدا سے دیدار کی طلب کرتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں, یہ بس ہمیں دیکھنے آئے ہیں ایمان ویقین ان کے دلوں میں نہیں ہے, یہ دیکھ بھی لیں گے تو بعد میں کفر ہی کریں گے۔یہاں یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یقین و ایمان اگر ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں دیدار سے مشرف بھی کر سکتے تھے, جب انہیں یقین ہی نہیں تو ان کو دیدار کی بات کرنے کا کیا فائدہ۔اس لئے یہ مقام ان لوگوں کا تھا جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں اور اپنے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق ہم اسے دیکھ سکتے ہیں یا وہ ہمیں دیکھ رہا ہے پر ایمان رکھتے ہیں۔یہ مقام موسیٰؑ اور مقام محمد ﷺ کا فرق ہے, یہ امت موسیٰؑ و امت محمد کے خواص کا فرق ہے, کیونکہ خواص یہ

معنی وہ ستر آدمی جو منتخب بنی اسرائیل تھے۔رسول ﷺ کے امت کے خواص کو ہی یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے۔اور یہ مرتبہ ان لوگوں کا ہے جو قرآن کریم کی آیات کو سمجھتے ہیں،غور کرتے ہیں،تحقیق کرتے ہیں جو حق ہے اس کا انکار نہیں کرتے اور نہ تکبر کرتے ہیں اپنے علم اور سمجھ کی بنیاد پر۔

اللہ تعالی اپنے دین کا آپ ناصر ہے۔تخلیق آدم سے پہلے جب زمین پر جنوں کی آبادی تھی وہ مغرور ومتکبر ہوئے اور اللہ تعالی کے احکام سے ردگردان ہوئے تو اعزازیل کو فرشتوں کے لشکر کے ساتھ زمین پر ان جنات کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ابلیس نے ان سے جنگ کی اور انہیں دریاؤں پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف کھڈیڑ دیا۔مگر بعد خود مغرور ہو گیا یہی حال خود ساختہ عالموں اور جھوٹے لوگوں کا ہے جو خود کو اس وقت نبیوں کے وارث سمجھ رہے ہیں جبکہ وہ ہیں نہیں۔

جو مکمل دین و ایمان پر قائم ہو مخلص ہو دین میں ,وہی تعلیمات مہدی موعود کی تصدیق کرسکتا ہے۔جسے دین سے کوئی واسطہ نہیں ,محض نام کا اور دکھاوے کا مسلمان ہے وہ دین وایمان کی اساس کو نہیں پاسکتا۔آخر میں ہم نواب بہادر یا جنگ کے الفاظ کو دہراتے ہیں جو انہوں نے تحریک پاکستان کے وقت کہے تھے جیسے پروفیسر حافظ محمد بخش نے ''تسہیل الصرف'' کے مصنف حافظ محمد خاں نوری کا تعرف پیش کرتے ہوئے ۲۰۰۹ کے ایڈیشن میں دہرائے ہیں۔

''آج ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے جو شجر ملت میں پھول بن کر چمکنا چاہتے ہیں اور پھل بن کر کام ودھن کو شیریں کرنا چاہتے ہیں' ہمیں ان کی ضرورت ہے جو کھاد بن کر زمین میں جذب ہوتے ہیں' جو مٹی اور پانی میں مل کر پھول پیدا کرتے ہیں' جو خود فنا ہوتے ہیں اور پھولوں میں لذت وشیرینی پیدا کرتے ہیں۔ہم کو ان کی ضرورت نہیں ہے جو کاخ وایوان کے نقش ونگار بن کر نگاہ نظارۂ یار کو خیرہ کرنا چاہتے ہیں۔ہم ان بنیاد کے پتھروں کو چاہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن ہو کر اور مٹی کے نیچے دب کر اپنے اوپر عمارت کی مضبوطی کی ضمانت قبول کرتے ہیں۔''

یہ نواب بہادر یار جنگ کے الفاظ ہیں جو تحریک پاکستان کے دوران ایک موقع پر انہوں نے سامعین سے کہے تھے۔کہاں بار بار تحریک پاکستان جیسے مناظر پیدا ہونگے اور کہاں جان نثاروں کو ایسے کردار ساز پیغام سنائی دیں گے۔(تسہیل الصرف۔ابتدائیہ)

☆☆☆

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)
سیل نمبر 09242653492

احیائے دین مہدی موعودؑ سے مخصوص ہے

ازمنہ قدیم کی قوموں، اسرائیلی، نصرانی اور ان کے بعد اسلام میں دُر آئی بدعات، رسوم و قیاسات کا بہ کُلی غور سے جائزہ لیں تو ایک بات جو نظر آتی ہے وہ یہ کہ انسان کی طبیعت اور فطرت میں نفس اور ابلیس کا جو دخل ہے وہ کسی نہ کسی طرح انسان کو اللہ تعالی کی وحدانیت کے اعتقادی و ایمانی تصور سے دور کر دیتا ہے، اس میں اشرار و اشراک کی نئی نئی صنعتیں پیدا کر دیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے پہلے کے واقعات، قیاسات، رسوم و بدعات کا تاریخی جایزہ لیں تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ، آپ ﷺ نے بعد اعلان نبوت پوری شد و مد سے ان مشرکانہ تصورات کا بہ کلی خاتمہ اہل ایمان کے لئے کیا۔ لیکن! آپ ﷺ کے بعد فی الفور یہ اعتقادات اور تصورات اسلام میں بھی داخل ہوتے چلے گئے، جس کا ایک سبب تو اسرائیلی و نصرانی تصورات و اعتقادات کا جزیرۂ عرب کے اطراف و اکناف میں موجود ہونا اور دوسری بات یہ کہ فتوحات اسلام سے بلاد اسلامیہ کی سرحدوں کا ان خطوں تک پھیل جانا جہاں پر رومی دیو مالائی، عیسائیت پرستی، چنگیزی ارواح پرستی، ہندی بت پرستی اور افریقی توہمات اور سحر و جادوٹونا کا بول بالا تھا۔ ان عقائد و تصورات نے مذہب اسلام کے بنیادی تصور وحدانیت کو بھی متاثر کیا۔

امام غزالیؒ نے ان تصورات کو اسلام کے عقیدۂ توحید سے پاک وصاف کرنے کی مقدور بھر کوشش کی اور وحدانیت، رسالت اور ولایت کے اعمال کی کیفیتوں کو الگ الگ پیرایۂ میں بیان کر کے ان حقیقتوں کو بالکل واضح کر کے ان کے درمیان ایک خط فصیل کھینچ دی۔ اس کے علاوہ دوسری اقوام کے میل جول اور اخلاط سے پیدا شدہ بدعات و اشراک کے طریقوں کو اسلام سے جدا کرنے کی سعی کی۔ امام غزالی کا زمانہ ۴۵۰ تا ۵۰۵ ہجری کا ہے، پیغمبر اسلام حضور اکرم ﷺ کے بعد آپ امت میں مصلحین اسلام کی صف میں سب سے پہلے کھڑے نظر آتے ہیں۔ بعد میں امام ابن تمیہ کے ماننے والوں نے انہیں اس مقام پر کھڑا کرنے کوشش میں ظلم و جبر کے تمام سابقہ حدوں کو توڑ دیا۔ جس ہستی نے چنگیز خاں کے پوتے غازن خاں جیسے جابر حکمران کے دربار میں یہ الفاظ کہہ کر اپنے عالم ہونے کا حق اداء کیا تھا کہ

****

’’تم خود کو مسلمان کہتے ہو اور تمہارے ساتھ محدثین، متقی، شیخ اور امام موجود ہیں، مگر تم نے ہم مسلمان ملکوں پر حملہ آور ہو کر اور غاصبانہ قبضہ کیا ہے، جبکہ تمہار باپ ہلاکو خاں کافر ہونے کے باوجود ہم پر حملہ نہ کر کے اپنا وعدہ نبھایا تھا، مگر تم نے وعدہ خلافی کی‘‘ اور امام ابن تمیمیہ نے ایسے ہی حالات کا مقابلہ کیا جیسا کہ امام غزالیؒ نے کئے تھے۔ لیکن امام ابن تمیمیہ نے وحدت الوجود کی شق پر زیادہ توجہ دی اور ولایت کے طریقوں اور سلسلوں میں دُر آئے عقاید اور احادیث میں حد فصیل قائم نہ کیا، اس کی وجہ ان کے سامنے غیر اسناد، ضعیف اور غریب احادیث کی کثرت کا ہونا تھا۔ مثلاً ایک حدیث یہ گھڑ لی گئی تھی کہ ’’اللہ تعالیٰ بروز حشر حضور ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا‘‘ یہ وہ نظریہ تھا جو وحدت الوجود سے متضاد تھا۔ یہ حالت بعد کے زمانے میں پورے اسلامی عقائد کو متاثر کرتی نظر آئی، اس لئے بہت سارے محدثوں، مفسروں نے کئی صحیح السناد اور متواتر احادیث کا بھی انکار کر دیا۔ کیونکہ ولایتی سلسلوں میں بے شمار غلو اور بے بنیاد بدعتیں اور رسمیں اختیار ہو چکی تھیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ بعد میں کئی ایسی تحریکیں وجود میں آ گئیں جنہوں نے کہیں پر اشراک و بدعات کا دروازہ کھول دیا تو کہیں ان شرک بدعتوں کے طریقوں کے انکار و عناد کا ایسا غلغلہ بلند ہوا کہ حقیقی اسلام کہیں گم ہونے لگا تھا جس کا اثر آج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدت کا انکار کفر ہے, بالکل اس کی بھیجے ہوئے صحیفوں, فرشتوں, پیغمبروں, جنت, جہنم, ملایکہ اور پیغمبر آخر لزماں کے اقوال و احکام کا انکار بھی کفر ہے۔ مگر! امام ابن تمیمیہ کے ماننے والوں نے عقیدہ وحدت الوجود کو ایسے مقام پر رکھ لیا جہاں سے وہ خود کو اس مقام پر پاتے ہیں اور یہیں سے اناء غرور, تکبر و نخوت کا مرحلہ شروع ہوا ہے۔

حضرت شیخ علی حجویریؒ نے فرمایا, جو شخص علم کلام (توحید الٰہی) کی صرف عبارات پر اکتفا کرتا ہے, اور زہد و تقویٰ اختیار نہیں کرتا, وہ زندیق (بے دین) ہے اور جو شخص پرہیزگاری اپنائے بغیر شریعت اور علم فقہ پر اکتفا کرتا ہے, وہ فاسق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر واسطیؒ فرماتے ہیں کہ ’توحید وجود کو شناخت کرنے کی کسی میں بھی طاقت نہیں ہے, اور نہ کسی میں یہ جرأت ہے کہ وہ صحرائے وجود میں قدم رکھ سکے‘‘ اور فرماتے ہیں ’’پوری مخلوق عالم عبودیت میں غوطہ زن ہونے کے باوجود اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتی اور نہ کوئی بحر عبودیت کو عبور کر سکا‘‘ اور فرمایا جس نے وحدانیت کو سمجھ لیا وہ مقصود تک پہنچ گیا‘‘ اور فرمایا ’’تمام نسبتوں میں افضل

****

ترین نسبت یہ ہے کہ بندہ بندہ ہی بن کر نسبت عبودیت کی جستجو کرتا رہے''

ابوزرعہ العراقی شیخ مسلم کہتے ہیں کہ 'جب آپ کسی کو اصحاب رسول ﷺ کی تنقیص کرتے دیکھو تو سمجھ لو کے وہ زندیق ہے, اس لئے قرآن وسنت رسول ﷺ میں جو کچھ آیا ہے سب برحق ہے, یہ سب چیزیں ہم تک صحابہؓ کے ذریعہ پہنچی ہیں, جو شخص ان کو برا کہتا ہے اور کتاب وسنت کو باطل قرار دیتا ہے, ایسے شخص کو برا کہنا اور اس پر ضلالت و زندیق کا حکم لگانا, زیادہ مناسب اور صحیح ہے''. وہابیوں کے یہاں قرآن کے بعد امام بخاری کی احادیث کے علاوہ سبھی احادیث وسنت کی کتابیں, غیر صحیح اور مشکوک ہیں. جبکہ حضرت امام بخاریؒ نے خود یہ فرمایا ہے کہ 'نہیں درج کیا میں نے اس کتاب میں جو صحیح احادیث ہیں, اور ترک کیا ان بہت سی حدیثوں کو 'جو صحیح تھیں' کتاب کی طوالت کے (ضخیم) ہونے کے اندیشے سے'' (عبدالحق محدث, دہلوی)

حضرت احمد بن انطا کیؒ فرماتے ہیں ''یقین خدا کا عطا کردہ نور ہے, جس سے بندہ اس طرح امور آخرت کا مشاہدہ کرتا ہے کہ درمیان سے تمام حجابات رفع ہوجاتے ہیں'' اور جس کو کسی بھی بات کا یقین نہ ہو اس کو نور خدا کا حاصل ہونا محال ہے۔ امام ابن تمیمیہ نے کوئی ثبوت فراہم کئے بناء آیمہ و صلحاء کو فلسفہ یونان سے متاثر لوگ کہہ کر ان کی ایمان ویقین کی کوششوں کو یک قلم مسترد کر دیا, جبکہ امام غزالیؒ نے نبوت, رسالت اور ولایت کی تشریح قرآن وحدیث کی روشنی میں کرتے ہوئے فلسفہ روم و یونان سے متاثر الفارابی اور ابن سینا جیسے حکیموں کے عقاید و مذہب کے شرکیہ نظریوں کو رد کیا, اور ارسطو کے نظریات کو فاسد قرار دیا۔

اماغزالیؒ کے ۹۰۰ سال بعد اور امام ابن تمیمیہ کے ۲۰۰ بعد کے حالات کیا ہوئے ہونگے؟ اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا, جب کہ ان دو ہستیوں کے زمانے میں ہی حالات دگر گوں ہو چکے تھے ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ ان سے پہلے یا ان کے بعد مصلحین ہوئے ہی نہ ہوں, لیکن جو عوامل ابتدائے اسلام سے نفاق وارتداد کی کڑی در کڑی ایمان وعقاید میں داخل ہو گئے تھے وہ برابر اپنا کام کرتے چلے گئے۔ اس کا سلسلہ صحابہ رضوان اللہ کے دور میں ہی شروع ہو گیا, جن فرقوں نے مذہب اسلام کے ایمان وعقیدے کی بنیادوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی ان میں سب سے پہلے سبائیہ تھے, علویہ, خوارجی (یا حروریہ) ناصبیہ, مُرجیئیہ, معتزلہ, جہمیہ, ظواہر اور اشاعرہ اور اشعریہ اور صلافیہ وغیرہم نے بعد میں بڑی بدعتیں اور ظلمتیں پھیلائیں۔

****

مذہب اسلام میں وحدت الوجود، رسالت خاتم الانبیاء، معرفت الہی اور تصوف کا جامع سہی اور مفصل خلاصہ امام غزالیؒ کے بعد اگر کسی نے پیش کیا ہے تو وہ ہستی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ ہیں جنہیں حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے پہلوان دین کہا ہے۔

صحابہ رضوان اللہ کے بعد تابعین, آیمہ اربعہ واولیاء وصالحین نے,اس تمام طوائف الملو کی کے دور میں بھی امت کے اسلام ,ایمان اور عقیدہ کی کڑیوں کو منظم اور مربوط بنائے رکھا,اور عوام الناس کی دینی ضرورتوں اور ورثہ اسلامی کی حفاظت میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔امام احمد بن حنبل کو کوڑے مار کر شہید کرنا,امام ابوحنیفہ کو زہر دیا جانا,اسی طرح کے واقعات کے سلسلہ کی خونین دور کی ابتداء کی مثال ہے۔

وہابیوں کے یہاں مکارم اخلاق کے وہ پہلو جسے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے تعبیر کیا گیا ہے, جو بندگی اور نیکی سے موصوف ہیں وہ یکلخت خارج ہیں اور صفات اشرار ,ورزیلیہ ,جن سے انکار وحجت تکرار وغرور کا مظاہرہ ہوتا ہے,جن سے لعنیت اور شیطنیت موصوف ہے,ان کا اظہار ہوتا رہتا ہے,اس لئے صحابہ رصوان اللہ اجمعین اور اولیاء وصالحین کے تعلق سے وہ بد باطنی اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں,اور اب تو وہ شان رسول ﷺ میں گستاخیاں کرنے سے نہیں چوکتے.ان کے بد بخت ارادوں اور خفیہ منصوبوں کا پتہ ایک صدی تک امت کو نہیں لگ سکا، اب ان کی کچھ کچھ خباثتیں سامنے آرہی ہیں۔

شدت پسندی, جدت پسندی, خودنمائی یا خود پسندی جو یہودیوں کا بنیادی نظریہ ہے۔اس میں وہابیت شرابور نظر آتی ہے۔اگر اس بات کا یقین نہ ہو تو,انکی تحریرات اور کتب کا مطالعہ کیا جائے جس میں انہوں نے صحابہؓ و آیمہ رحمہ اللہ پر بدترین قسم کی بدزبانی اور دریدہ دہنی کی ہے۔یہاں تک کے اب قرآن کریم کے ترجموں, تفسیروں میں حد درجہ زیادتی و کمی کرتے چلے جارہے ہیں۔یہ لوگ شتر بے مہار کی طرح اسلام کی روحانی ورثہ کو روندنا شروع کردیا ہے۔اور اپنے نظریات باطلہ کو امت مسلمہ پر زبردستی تھوپنے کے لئے ہرنا جایز طریقہ استعمال کررہے ہیں

یہودیوں نے بڑی پراسرار خاموشی کے ساتھ اپنے نظریات ان میں داخل کردئے ہیں۔یہ اتنی خطرناک اور موثر ترکیب ہے کہ عبداللہ ابن سباء کی سبائیو خوارجی تحریک بے معنی ہے۔اس بات کو یوں سمجھئے کہ اسلامی پاکستان میں ہندوستانی فلموں کے ناچ گانے کا اثر اتنا ہے کہ ہندوستان میں فلم ریلیز ہونے سے پہلے وڈیو پیریسی کے ذریعہ پاکستان میں دیکھ لی جاتی ہے۔اور ہندی فلموں کا پاکستانی سماج پر گہرا اثر چھوڑ

***

ان کے شیطانی ارادوں کے چند نمونے ملاحظہ ہو۔ رشید احمد گنگوہی نے تذکرۃ رشید میں لکھا ہے, سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں, مگر اس زمانے میں ہدایت ونجات موقوف ہے میری اتباع پر'' یعنی رشید احمد کی زبان سے (نعوذ باللہ) اللہ بولتا ہے اور رشید احمد کی اتباع کے بغیر امت کی ہدایت ونجات ممکن نہیں۔

''اگر بالفرض بعد زمانہ نبویﷺ کوئی نبی پیدا ہوا تو پھر بھی خاتمیت محمدی (حضورﷺ کے آخری نبی ہونے میں) کچھ فرق نہیں آئے گا (ص ۲۵) اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی (زمانے کے لحاظ سے پہلے یا بعد میں آنا) میں بالذات کچھ فضیلت نہیں (نعوذ باللہ) (تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ دیو بند تحریر: قاسم نانوتوئی بانی دار العلوم دیو بند) اسی عقیدے کی بنیاد پر دیو بندی وتبلیغی خود کو نبیوں والا کام کرنے والے جانتے ہیں کیونکہ, قاسم نانوتوی, اسماعیل دہلوی, رشید احمد گنگوہی و دیگر دیو بندی بڑے انبیاء ہیں اور یہ سب چھوٹے چھوٹے نبی ہیں۔ اس کی وضاحت بھی خود ان ہی سے سنئے ''اولیاء و انبیاء امام اور امام زادے پیر اور شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں, اور بندے عاجز ہمارے بھائی مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے, ہم ان سے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں سی کرنی چاہئے (تقویۃ الایمان معہ تذکیر الاخوان ص ۸۰, اسماعیل دہلوی) اور بھی بہت ساری ذلتیں آج منظر عام پر ان سے دیکھنے کو مل رہی ہیں۔

امام غزالیؒ معارج اقدس میں فرماتے ہیں'' نبوت انسانیت کے رتبے سے بالا تر ہے, جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالا تر ہے۔ وہ عطیہ الٰہی اور موہبت ربانی ہے, سعی ومحنت اور کسب تلاش سے نہیں ملتی, اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' اور اسی طرح ہم نے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح بھیجی, تو پہلے نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے, لیکن ہم نے اس کو ایک نور بنایا ہے, جس سے ہم نے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا راہ سوجھائی (سیرت النبی ۱۶ جلد ۱)

اسماعیل انبیٹھوی کا یہ کہنا کہ انبیاء ہمارے بڑے بھائی اور ہم ان کے چھوٹے بھائی اور رشید احمد گنگوہی کا یہ کہنا کہ رشید احمد کی اتباع کے بغیر امت رسولﷺ کی نجات ممکن نہیں۔ کیا یہ مومن اور مسلمان کا ایمان وعقیدہ ہوسکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں نہیں ہے۔ اور! ایسے لوگوں کے اصحاب النار وجہنم ہونے میں کیا شک ہے۔

***

اب خدارا ہمیں بتایئے کہ یہودیوں کے کبالہ عقیدہ کے مطابق یہودیوں کے اللہ کے پسندیدہ بچے ہونے کا جو عقیدہ کفر ہے اس میں اور ابن وہاب نجدی کے ماننے والوں کے نفسی غرور میں کیا فرق ہے۔

یہ اللہ تعالی کا احسان عظیم اور شان کریمی ہے کہ رحمت عالم ﷺ کو مبعوث کرنے سے پہلے ہی عذاب کے سلسلے کو ابرہہ (واقعہ فیل) کے عذاب کے بعد بند کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس واقعہ کے ۵۵ دن بعد ۴۰ جلوس کثرائے نوشیروان مطابق ۵۷۱ عیسوی کو دنیاء میں شان نزول رحمت فرمائی۔ اگر عذاب اور سزا کو برقرار رکھا جاتا تو, کفار ومشرکین , یہود ونصاری اور شان خداوندی اور شان رسول ﷺ وخلیفۃ اللہ میں گستاخیاں کرنے والے قعر مذلت کی زندگی گذارتے ہوئے ,خنزیر, بندر اور کتوں میں تبدیل ہو گئے ہوتے۔

اب بات کچھ اہل ایمان کی بھی ہو جائے .اللہ تعالی فرماتا ہے ''اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر, دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں (ابراھیم ۲۸)

وہ جن کو علم الغیب اور روحانیت سے انکار ہے ان کے لئے ,اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ,میں اپنے پیچھے اس طرح دیکھتا ہوں ,جیسے اپنے آگے اور سامنے کی چیزیں دیکھ رہا ہوتا ہوں ,اس لئے تم اپنی صفیں سیدھی رکھا کرو اور اپنے رکوع وسجود اچھی طرح اداء کیا کرو (مسند امام حنبل) اللہ تعالی فرماتا ہے کہ وَ تَراھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیکَ وَ ھُمْ لَا یُبْصِرُوْن اے! نبی ﷺ آپ ان کو دیکھتے ہیں جو آپ کی جانب نظر کرتے ہیں ,حالانکہ وہ آپ کو نہیں دیکھ سکتے حضرت جنید بغدادی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں' خدا کے علاوہ ہر شیئے کو چھوڑ کر خود کو فناء کر لینے کا نام تصوف ہے۔

ایک طرف معرفت الٰہی وشریعت رسول ﷺ کے بغیر وحدت الوجود کا کٹر نظریہ جو کبالہ عقیدہ یہود سے متاثر ہوتا نظر آ رہا تھا اور دوسری طرف ,ولایت کے طریقوں میں اہل ہنود واصنام پرستوں کے عقاید کا امتزاج جیسے کے نماز معکوس جیسے طریقے اختیار کر لئے جا رہے تھے .حالانکہ امام غزالیؒ اور امام ابن تمیمیہ نے اپنے عقاید ونظریات کی بنیاد جس اخلاص نیت پر رکھی تھی وہ بعد میں ان کے ماننے والوں کے ہاں یکسر معدوم ہو گئی۔ اور اس میں حد درجہ غلو اختیار کر لیا گیا ,اور ان کے اعمال کے طریقے اختیار بھی کے گئے' تو اس میں کبالہ اور اصنام پرستی کے طریقے اور نظریات کو فوقیت دی گئی۔ انہیں باتوں سے دین کے اصل معنی جاتے رہے۔

اصلاح امت کی کوشش کوئی بھی کر سکتا ہے ,لیکن! تجدید واحیاء دین مہدئ موعود علیہ السلام

****

سے مخصوص ہے تاریخ علم کا غور سے مطالع کریں ساتویں صدی ہجری کے بعد کا وقت تجدید واحیاء دین کا متقاضی تھا, مہدئ موعود آخرلزماں علیہ السلام نے اللہ تعالی کے حکم سے نہ صرف رسوم و بدعات واشراک سے برآت کا بلکہ وحدت الوجود اور عصمت رسالت مآب ﷺ کا وہ حل پیش فرمایا, جو تمام بے مقصد تاویلات, ترجیحات, رسوم و بدعات کا قلع قمع کرتا تھا, اور وہ نظریہ تھا, ' دیدار باری تعالیٰ' جس میں بندگی کو تمام خرافات سے پاک کر کے, شریعت مطہرہ ﷺ پر عمل کرتے ہوئے صرف اللہ تعالی کو پانے کا عملی عقیدہ وطریقہ ولایت محمدیہ ﷺ کی بنیاد پر پیش فرمایا۔

بندگان خدا کو اللہ تعالی کی اطاعت و بندگی کے ذریعے پانے کی تربیت خاص دی, جو قرآن و سنت کے مطابق تھا. اس طریقہ رسول اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت صحابہؓ واولیاء کی زندگیوں میں دیکھنے کو ملتی ہے اور اس تحریک کا نعرہ تھا'' مذہب ما کتاب اللہ واتباع سنت رسول اللہ ﷺ'' جس نے عوام اور خاصان خدا کو زیادہ متاثر کیا, کیونکہ یہ عقلی وعقایدی بے راہ روی کے خلاف اصل اسلامی روایات اور تجدید واحیاء اسلام کا مرکز ومنبہ تھا, جس کو امت مسلمہ کے خاص اور پاک افراد نے خوشی سے قبول کرلیا اور وہ جو وحدت الوجود کی تلاش میں غلطاں و پیچاں تھے اور وہ جو ولایت کے سلسلوں میں لٹک کر اور بھٹک کر خدا کو پانا چاہتے تھے, ان کی سمجھ میں شریعت مطہرہ کی بنیاد پر اللہ تعالی کے خلیفہ کا سیدھا سادھا طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔ اس کو سمجھنے کے لئے سورہ انعام کی تنزیل کی حقیقت اور کیفیت کو سمجھنا ضروری اور حضور اقدس ﷺ کی اس حدیث مبارکہ پر غور وفکر کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ'' جس شخص نے دو دن ایک ہی حالت میں بسر کئے وہ محروم ہے,'' یعنی مزید ترقی کی خواہش نہ کی اور قناعت کر لی (اقتباس الانوار) یعنی جو جامد وساکت ہوجاتے ہیں ایک ہی بات پر اڑے رہ جاتے ہیں, اور اللہ تعالی کو پانے قرآن وحدیث کی روشنی میں آگے نہیں بڑھتے, اس سے ملاقات کی خواہش نہیں رکھتے۔

قرآن کریم کی سورتوں کے شان نزول, اسباب اور کیفیات کے بارے میں مفسرین و محدثین نے کچھ نہ کچھ تشریح ضرور کی ہے, لیکن! سورۂ انعام کی معنی ومطلب اسباب وعلت اور کیفیت کے بارے میں ہم نے کہیں کوئی وضاحت نہیں دیکھی کہ آخر اس میں کونسے انعام کا وعدہ کیا گیا ہے؟ اسکی وجہ آیمہ ومحدثین کا معصوم نہ ہونا تھا۔ اس لئے شواہد ہونے کے باوجود انہیں معرفت خداوندی کا وہ نکتہ انہیں سجھائی نہیں دیا۔ اگر اولیاء نے اس بات کو سمجھ بھی لیا تو وہ اس کے ادراک وتشریح اور بیان پر معمور

نہ تھے۔جس طرح انبیاء ماسبق اللہ تعالی کی وحدت کے درس وتبلیغ تو کرتے تھے مگر! اس کی صفات و کیفیات کے بیان پر معمور نہ تھے۔اس لئے ہم دیکھتے ہیں کے حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ سے وحدانیت اور اللہ تعالی کے خالق کل ہونے کے باب میں قرآن کی تشریح وتوجیحات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد کوئی ذی فہم انسان اللہ تعالی کی بندگی سے انکارنہیں کرسکتا۔

اس طرح سورہ انعام کے بیان کئے ہوئے انعام عظیم کا بیان اور خلاصہ وہی کرسکتا تھا جو مبین کلام اللہ ومراد اللہ وخلیفۃ اللہ و مامور من اللہ ہو جن کا وعدہ مخبر صادق ﷺ نے کرتے ہوئے فرمایا کہ ''مہدی مجھ سے ہے ,میرے نقش قدم پر چلے گا , اور خطانہیں کریگا۔البتہ اس سورہ کے شان نزول کے متعلق جو احادیث مبارکہ مروی ہیں وہ یوں ہیں۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ' یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ ایک ساتھ ایک ہی رات میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔اس سورت کے نزول کے لئے ستر ہزار فرشتے تھے جو تسبیح پڑھ رہے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ اس وقت حضور ﷺ کہیں جارہے تھے, فرشتوں کی کثرت زمین سے آسمان تک تھی۔مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اس مبارک سورت کو پہنچانے کے لئے اس قدر فرشتے آئے تھے کہ آسمان کے کنارے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ابن مردویہ میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں کی اس وقت تسبیح نے ایک گونج پیدا کردی تھی۔زمین گونج رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ العظیم پڑھ رہے تھے۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ ''مجھ پر سورۂ انعام ایک دفعہ ہی اتری۔اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے جو تسبیح وحمد بیان کررہے تھے۔(تفسیر ابن کثیر)

اس سورت مقدسہ ومبارکہ کا حضور ﷺ پر ایک بار ہی نازل کیا جانا اور فرشتوں کی تسبیح وتحمید کا زمین پر گونجنا اور انکا زمین پر اتنی کثرت سے اتر آنا کے زمین کے کنارے نہیں دکھائی دے رہے تھے اور حضور ﷺ کا سبحان رب العظیم کا ذکر کرنا بتارہا ہے کہ ''امت رسول ﷺ کو اس سورہ میں ایک انعام عظیم دیا جارہا تھا'' اس طرح یہ سورت یوں شروع ہوتی ہے ''سب تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جس نے زمین وآسمان پیدا کئے ہیں اور جس نے اندھیریاں اور روشنی پیدا کی۔.......(آیت ا)

حافظ عمادالدین ابوالفداء ابن کثیر نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں کی ہے۔اللہ تعالی اپنی تعریف کررہا ہے, ہمیں اپنی تعریفوں کا حکم دے رہا ہے۔'اسکی تعریف جن امور پر ہے' ان میں سے ایک

***

زمین وآسمان کی پیدائش بھی ہے۔دن کی روشنی اور رات کا اندھیرا بھی ہے۔الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْر ۔ اندھیرے کو جمع کے لفظ سے اور نور کو واحد کے لفظ سے پیش کرنا نور کی شرافت کی وجہ سے ہے۔جیسے فرمان ربانی ہے عَنْ اْليَمْنِ وَ الشَّمَآئِيلِ میں اور اس صورت کی آخری آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيمًافَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَتَّقَ بِكُم عَنْ سَبِيْلِهٖ میں یہاں بھی راست کو واحد رکھا اور غلط راہوں کو جمع کے لفظ سے بتایا۔........آگے آیات ا تا ۳ کی تشریح کرتے ہو لکھا ہے کہا آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آسمان میں بھی اسی کی ذات کی عبادت کی جاتی ہے اور زمینوں میں بھی ۔ اس کی الوہیت وہاں بھی ہے اور یہاں بھی.......جیسے اس آیت میں ہے وَ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌوَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ یعنی وہی آسمانوں میں معبود برحق ہے اور وہی زمین میں معبود برحق ہے.......تمہارے کل اعمال سے خیر وشر سے وہ واقف ہے یعنی وہ ہر وقت دیکھ رہا ہے.(یہاں حدیث احسان کا عقدہ کھل رہا ہے کہ 'تو اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے, یا اتنا جان لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے) اور اس کے بعد کی آیت مبارکہ غور سے پڑھیئے وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ 'ايَةٍمِّنْ 'ايٰتِ رَ بِّهِمْ اِلَّا كَانُوْ ا عَنْهَامُعْرِ ضِيْنَ . فَقَدْ كَذَّ بُوْ ا بِالْحَقّ لَمَّا جَآئَهُمْ ط فَسَوْفَ يَاْ تِيْهِمْ اَنبٰٓوءُ ا مَا كَانُوْبِهٖيَسْتَهْزِءُ وْنَ (۴)ان کے پاس ان کے رب کی جو بھی نشانی آئی یہ اس سے منہ موڑتے ہیں۔ یہ حق بھی جب ان کے پاس آیا' انہوں نے اسے بھی ناحق کہا۔

اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ' کفار(انکار کرنے والوں) کی سرکشی کی انتہا بیان ہورہی ہے کہ'ہر امر کی' تکذیب پر گویا انہوں نے کمر باندھ لی ہے۔نیت کر بیٹھے ہیں' جو نشانی دیکھیں گے' اسی کا انکار کریں گے۔انکی یہ خطرناک روش ایک دن انہیں ذلیل کرے گی.......(کہ اس سورۃ میں دئے جانے والے انعام عظیم کا انکار کریں گے)

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ فَسَوْف يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓوءُ ا مَا كَانُوْ بِهٖ يَسْتَهْزِئُوْنَ (الانعام ۵) بے شک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس ,(ان کے قریب انکے سامنے اسکو پانے سے انکار کیا) سو اب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں اس چیز کیں جس کے ساتھ وہ مذاق کیا کرتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گیں جس کے ساتھ انہوں نے کتاب اللہ سے استہزاد کیا تھا۔اب اسکے بعد کی آیت مبارکہ دیکھئے اَلَمْ

****

رَوْا کَمْ....... (الانعام ۶) کیا نہیں دیکھا انہوں نے, کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں, جنہیں ہم نے ایسی تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے دیا تھا, اور اتارتے ہم آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے, تب بھی کہتے, جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے, کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا۔ (انعام ۷) (جس طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جادو سمجھا گیا تھا, اسی طرح اس کی موجودگی کا انکار کیا گیا)

اور بولے کیوں نہ اتارا گیا ان پر فرشتہ اور اگر ہم اتارتے ان پر فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا, پھر مہلت نہ دی جاتی انہیں اور اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں) تو یوں مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وہ اب بھی ہیں۔ (جس طرح کسی نظر نہ آنے والے فرشتے کو نبی نہیں بنایا جاتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے نظر نہ آنے پر انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کے مرنے کے بعد اسے فرشتے نظر آتے ہیں تو کیا خالق اور مخلوق کی صفت ایک جیسی ہو سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بھی بعد مرنے کے ہی نظر آئیگا۔ مہدیٔ موعود علیہ السلام نے فرمایا' جو اللہ تعالیٰ کو مقید دیکھے وہ کافر ہے)

ان آیتوں میں کفار (انکار کرنے والوں) کی ضد اور سرکشی بیان ہوئی ہے, کہ یہ تو حق کے دشمن ہیں۔ بالفرض یہ کتاب اللہ کو آسمان سے اترتی ہوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے اور اپنے ہاتھ لگا کر اسے اچھی طرح محسوس کر لیتے پھر بھی ان کا کفر نہ ٹوٹتا اور یہ کہہ دیتے یہ تو کھلا جادو ہے۔ محسوسات کا بھی انکار کر دیتے۔ جیسے اور جگہ ہے **وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ** یعنی اگر ہم آسمان کا دروازہ کھول دیتے اور یہ خود اوپر چڑھ جاتے' جب بھی یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یعنی جو یہ طے کر بیٹھے ہوں دیکھنا ہی نہیں ہے وہاں جا کر ہی دیکھیں گے۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ آسمانوں کے در کھول کر اور سیڑھی لگا کر اوپر بلا کر بھی دعوت نظارہ دیں گے تو اقرار نہ کریں بلکہ اسے جادو قرار دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں, **وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا**' غرض کے جن باتوں کے ماننے کے عادی نہیں ہوتے' انہیں ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔

''بالفرض اگر ہم اسے (نبی, رسول, پیغمبر, خلیفۃ اللہ) فرشتہ ہی بناتے تب بھی لامحالہ بصورت انسان ہی بناتے۔ پھر بھی جو شبہ وہ اب کرتے ہیں, وہی اشتباہ ہم ان پر ڈالتے, تجھ سے پہلے کے رسولوں

***

کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ بالآخر مذاق اڑانے والوں پر ان کے مذاق کا وبال آ ہی پڑے گا, کہہ دے کہ زمین پر چل پھر کر دیکھ بھال لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا کچھ انجام ہوا (۹ تا ۱۱)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''..... بات یہ ہے کہ قرآن میں (آیتوں) کی ایک دوسری جگہ ہونے کی توجیہہ کا بیان موجود ہے۔ لیکن بے علمی کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں وہاں تک نہیں پہنچتیں (مطلب یہ کہ قرآن کریم کی مختلف آیات کی ایک دوسری کی توثیق و توجیہہ کہیں کہیں پر ہے لیکن ان کے معنی و مطلب ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں یا ایک جیسی یا ملتی جلتی ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالی کے احکام و پیغام کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے اور ان سے فیض اکتساب کیا جا سکتا ہے)

قَدْ خَسِرَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْبِلِقَآءِ اللہِ ط حَتّیٓ اِذَاجَآئَتْھُمُ السَّا عَۃُ بَغْتَۃً (۲۱) یقیناً اس جماعت نے یا ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس ناگہاں قیامت آ پہنچی۔ یہاں (کافروں, مشرکوں یا منافقوں سے خطاب نہیں ہے) اس جماعت یا ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور نقصان اٹھایا۔ یہاں اللہ تعالی سے ملاقات کا ذکر پہلے ہوا ہے اس کے بعد قیامت کے اچانک آنے کا ذکر ہے۔ اس طرح اللہ تعالی کی ملاقات کو قیامت سے پہلے جھٹلایا جانا بیان ہوا ہے۔ یہ غور طلب امر ہے۔ قیامت کے قائم ہونے سے پہلے حق کو پہچاننا یا قبول کرنا ہے۔ کیونکہ بعد قیامت بے حجاب یا با حجاب تو یہ یقینی امر ہی ہے کہ اس سے ملاقات ہونی ہے۔ ایمان والوں کو۔

وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّ نْیَا اِلَّالَعِبٌ وَّ لَھْوٌ ط وَ لَلدَّارُ ا لْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ط اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ (۲۲) دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشہ ہے (کوئی مقصد نہیں اور نہ کچھ حاصل کیا, یا اللہ سے ملاقات کی کوشش نہ کی یعنی نقصان کیا اپنا) ہاں بیشک پرہیزگاروں کے لئے آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے (صرف جنت نہیں بلکہ بہت ہی بہتر آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے جو تقوی اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالی کی ملاقات کا یا دیدار کا شوق ہیں) کیا تم عقل ہی نہیں رکھتے۔ (کیا تم غور نہیں کرتے اللہ کی آیتوں اور نشانیوں میں) دنیا کی زندگانی بجز کھیل تماشے کے کچھ نہیں' آنکھ بند ہوئی خواب ختم۔ جو دنیا میں اندھا و آخرت میں اندھا۔ اگر اسکے دیدار سے بہرور ہو جاتے تو یہ دنیا کی زندگی کا کھیل تماشہ کہاں سے اچھا معلوم ہوتا۔ یا خالق کائنات کی صنائے قدرت سے زیادہ بھی دنیا کا اچھا کوئی

کھیل تماشہ ہوسکتا ہے۔

ہمیں بخوبی علم ہے کہ تجھے ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں۔ یقین ماننا کہ یہ دراصل تجھے نہیں جھٹلاتے, بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ بلا شبہ تجھ سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے گئے' انہوں نے اپنے اس جھٹلائے جانے پر اور ایذا دئے جانے پر صبر کیا یہاں تک کے ان کے پاس ہماری مدد آن پہنچی, اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں تیرے پاس پیغمبروں کے حالات پہنچ چکے ہیں (۲۴)

اللہ تعالی کو بخوبی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالی کی آیتوں کو جھٹلاے جانے پر رنج ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بھی نبیوں, پیغمبروں, رسولوں اور اللہ کے خلیفوں کے ذریعے اللہ کے احکام پہنچانے پر جھٹلایا گیا ہے۔اس کے لئے انہیں ایذائیں دی گئیں اور اس پر انہوں نے صبر کیا۔ یہاں تک ان کے پاس اللہ تعالی کی مدد آ پہنچی اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے حق کو ثابت کر دکھایا معجزات کے ذریعہ, اللہ کی نشانیوں کے ذریعہ, اللہ سے ملاقات کر کے اس کا دیدار کر کے۔اور نہ ماننے پر پہلے عذاب بھی نازل ہوا کرتا تھا اور اب قیامت ہی ان کے لئے دردناک عذاب ہے. یعنی قیامت کے دن ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔

امام محمد بن اسحاقؒ ایک طویل واقعہ بیان کرتے ہیں جس کا اختصار یہ کہ کفار ایک دوسرے سے چھپ کر رات کے وقت حضور اکرم ﷺ کی تلاوت اور قرآن سنتے تھے۔ایک دن صبح ہوتے ہی اخنس بن شریق تیار ہو کر ابوسفیان بن حرب کے پاس گیا اور کہنے لگا اے ابوحنظلہ' سچ سچ بتاؤ' جو قرآن تم نے محمد (ﷺ) کی زبانی سنا' اس کی بابت تمہاری اپنی ذاتی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا' ابوثعلبہ سنو! واللہ بہت سی آیتوں کے الفاظ' معنی اور مطلب تو میں سمجھ گیا, اور بہت سی آیتوں کو' ان کی مراد کو میں جانتا ہی نہیں۔ اخنس نے کہا واللہ یہی حال میرا بھی ہے اخنس ابوجہل کے پاس گیا اور کہا اے ابوالحکم تم سچ بتاؤ جو کچھ تم حضورؐ سے سنتے ہو اس میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا سن جو سنا ہے اسے ایک طرف رکھ دے, بات یہ ہے کہ بنو عبد مناف میں اور ہم چشمک ہے۔ وہ ہم سے اور ہم ان سے بڑھنا اور سبقت کرنا چاہتے ہیں، مدت سے یہ رسہ کشی چل رہی ہے، اب جبکہ برابر کی ٹکر چل رہی ہے تو انہوں نے کہا ہم میں ایک نبی ہے۔ سنو چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے' نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے نہ مانیں گے اس کے بعد بھی اخنس ابوجہل سے ملا اور کہنے لگا' سچ بتا محمد (ﷺ) تمہارے نزدیک سچے ہیں یا جھوٹے؟ یہاں میرے تمہارے سوا کوئی نہیں, دل کی بات مجھ سے نہ چھپا' اس نے کہا جب یہی بات ہے تو سنو' خدا کی قسم محمد (ﷺ) بالکل سچے

ہیں اور یقیناً صادق ہیں' عمر بھر کسی چھوٹی سی بات میں بھی جھوٹ نہ بولا' ہماری مخالفت کی ایک ہی وجہ ہے یہ کہ جب بنو قصی کے خاندان میں جھنڈے چلے گئے اور بیت اللہ کے مہتمم اور منتظم ہو گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نبوت بھی اسی قبیلے میں چلی گی تو اب قریش کے لئے کون سی فضیلت باقی رہ گئی۔

یہودیوں کو اس بات کا دکھ ہے کہ نبوت عظمیٰ آل اسمٰعیل کو چلی گئی, بنی اسحاق کو اللہ تعالی نے نظر انداز کر دیا، بنو امیہ کو اس بات کا دکھ کہ نبوت بنو ہاشم کو چلی گئی, وہابیوں کو اس بات کا دکھ کہ ہدایت (مہدویت) عجمیوں (ہندوستان) کو چلی گئی, ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ دکھ کہ مہدویت مہدیؑ جونپوری کو کیوں چلی گی، اگر آنا ہی تھا تو بیت المقدس پر سیڑھی لگا کر ہی اترتے۔ جب سردار الانبیاء کو ہی ایسا نہیں اتارا گیا ہے, تو مہدیؑ کو ایسا اتارا جانا کیا معنی؟ جو آپؐ کے تابع ہیں، جس کا منصب اپنے رسول ﷺ کی اتباع کرنا ہے, وہ ایسے مقام و مرتبہ پر کیسے فایز کیا جا سکتا ہے, کہ جس میں فرشتوں کے جیسے کمالات ہوں و اوصاف ہوں۔ جبکہ پہلے بتایا جا چکا کہ اللہ تعالی انسانوں کے درمیاں فرشتوں کو نہیں (یا فرشتوں جیسے صفات والوں کو نہیں) ان جیسے انسانوں کو ہی مبعوث کرتے ہیں۔

وَ قَالُوْ لَوْ لاَ نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌمِّنْ رَّ بِّهٖ ط قُلْ اِنَّ اللهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ هُمْ لاَ يَعْلَمُوْنَ . کہتے ہیں اس پر کوئی نشان (معجزہ) کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ تو جواب دے کہ اللہ ہر نشان (معجزہ) نازل کرنے پر قادر ہے, مگر ان میں سے اکثر بے علم ہیں۔ (انعام ۳۷)

اللہ تعالی رسول ﷺ سے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو اتنی نشانیاں, اس قدر معجزے دئے ہیں کہ ایک اندھا بھی شک نہ کر سکے, اب ان کے طلب معجزات محض مذاق اور عناد و ضد ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ آپ انہیں ان کی چاہت کے معجزات ہر وقت دکھاتے پھریں, اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا...... ایمان کی سعادت جن کے حصے میں ہے توفیق اسی کی رفیق ہو گی۔

امام ابن المنذ راور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ عنہم نے حضرت محمد بن اسحاق سے قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی اور آپ ﷺ نے ان کے ساتھ گفتگو فرمائی کہ میں انہیں وہی پیغام پہنچا رہا ہوں جو مجھ تک پہنچا ہے، یہ سن کر زمعہ بن اسود نضر بن حارث بن کلدہ عبدہ بن عبد یغوث ابو خلف بن وہب اور عاصی بن وایل بن ہشام نے کہا: اے محمد! اگر آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ اتارا جاتا جو آپ کی جانب سے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتا اور آپ کے ساتھ دکھائی دیتا۔ امام

****

عبدالرزاق بن حمید ابن جریر ابن المنذ ر ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد رحمتہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ''اگر ہم فرشتہ اتارتے, تو قیامت قائم ہو جاتی, اور انہیں مہلت نہ دی جاتی, اور اگر فرشتہ آتا بھی تو انسانی شکل میں آتا, کیوں کے وہ فرشتوں کی طرف دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔امام ابن الضریس, ابن المنذ ر, طبرانی ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سورت انعام مکمل طور پر رات کے وقت مکہ میں نازل ہوئی, اور اس کی خبر پھیلانے کے لئے اس کے ساتھ ملائکہ کی ایک جماعت بھی اتری ،اس کے گرد ستر ہزار فرشتے بلند آواز سے زمین و آسمان کے مابین تسبیح و تحمید بیان کرنے لگے, حتیٰ کہ قریب تھا ان کی تسبیح کی آواز سے ساری زمین گونج اٹھی, جب نبی کریم ﷺ نے ان کی تسبیح کی آواز سنی تو آپ ﷺ پر رعب طاری ہو گیا اور آپ ﷺ سجدے میں گر گئے. وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ط ...... ''اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو وہ) بہرے گونگے ہیں, اندھیروں میں (سرگرداں ہیں) انعام ۲۹) امام عبد بن حمید ابن جریر ابن منذر ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ, آیت نمبر ۲۹ والذین ....صُمٌّ بُكْمٌ. یہ کافر کی مثال ہے, جو اللہ کا انکار کرتا ہے (اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے) جو زیادہ بہرہ و گونگا ہے, نہ وہ ہدایت کو دیکھ سکتا ہے, نہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے, وہ حق سے بے بہرہ ہے, کیونکہ وہ تاریکیوں میں ایسا بھٹکا ہوا ہے کہ, ان سے نکلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

آیت ۴۹ انعام اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو پہنچے گا انہیں عذاب, بوجہ اس کے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے اور ڈرائے اس (قرآن) سے انہیں جو ڈرتے ہوں اس لئے کہ انہیں اٹھایا جائے گا, ان کے رب کی طرف سے اس حالت میں کہ نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی (انہیں ڈرانے والا) تاکہ یہ (کامل) پرہیزگار ہو جائیں

اور نہ دور ہٹاؤ جو پکارتے رہتے ہیں, اپنے رب کو صبح شام, طلب گار (فقط) اس کی رضا کے.
(۵۲)(درمنثور)

جو اللہ کے بندے تقویٰ, پرہیزگاری, توکل اور دنیا سے کنارہ کش ہو کر ذکر اللہ میں مشغول ہو کر اللہ کو پکارتے رہتے ہیں اس سے ملنے کے لئے, دیکھنے کے لئے اس کے دیدار کی طلب میں ۔ ان کو ہمارے قریب آنے میں مدد کرو ان کو ہماری قربت کا راستہ اور طریقہ بتاؤ۔ جو اللہ تعالی کو ملنے کی آرزو رکھتا

ہے اس لئے کہ اللہ تعالی بھی ملاقات کی تمنار کھتے ہیں, جو اسے دیکھنے کی آرزو رکھتے ہیں اللہ تعالی انہیں اپنے دیدار سے مشرف بھی کرتے ہیں۔اپنے پاس سے انہیں ہرگز دور نہ کرنا انہیں جو صبح شام اپنے رب سے رضامندی طلب کرتے رہتے ہیں۔اسی کے ''دیدار'' کے طالب رہتے ہیں........اس طرح ہم نے بعض لوگوں کا بعض سے امتحان کرلیا, تاکہ یہ کہیں کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم سب کے درمیان میں سے'احسان' کیا ہے, کیا اللہ تعالی شکر گذاروں کو بخوبی جاننے والا نہیں؟ یعنی انہیں کے ساتھ رہو جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔اس کی رضامندی طلب کرتے ہیں۔خبردار ان کی طرف سے آنکھیں نہ پھیرنا تاکہ دنیا کی زندگی کی آسائش کرنے لگو۔ان کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کی ہے۔اور اس کا ہر کام حد سے گذرا ہوا ہے۔ بلکہ ان کا ساتھ دیجئے جو صبح شام اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔اور اسی سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

لِكُلِّ نَبَأٍ مُّسْتَقَرٌّ زوَ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ . ہر خبر کے لئے ایک معین وقت مقرر ہے۔اور جلد ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ اس کے بعد ہے کہ جب آپ انہیں دیکھیں کے ہماری آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو ان سے منہ پھرلیا کریں۔اور کبھی شیطان تجھے بھلا دے تو خبردار یاد آجانے کے بعد ہرگز ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔غور طلب امر ہے کہا جارہا ہے کہ ''ہر خبر کے لئے ایک معین وقت مقرر ہے۔تم کو عنقریب معلوم ہوجائے گا۔رسول ﷺ کے ذریعہ خبر دی گئی کہ تو اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کر کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے یا اتنا جان لے کے وہ تجھے دیکھ رہا ہے؛ اور آپ ﷺ کے موعودؑ کے ذریعہ خبر دی گئی کہ اللہ تعالی کو دیکھا جا سکتا ہے۔''کہ میں دیکھنے والوں کا مذہب لایا ہوں'' اس کے بعد کہا گیا ہے کہ جو اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور اس میں اپنی علمی قیاس سے جھٹلاتے ہیں اور ممکن کو ناممکن اور ناممکن کو ممکن بتاتے ہیں ان سے منہ پھیرلیا کریں۔کیا یہ قرآن کی دلیلوں کو جھٹلانے والوں کے ساتھ قطع تعلق کی بات نہیں ہے۔اس کے بعد خبردار بھی کیا جارہا ہے کہ اگر غلطی سے ان سے تعلق ہو بھی گیا تو ان سے دور ہوجائے کنارہ کش رہیئے۔

ایک معین وقت پر خبر آچکی کے اللہ کا خلیفہ مبعوث ہو چکا اور اللہ کے حکم سے قرآن کی آیتوں کی شہادتوں کی بنیاد پر طلب ''دیدار باری''، ممکن بتایا اور تصدیق واطاعت کا حکم دیا تو اس کا انکار کیا۔کیا ایسے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا, ان کی تقلید کرنا بے دینی نہیں ہے۔جبکہ اللہ تعالی کی جانب سے ایسی

***

حرکتوں سے باز رہنے سے خبردار کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی اور رسول ﷺ کی حکم عدولی نہیں ہے۔ کیا ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جایز ہے اور ان سے تعلق رکھنا اللہ کے غضب کو آواز دینا نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی امت کے اس شخص کو جو ایمان و یقین سے بہرہ ور ہو چکا ہے اس پر حرام ہے کہ وہ ایسی مجلس میں یا ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھے اور دینی تعلقات رکھے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ جس طرح اہل کتاب, اللہ کی نافرمانی کر کے اللہ کے عذاب کے مستحق ہوئے اسی طرح اہل قرآن کی نافرمانی کیا اللہ کے عتاب کو دعوت نہیں دیگی؟ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس طرف اشارہ ہے ''وَ قَدْ نَزَّ لَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ تم پر اس کتاب میں یہ فرمان نازل ہو چکا ہے کہ جب اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور مذاق ہوتا ہوا سنو تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم بھی اس صورت میں ان جیسے ہو جاؤ گے۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ سمجھو۔ تم تو محبت کی بنیاد ڈالنے کے لئے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو, وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے, وہ کفر (انکار) کرتے ہیں پیغمبر کا, اور خود تمہیں بھی اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ (ممتحنہ)

سورۂ ممتحنہ کی یہ آیات معرکہ بدر سے تعلق رکھتی ہیں لیکن یہاں اللہ کے دوستوں اور دشمنوں کی توجیہہ کے ضمن میں ایک مثال ہیں۔

آیت ۵۷ انعام, آپؐ فرمائے بے شک میں قائم ہوں ایک روشن دلیل پر, اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلا دیا تم نے۔ جس طرح قرآن ایک روشن دلیل ہے, اسی طرح اس کی ہر آیت ایک روشن دلیل ہے۔ اس کا جھٹلانا کفر ہے۔

آیت ۶۸ انعام, اور (اے سننے والے) جب تو دیکھے انہیں کے بے ہودہ بحثیں کر رہے ہیں, ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے (ایسے لوگوں کے ساتھ قطع تعلق کرنا ایمان ہے) آیت ۹۱ انعام, اور قدر نہ پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا, جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (وحی) آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لئے تم نے بنا لیا اسے الگ الگ کاغذ, ظاہر

کرتے ہوا سے اور چھپاتے لیتے ہو (اسکا) بہت سا (حصہ) اور جو تمہیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے, اور نہ تمہارے باپ دادا؟

جس طرح کتاب موسیٰ نور تھی (اور اللہ تعالی خود اسے نور قرار دے رہے ہیں) اس طرح قرآن کریم محض کاغذ کے صفحات نہیں, یہ بھی اللہ تعالی کا نور ہے کیونکہ اس میں اس کے نور کی تجلی ''دیدار'' کا تذکرہ آیا ہے اور اس کا چھپانا کفر ہے جبکہ اللہ کے خلیفہ نے رسول ﷺ کی اتباع میں اس کی نشاندہی کردی ہے۔

امام ابن منذر نے ابن جریرؒ سے اس آیت کے بارے میں فرمایا, کہ یہ ان یہودیوں کے بارے میں ہے, جنہوں نے تورات کو ظاہر کیا اور محمدؐ کے ذکر کو چھپایا, اور اہل قرآن نے قرآن کو تو ظاہر کیا اور اللہ تعالی کے نور کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے واقف تھے اس لئے پورے وقار اور دبدبہ سے اس بات کا اعلان کیا کہ۔ لَا تُدْرِ کُهُ الْاَبْصَارُ ز وَ هُوَ یُدْرِ کُ ا لْاَبْصَارَ ج وَ هُوَ ا للَّطِیْفُ الْخَبِرُ .

آیت ۱۰۳ انعام, اس کو تو کوئی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی, اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے. اور وہ بڑا باریک بین اور (پوری طرح) باخبر ہے۔

اسکو نگاہیں محیط نہیں کرسکتیں۔ وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی کے انداز بیان کی شان دیکھیں اسکو نگاہیں محیط نہیں کرتیں بلکہ وہ نگاہوں کو محیط کرلیتا ہے۔ اسکو نگاہیں نہیں پاسکتیں وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں وہ نگاہوں پہ چھا جاتا ہے۔ یعنی جو دکھتا ہے وہ نہیں دکھتا ہے یعنی جو نہیں دکھتا ہے وہ دکھتا ہے۔ یعنی جو ہے وہ نہیں ہے اور جو نہیں ہے وہ ہے۔ جو نظر آرہا ہے وہ حجاب ہے, حجابات دور کرو، کارگاہ قدرت کا جلوہ ہی جلوہ ہے۔

امام ترمذی, ابن جریر, ابن منذر, ابی حاتم, طبرانی اور حاکم علیہ رحمہ نے, اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے, اور الالکائی نے السنۃ میں بیان کیا ہے کہ, حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا, محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے, ''رَآی مُحَمَّدٌ رَّ بَّه'' ''

امام ابن جریر, ابن ابی حاتم, اور ابن مردویہؒ نے عکرمہؓ کے واسطے سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ, آپ نے فرمایا حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ تو آپ کے پاس

موجود افراد میں سے کسی نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا" لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؟ "تو عکرمہؓ نے اسے کہا کیا تو آسمان کو نہیں دیکھتا, اس نے کہا کیوں نہیں تو آپ نے کہا پھر سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے۔

المستدرک۔ حاکم ۲۱۶ : حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا" اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ ابراہیم خلیل اللہ ہوں, موسیٰ کلیم اللہ ہوں, اور رسول اللہ ﷺ اللہ کو دیکھیں" یعنی ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ دوست بناتا ہے, تم کو تعجب نہیں ہوتا۔ موسیٰؑ کو کلام کرتا ہے, تم کو تعجب نہیں ہوتا اور محمد ﷺ کو دکھائی دیتا ہے تو تم کو تعجب ہوتا ہے۔

جیسے بیان ہوا ہے وَهُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ (الانعام ۱۴) وہ رزق دیتا ہے, اسے رزق دیا نہیں جاتا. امام نسائی' حاکم و بیہقی رحمہ اللہ نے شعیب ابن ابی مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ" انصار میں سے ایک آدمی نے حضور نبی کریم ﷺ کی دعوت کی تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ اس دعوت میں شریک ہوئے, جب حضور ﷺ کھانا تناول فرما چکے اور ہاتھ دھو چکے تو اس طرح دعا فرمائی۔" سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں, جو کھلاتا ہے اسے کھلایا نہیں جاتا, اور جس نے ہم پر احسان فرمایا, کہ ہمیں ہدایت عطاء فرمائی, ہمیں کھلایا اور ہمیں پلایا, اور ہر اچھی شئے کے ساتھ آزمایا, سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں, جو میرا رب ہے جسے چھوڑا نہیں جا سکتا, نہ اس سے بدلہ لیا جا سکتا ہے, اور نہ اس سے انکار کیا گیا ہے اور نہ اس سے مستغنیٰ ہوا گیا ہے, سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا پانی پلایا, ننگے بدن کو لباس پہنایا, گمراہی سے ہدایت فرمائی, اندھے کو بصارت عطا کی, اور ہمیں بہت سی مخلوق پر فضیلت عطاء کی۔

یہاں رسول اللہ ﷺ کی دعا میں ایک خاص بات یہ ہے کہ" اندھے کو بصارت عطا کیا جانا, اور ہمیں بہت سی مخلوقات پر فضیلت کا عطا کیا جانا۔ اندھا تو دیکھ نہیں سکتا ! یہاں رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا کہ اندھے کو بصارت عطاء کی اور ہمیں بہت ساری مخلوق پر فضیلت عطاء کی۔ صاف اشارہ دیا جا رہا ہے کہ بہت ساری مخلوقات پر انسان کو فضیلت دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اگر متمنی ہے تو یہ ملاقات ہو سکتی ہے اور دیدار پا سکتا ہے۔ بس اس کے اندھے پن کو دور کرنے کا طریقہ اور تعلیم اسے حاصل ہونا چاہیئے : جیسا کہ اندھے تو بہت ہوتے ہیں لیکن ان میں کچھ کا علاج ممکن ہے اور کچھ کا ناممکن۔ جو خلیفۃ اللہ کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اس نے اپنا علاج کر لیا اور دانا و بینا ہے اور جس نے علاج نہیں کرایا اپنے اندھے پن کو دور کرنے کی کوشش نہ کی وہ ناسمجھ نابینا ہے۔ بینائی کے لئے کیا کرنا ہوگا حجابات کو

****

دور کرنے ہونگے' وہ کیسے ؟ رسول ﷺ کے کہنے کے مطابق 'موتو قبل ان تموتو یعنی مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ جو چیز مرنے کے بعد پانے کی کوشش کرتے ہو وہ مرنے سے پہلے بھی حاصل ہوسکتی ہے حضرت امام زین العابدین بن امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ ''میں اپنے علم کے جواہر کو پوشیدہ رکھتا ہوں تاکہ ناواقف لوگ نہ دیکھیں اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ یہ میرا وہ علم ہے کہ اس کو ابوحسن (حضرت علیؓ) نے حسین سے بیان کیا تھا اور اس کے پہلے اس کی وصیت کی تھی حسن کے پاس کتنے علم کے جوہر ہیں اگر میں ان کو ظاہر کروں تو مجھے لوگ کہیں گے کہ یہ بت پرستوں میں سے ہے۔ اور وہ مسلمان جو بری باتوں کو اچھی سمجھنے والے ہیں میرے خون کو حلال سمجھیں گے۔ پس یہ علم احسان وہ علم ہے کہ اس کو امام بزرگ علی مرتضیٰؓ نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا اور اس کی تعلیم اپنی اولاد کو اور اپنے بعض احباب مثلاً حسن بصریؒ اور کمیلؒ ابن زیاد کو دی پھر یہ علم ان دونوں اصحاب سے اہل تصوف میں منتقل ہوا۔ (جو اس امت کے محقق ہیں) پس یہ ولایت کی شاخ ہے جو ہمارے زمانے تک از روی خلافت شرایط کے ساتھ پہنچی ہے۔ لیکن اس کا سلسلہ حضرت علیؓ کے سوا کسی دوسرے صحابی سے نہیں شروع ہوا۔ اس لئے کہ حضرت علیؓ اپنے تابعین میں سے جس کو چاہے خلافت کا حکم دینے کے لئے مخصوص ہیں۔ اور یہ خلافت' خلافت باطنی ہے اور اس کا نام خلافت کبریٰ رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ خلافت ہے جہاد اکبر میں مع اس کے اصول وفروع کے اور وہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت فرمایا جب کے آپؐ کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے واپس ہوئے۔ پس خلافت کبریٰ تعلق رکھتی ہے جہاد اکبر سے مع اس کے اصول وفروع کے اور خلافت صغریٰ تعلق رکھتی ہے, جہاد اصغر سے۔ پس خلافت کبریٰ میں خلیفہ بنانے میں صحابہؓ سے کوئی صحابیؓ شریک نہیں خلافت صغریٰ کے سوائے اگرچہ کہ سب صحابہؓ بذاتہ خلافت کبریٰ کے بہرہ مند تھے۔ حتیٰ کے ابوہریرہؓ اور دوسرے صحابہؓ نے خلافت کبریٰ میں اپنا جانشین نہیں بنایا۔ مگر علیؓ نے نامحرم (ناسمجھ) سے اسرار کو پوشیدہ رکھنے کی شرائط کیساتھ اپنا جانشین بنایا ہے۔ پھر آپ کی اولاد نے, اس کے بعد اس شخص نے اپنا جانشین بنایا, جس کو آپؓ کی اولاد نے جانشین بنایا, اس کے بعد مہدئ موعود آخر لزماں جو رسول اللہ ﷺ کے جانشین ہیں۔ علیؓ اپنے پیروؤں کو پوشیدہ ارشاد کرنے پر مامور تھے۔ اور مہدئ موعود علیہ اسلام آخر لزماں اس کے آشکار کرنے (اعلان) پر مامور تھے۔ پس اگر کوئی کہے کہ خلافت کبریٰ کے اسرار چھپانے میں کیا حکمت تھی تو میں کہتا ہوں کہ علیؓ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھے اور لوگ شریعت اور طریقت کا امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ اور ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسولؐ کے افعال بظاہر دیکھتے اسی کو

****

شریعت سمجھ کر اخذ کرتے اور وہ شریعت سنت و جماعت ہے۔ اصول دین وفقہ میں اور یہ طریقت کے اصول علیحدہ ہیں۔ جو شریعت کے اصول مشقت وتکلیف کے اضافے کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔

پس طریقت کے اصول لوگوں کو اصل مقصد سے بہک جانے کی وجہ سے نہیں ظاہر کئے گئے (اگر ظاہر کئے جاتے تو) لوگ ایمان نہ لاتے۔ اوراس کی اطاعت ہرگز نہ کرتے۔ وہ اس لئے کے اس میں خواہشات نفس کی مخالفت دنیا کی لذتوں اور شہوتوں کو ترک کرنا اور دنیا کی زینتوں سے دور رہنا ایسی چیزیں ہیں کہ لوگوں کی طبیعت اس طرف مائل نہیں ہوتی۔ اور حاصل اس کا عظیم الشان (دیدار) ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے پیٹوں کو بھوکے رکھو، اور اپنے جگروں کو پیاسے رکھو، شاید کے تم اپنے پروردگار کو آشکارا دیکھو۔ (مخزن الدلایل۔ حضرت علامہ قاضی منتخب الدینؒ)

اس طرح یہ تعلیم خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کے پاس عام ہے جس کے لئے آپ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ اور اللہ تعالی اوراس کے رسول ﷺ نے اس کی توثیق اس طرح فرمائی قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ قف عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (سورہ یوسف ۱۰۸) کہہ دو (اے محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے جس پر دعوت دیتا ہوں (بلاتا ہوں) اللہ کے دیدار کی طرف (بینائی پر) اور وہ بھی بلائے گا جس نے میری اتباع کی۔

پس اہل سنت الجماعت کے پاس دیدار حق ہے۔ علمائے گروہ مہدویہ نے کہا ہے کہ جس طرح "انا" میں) رسول ﷺ سے مخصوص ہے اسی طرح "من" (وہ) مہدیٔ موعود خلیفہ سے مخصوص ہے، کیونکہ "تَبَعَنِي"، یعنی حضور ﷺ کی اتباع کرنے والا بھی یہاں مخصوص ہی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی ایسی اتباع کرنا جیسا آپ کے ﷺ نے عمل کیا تھا کسی غیر معصوم سے ممکن نہیں۔ ایسا صرف معصوم عن الخطا ہی کرسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "مہدی مجھ سے ہے، میرے نقش قدم پر چلیگا (اتباع کریگا) کبھی خطا نہیں کریگا" اور دیدار باری کی تعلیم کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ معرفت الہی کی تعلیم جو ولایت محمدیہؐ سے مخصوص ہے اسے سوائے مامور من اللہ معصوم عن الخطاء کے کوئی نہیں آشکار کرسکتا اور نہ اس کے اعلان اور وعدے کا مجاز ہوسکتا ہے۔ چونکہ سورۂ یوسف... میں یہ آیت آئی ہے۔ جو سورۂ انعام کے بعد... والی سورۃ ہے سورۂ انعام میں یہ کہہ دیا گیا کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ . آیت ۱۰۳ انعام، اس کو تو کوئی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی، اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہوجاتا ہے۔ اور وہ بڑا باریک بین اور (پوری طرح) باخبر ہے اور اس کے بعد!! سورۂ یوسف میں اس دیدار کے اعلان کرنے

****

والے اور اس کی تعلیم کے بیان کرنے والے کو یا رسول ﷺ کی ہو بہو اتباع کرنے والے کو بھیجا جانا بیان ہوا ہے۔ کہہ دو (اے محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے جس پر دعوت دیتا ہوں (بلاتا ہوں) ۔ اللہ کے دیدار کی طرف (بینائی پر) اور وہ بھی بلائے گا جس نے میری اتباع کی ۔(سورۂ یوسف)

اہل ایمان جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورتوں کا نزول موقع و محل کے لحاظ سے مختلف اوقات میں ہوا ہے ۔مگر ! اس ترتیب کو رسول مقبول ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب پر ہی اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین نے اسے رکھا۔ اس طرح پہلے کہا گیا کہ ''وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے'' پھر بعد میں اعلان ہوا کہ ''کہہ دو (اے محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے جس پر دعوت دیتا ہوں (بلاتا ہوں) ۔ اللہ کے دیدار کی طرف (بینائی پر) اور وہ بھی بلائے گا جس نے میری اتباع کی ۔ اور متبوع کی اتباع کی کیا شرائط ہیں وہ پہلے بیان ہو چکی ہیں ۔ یعنی معصوم عن خطا ہونا! اب آگے کی آیت میں اس انعام عظیم 'دیدار باری' حق ہونے کی دلیلوں (شہادت) کا ذکر ہے کیا ہیں وہ دلیلیں ؟ کیا قرآن کریم کی آیات مبارکہ سے بڑی شہادت اس دار فانی میں ہو سکتی ہے؟ وہ قرآن جو اللہ کا کلام ہے! جس کے بارے میں فرمایا گیا ''وَ اِنَّه' لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُوْءُ مِنِيْنَ (سورہ نمل ۷۷)'' بے شک یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے, اہل ایمان کے لئے '' بے ایمانوں کے لئے یہ ہدایت بھی نہیں رحمت بھی نہیں ۔ آگے کی آیات میں صاف کر دیا گیا کہ جو قرآن کی شہادتوں میں غور نہیں کرتا اور آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا وہ اندھا ہے اور اپنا نقصان کرنے والا ہے ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے اللہ کی آیتوں کو یا دلیلوں کو خوب پڑھ کر سنا بھی دیا اور کھول کر بیان بھی کر دیا۔ اب ہماری کوئی ذمہ داری نہیں یا ہم تمہارے نگہبان نہیں ہیں ۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو علم رکھتے ہیں اور وحی کی پیروی کرتے ہیں (جو قرآن کی آیتوں پر غور کر کے عمل کرتے ہیں) قَدْ جَآءَ كُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ج فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ج وَ مَنْ عَمِیَ فَعَلَيْهَا وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ . وَ كَذَالِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَه' لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ . آیت ۱۰۴,۱۰۵ انعام, بے شک آئیں تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں, اپنے رب کی طرف سے تو جس نے آنکھوں سے دیکھا اس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا تو اس نے اپنا نقصان کیا اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں دلیلوں کو تا کہ بول اٹھیں یہ لوگ کہ آپ نے خوب پڑھ سنایا ہے اور تا کہ ہم واضح کر دیں اس کو اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے، پیروی کیجیے آپ اس کی جو وحی کی جاتی ہے بصائرَ سے مراد دلیلیں اور حجتیں ہیں جو قرآن و حدیث

***

میں موجود ہیں, جو انہیں دیکھے ان سے فایدہ اٹھائے جو قرآن وحدیث کی شہادتوں اور پیشین گوئیوں کو سمجھ لیتا ہے وہ اپنا فائدہ کرتا ہے اور جو انہیں سمجھ نہیں پاتا یا نہ سمجھنے پر بضد ہے وہ اپنا نقصان کریگا۔ کیونکہ اندھا اپنا ہی نقصان کریگا اور اس کی گمراہی کا اثر اسی پر پڑے گا, کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں, بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہوجاتے ہیں۔

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌوَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُوءْمِنِيْنَ ہم نے قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا ورحمت ہے اور ظالموں کو تو نقصان ہی ملتا ہے۔

یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفاء اور بے ایمانوں کے کانوں میں بوجھ اور ان پر اندھا پن غالب ہے اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ''قرآن سے لوگ نصیحت بھی حاصل کرتے ہیں اور گمراہ بھی ہوتے ہیں'' کیا اس پہلے وہ لوگ جو قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے گمراہ نہیں ہوئے جیسے سبایئیہ, علویہ, خوارج, مرجیہ, معتزلہ وغیرہ اور وہابیہ ہیں۔

علماء نے مہدیؑ موعود علیہ السلام سے کہا کی آپؑ کہتے ہو کے ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور امام ابو حنیفہ ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں ہیں تو آپؑ نے فرمایا ابوحنیفہ نے اپنے ایمان کی خبر دی ہے ان کا ایمان اس مقام کا تھا جہاں سے بڑھنے گھٹنے کا سوال نہیں تھا آپؑ نے قرآن کریم کی آیات پیش کیں۔

دوسروں کے نظریات سے متاثر کوئی بھی عقیدہ چاہے وہابیت ہی کیوں نہ ہو, مہدیؑ موعود خلیفۃ اللہ مامور من اللہ کی بعثت کی روشن قرآنی دلیل ''دیدار باری'' کے حق ثابت ہونے میں مانع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں وحدت الوجود کا اقرار بھی ہے' اور عالم الغیب ہونے کا اعتراف بھی ہے اور روحانیت کے منازل سلوک کا بغیر رسوم وبدعات کے عمل کرنے کا طریقہ اور تعلیم بھی ہے۔ مہدیؑ علیہ السلام نے فرمایا ''ہر جا کہ باشد بایاد خدا باشد'' دنیا میں رہو, دین میں رہو, حاضر رہو, غایب رہو, زندہ رہو, مردہ رہو (موتو قبل ان تموتو) رہو تو اللہ کا بندہ بن کے رہو, نفس کا بندہ نہیں۔ احیائے دین مہدیؑ موعود خلیفۃ اللہ سے مخصوص ہے, اس میں کسی غیر معصوم کو اختیار نہیں۔ اس لئے کہ آپؑ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی بنیاپر, ولایت مخصوصہ کی ختمیت پر مامور تھے۔ جس میں وحدت الوجود کی تاویلات, رسوم وبدعات کی تخیلات, نفس امارہ کی مذمومات اور شرک وبت پرستی کا دھارا صرف ایک ضرب حرکت سے موڑ دیا گیا ہے کہ ''میں دیکھنے والوں کا مذہب لایا ہوں'' جو وحدت الوجود کے نکتے پر اٹک گے ہیں وہ اس کی دریائے وحدت کا نظارہ کرلیں اور جو فرسودہ تخیلات کی بھول بھلیوں میں بھٹک

****

رہے ہیں وہ اس کی قدرت بے انتہاء کے دریا میں غوطے لگائیں ,جو شرک و بت پرستی کی ذلت کو اختیار کئے ہوئے ہیں وہ اسکے آگے سربسجود ہو جائیں اور جو نفس امارہ میں اور غرور تکبر میں مبتلاء ہیں وہ اپنی انا کو فناء کر کے اس کی جلال احدیت کے فیض و کرم سے ہمیشہ کے لئے اس کی نعمتوں کے حقدار بن پائیں۔

شکوک وشبہات ,منتشر خیالات ,روسم و بدعات اور شرک والحاد کا حل ...! تقویٰ پرہیز گاری, عزلت از حلق ,ترک دنیا اور ذکر کثیر کے ساتھ طلب دیدار باری میں پنہاں ہے۔خودی کا انکار خدا کے اقرار بصارت میں پوشیدہ ہے۔جس کسی نے یہ عقدہ حل کر لیا وہی مومن ہے۔

رہا یہ سوال کہ ہمیں وہابیت سے اتنی خلش کیوں؟ وہ اس لئے کہ اسلام کی چودہ صدیوں کے تاریخ میں کوئی نظریہ یا عقیدہ اسلام میں ایسا نہیں ہوا جو کفر والحاد کی بنیاد پر اسلام کا علم بردار رہا ہو اور اسے اتنی وسعت اور قبولیت حاصل ہوگئی ہو کے ایک قلیل عرصے میں اس نے دین وایمان کی بنیادیں متزلزل کرنے کی کوشش کی ہو۔جب اچھی طرح غور سے اس کا جایزہ لیا جائے تو اس میں چھپی خباثت پوری طرح عود کر آجاتی ہے۔کیونکہ یہودیت بڑی دور اندیشی اور چالاکی سے اس پر حاوی ہو چکی ہے۔ ہمیں اس کا اندازہ اتفاقاً ہوا۔ جب یہودیوں کے عقائد کے بارے میں دیکھا گیا تو جیسے ہی ان دو نظریات کو ہم نے یکجا کئے ، میں بھونچکا رہ گیا۔عبداللہ بن صباء کے سازش کبالہ کی سازش کے سامنے بیکار محض ہے۔جیسا سبایوں نے علویہ پیدا کئے اس سے کئی گناہ بدتر اور شریر ترین لوگ وہابی پیدا کئے ہیں۔اب آہستہ آہستہ ان کی کارستانیاں اور شرارتیں سامنے آنے لگی ہیں۔

ان کی بڑبولی ,رسول ﷺ کی شان میں گستاخیاں آئمہ وصالحین کے تیئں دریدہ دہنی انتہا درجہ پر ہے اس کا اندازہ کم ہی لوگوں کو ہوا ہے۔انجانے میں لوگ یہودیت کے نظریات کے قریب پہنچ چکے ہیں۔اور ان نظریات کی کڑیاں ,حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بعثت اور اعلان خلافتہ اللہ کے بعد بڑی عیاری اور چالاکی سے جوڑی گئیں ہیں کیونکہ مہدویت کی تعلیمات اور اعمال میں قربت خداندی کا راز پنہاں ہے۔امت کو خدا سے دور کرنے کا صہیونی طریقہ خود خدا کی وحدت کو بنیاد بنا کر انہیں متاع دنیا اور عیش وعشرت میں مبتلاء کر دینا ہے۔ اس طرح اسلام کی بنیاد علم الغیب پر غیر محسوس نشانہ ہے۔صہیونیوں نے وہابیت کو یہودیت کا آلۂ کار بنایا ہے۔دعوائے مہدویت نویں(۹) ہجری میں ہوا ہے۔ کبالہ عقیدہ پہلی بار گیارہویں (۱۱) ہجری میں منظر عام پر آیا۔ وہابیت کی بنیاد بارہویں(۱۲) ہجری میں پڑی۔ واقعات کا تسلسل غیر محسوس سازشوں کی کڑی کی طرف صاف اشارہ کر رہا ہے۔

****

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)
Cell No. 09242653492

بولیں تو کیا بولیں ! نہ بولیں تو کیوں؟

سو پشتوں سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری

یہ مصرعہ کہتے ہوئے غالب نے اپنے آبائی پیشہ تو بتا دیا لیکن ! وہ یہ بھول گئے وہ اب سپاہی نہیں شاعر ہو چکے ہیں ایسا ہی کچھ معاملہ ہم مہدویوں کا اب ہے، ہمیں اپنے بزرگوں کے ماضی کے ایمانی معاملات کی شان وشوکت کا علم تو ہے مگر عملی طور پر ہماری بے حسی اور بے بسی اب ایک ضرب المثل بنتی جا رہی ہے۔

مہدویہ دائرے مستقل طور پر مقیم کیا ہوئے کئی نئی نئی پریشانیاں اور مسائل ابھر آئے۔ان میں ایک ضروری مسئلہ ہے، کسب وتجارت اور روزی روٹی کا۔کاسبوں اور عامیوں نے اپنے لئے اس مسئلے کا حل تلاش تو کرلیا، لیکن فقراء ومسند نشینوں کو اللہ کے حوالے کر کے حقوق العباد کے تئیں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گے۔اس مسئلے پر عام مہدویوں کا رویہ بڑا ازایغانہ اور مایوس کن اور شرمندگی کا سبب ہے۔

ہم کو فقراء ومسند نشینوں سے شکایات فی نفسہ بہت ہیں لیکن ! ان کی پریشانیوں اور شکایات کو سننے محسوس کرنے اس پر غور وفکر کرنے کا نہ تو احساس ہے نہ وقت نہ موقعہ، ہر کوئی اپنا رونا روتا ہوا نظر آتا ہے۔جب بھی مذہبی مسائل کی بات آتی ہے ہماری نگاہیں اس طبقے کی طرف اٹھ تو جاتی ہیں، لیکن ہماری اپنی ذمہ داری اور حقوق کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔اس فکر ونظر کے تضاد اور فرض ذمہ داری کے تفاوت نے ہمیں بے حس غیر ذمہ دار بنا دیا ہے۔ بلکہ کئی ایک کو یہ کہتے سنا ہے کہ کاسبین سے ان کی دنیاوی زندگی اچھی ہے۔اس کے لئے چند ایک مسند نشینوں کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے جو کمال علم وعقل سے متاع دنیا میں ملوث ہیں۔جبکہ اس طبقہ کی کثیر تعداد کی ذاتی زندگیوں کے مسائل اور ضرورتوں کو اگر قریب سے دیکھا جائے تو شرمندگی سے سر جھک جاتا ہے اور خود پر لعنت کرنے کو جی چاہتا ہے۔معدودے چند مسند مشیخیت کے علمبردار افراد کو چھوڑ کر اس طبقہ کی اکثریت کی زندگیوں کا جائزہ لیں جو اپنی آبائی وموروثی ذمہ داری کو پورا کرنے پر اپنی مرضی سے یا بزرگوں کی عزت کے

خاطر یا اللہ کے لئے یا مجبوراً اختیار کئے ہوئے ہیں، ایک طرف نفس سے مقابلہ دوسری طرف اہل وعیال اورکنبہ کی ذمہ داری تیسری طرف فقراء وکاسبین کا خیال رکھنا چوتھا اپنی دینی و مذہبی ذمہ داریوں کو اداء کرنا اورسب سے بڑھ کر مریدوں کے نخرے سہنا۔خلیفۃ الرحمٰن مہدیٔ موعود کی یہ پیشین گوئی ایسے ہی تارک الدنیا پر صادق آتی ہوگی کہ ’’مہدیؑ اور مہدویوں کے لئے کوئی جگہ اور جائے پناہ گھر اور الفت کا مقام نہیں ہے۔انشاءاللہ جو ہمارے ہیں مفلس مریں گے مہدویاں قیامت تک رہیں گے۔

یہ ایک ظاہر حقیقت ہے کہ ہمارے یہاں سوائے اللہ تعالی سے سوال کرنے کے، کسی سے مانگنے کی اجازت نہیں چہ جا یکہ چندہ مانگنا اورصورت سوال بننا ، کیونکہ مہدیٔ موعودؑ نے فرمایا ’’لوگوں کے پاس اپنی ضرورتیں مت لے جاؤ اور تقدیر پر راضی رہو‘ وہ لوگ جو آج خود کو بڑے سمجھ دار عقل والے ترقی یافتہ اور مذہبی سوجھ بوجھ والے اور عقائد باطلہ سے متاثر ہیں ۔انہیں عقیدہ و مذہب پر تو بڑے بے باک مباحث کرتے ہوئے دیکھا ہے لیکن خود ان کی اپنی ذمہ داری اور حقوق العباد کی ادائیگی کے سوال پر بغلیں جھانکتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔کچھ ایسے بھی ہیں جو غیر مہدویہ آبادیوں میں بسے ہونے کے زعم میں مدرسوں اور مسجدوں کو قطیر رقمیں چندے کے طور پر لکھوا کر محلے کے زعماء کے غرور میں شان کے ساتھ اکڑ کر چلتے ہیں مگر اپنے خاندانی وعقیدہ مذہب کے رہنماء کی زندگی کی کبھی خبر بھی لی ہو ایسا نہ ہوا، اور اس پر طرہ یہ کہ ہمارے پیشواؤں کو الزام دینا کہ انہیں دینی معلومات نہیں ہیں ، جب تمہیں دینداری کا احساس نہیں تو ان کی دینی معلومات تمہیں کا ہے کا فائدہ دیگی۔ ہم بھی وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں۔کئی کوتاہیوں کے باوجود ان میں کئی ہیں جو شریعت محمدیہ ﷺ اور اتباع مہدی علیہ السلام پر قائم رہنے اور نفس کشی میں حد سے گذرے ہوے ہیں جو خود کو اور اپنے اہل خانہ کو خدا کی خودسپردگی میں جھونک رکھا ہے، لیکن کبھی کبھی نفس اور اطاعت و بندگی کی کشمکش میں نفس کا غلبہ اتنا ہوجاتا ہے کہ برداشت کرتے کرتے جھنلا ہٹ غالب آجاتی ہے ۔ایسے حالت میں سرزد ہونے والی حرکتیں تنقید کرنے والوں اور مخالفوں کو حربہ فراہم کر دیتی ہیں۔دنیا میں سب سے بڑا جہنم پیٹ ہے انسان خود تو کسی بھی مرحلے سے گذر جانے کا حوصلہ رکھتا ہے، لیکن اہل خانہ وعیال کی ذمہ داریوں کے آگے اس کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں پر بڑے سے بڑے اللہ والے کے پائے استقلال میں لڑکھڑاہٹ اور لغزش ہوجاتی ہے ۔اس مقام پر جس نے خود کو سنبھال لیا وہی اللہ کی بارگاہ میں کامیاب ہوا۔لیکن ایسے باصفا اور ہمت والے اب کہاں؟ اب تو تقویٰ توکل راضی بہ رضائے الٰہی ہونا ایک بھولی ہوئی حقیقت ہے جو مسند نشینی کا جز لاینفک اور اور ولایت

تامہ کے اعمال کا اعجاز اور طُرۂ امتیاز ہوا کرتا تھا۔ پہلے ہجرت ہوا کرتی تھی تا کہ شریعت کا نفاذ ہو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پاسداری کا اہتمام کرایا جاسکے، اور اب؟ دورے ہوا کرتے ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ اپنی اولاد کے مستقبل کو محفوظ کیا جاسکے تا کہ دنیاوی اعتبار سے انہیں مستحکم کیا جاسکے، اب تو عالم یہ کہ قابلیت کوئی معنی نہیں رکھتی خطابات و القاب سند و دستار ہی دین داری کی علامت قرار دی جارہی ہے۔ اور یہ ایک بڑا خطرناک رجحان ہے، اور اس طرح للّٰہیت اور روحانیت کا خاتمہ کیا جارہا ہے، جو تعلیمات مہدویہ کے برخلاف عمل ہے۔ ایسے طریقوں کو بڑھاوا دینے میں مسند نشین اور کاسبین دونوں قصور وار ہیں۔ اس طرح تین قسم کے گروہ پیدا ہوئے ہیں جن کا اسلام اور مہدویت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ ایک گروہ چرب بیانی وعظ و بیان دکھاوا مجمع اکھٹا کرنا ہی دین داری خیال کرتا ہے، دوسرا گروہ عقیدہ و اعمال میں آئے دن نئے نئے شوشے چھوڑ کر بلا سوچے سمجھے بزگان دین کے اعمال اقوال کو اور قومی روایات کو پامال کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہے، ان کی وجہ سے ملت وعقیدہ کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے ان گروہوں کے اطراف جن ابن الوقت لوگوں کا حلقہ ہے وہ سب سے خطرناک لوگ ہیں جو جان بوجھ کر اپنی من مانی اور سہولیت کا دین اختیار کرنے کی راہیں ہموار کرنے میں کوشاں ہیں ،مثلاً کوئی حدیث نبوی ﷺ کے خلاف بعد نکاح بغیر شب عروسی کے اپنی جھوٹی شان دکھانے اور سہولت کے خاطر دعوت کر کے اسے دعوت ولیمہ قرار دے کر دوسروں کی دیکھا دیکھی شریعت کا ٹھٹول کر رہا ہے تو کہیں حضور نبی کریم ﷺ کے حکم کے خلاف بدعقیدہ لوگوں کی اقتداء کا پروانہ دیا جارہا ہے اور کہیں شان رسول ﷺ میں گستاقی کو آنکھیں بند کر کے قبول کیا جارہا ہے کہ گویا دین وایمان وعقیدہ نہ ہوا ان کے گھر کا اوڑھنا بچھونا ہوگیا۔ ملت کے وہ افراد جو دینی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں وہ سخت تشویش میں مبتلا ہیں کہ ادھر جاؤں یا ادھر جاؤں۔ ان گروہوں کے درمیان وہ لوگ جو خاموشی سے تماش بین بنے ہیں اپنے مسند کی ذمہ داری سے بے پرواہ ہو کر ملت کے دین وایمان کو پائمال کر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالی کو کیا جواب دیں گے؟۔

حضرت شیخ مصطفیٰ گجراتیؒ کے مکتوبات کے حاشیہ پر ہے کہ: ایک شخص شاہ علی نامی دولت آباد میں پیری مریدی کرتا تھا یہ اور اس کے ہمنواء حضرت مہدیؑ کے محکم فرامین میں تاویل کرتے تھے زمینداری ،کھیتی کرتے اور دنیا داروں کے گھر بے ضرورت شرعی جانے کو جائز رکھتے تھے ،اسی بناء پر سیدنجی خاتم مرشدؒ نے ان کو حزب الشیطان (شیطانوں کا گروہ) فرمایا تھا۔ اسی گروہ شیطان نے حضرت

شاہ یعقوب حسن ولایتؒ کو زہر دیا۔ چونکہ شاہ علی اور اس کے لوگ بظاہر فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور خود کو مہدوی کہتے تھے۔

اسی طرح جھوٹی نبوت کا مدعی مسیلمہ کذاب کے ہاں جو اذاں دی جاتی تھی اس میں 'لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ' کے الفاظ دہرائے جاتے اس لئے بنو حنفیہ کے لوگ مغالطے میں آ گئے اور اس کے ساتھ ہو لئے۔ ہمارے یہاں بھی ایسے لوگ ہیں جو مہدویوں کے درمیان رہکر فرامین مہدئ موعود کی غلط تاویل کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے اور مہدویت کی بیخ کنی میں کوشاں ہیں۔

اٹھیں! بغیر تام جھام کے جلسہ جلوس کے شہرت اور نام ونمود کے صرف اور صرف اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ اور مہدئ موعود کے طریقے وتعلیم کے سیدھے سادھے طریقے پر بندگان خدا کو سراط مستقیم پر اکھٹا کریں اور صوم وصلواۃ کا پابند کریں شراب نوشی بدکاری بد معاملگی اور بے کاری تن آسانی سے ان کو نکال کر قوم وملت کے فعال افراد کی ایک فوج بنائیں۔ جو ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھا اس کو اپنائیں۔ اس طرح قوم وملت کی تعمیر بھی ہوگی اور دین وایمان وعقیدہ کی آبیاری بھی۔ بے شک ہم بھی اس بد عمل ڈولتی لڑکھڑاتی ملت کا حصہ ہیں، لیکن برائی کو تلوار سے ہاتھ سے روکنے کا حوصلہ نہیں ہے اس لئے دل میں اسے برائی خیال کر کے قلم سے اپنی ذمہ داری نبھانے کی سعی کر رہے ہیں کہ شاید کوئی ولولہ ایسا پیدا ہو جائے جس میں ہم بھی اس ملت کا حصہ بننے پر اللہ تعالی کا شکر اداء کرنے کے قابل بنیں۔ کیا کوئی تحریک کوئی ہلچل کوئی خلوص نیت والی کوشش ہے جو ہمیں راہ دکھانے اور راہ راست پر لانے کے لئے آگے آئے گی؟ ہمیں امید ہے ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ اب بھی توبہ کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ خاموشی سے ایک نئی کوشش کی جا سکتی ہے۔ مہدی موعود علیہ السلام کی مہدویت کی چنگاریوں سے چار صدیوں بعد خود غرضوں اور شہرت نام ونمود کے دلداداؤں نے اصلاح وتبلیغ کے نام پر در پردہ نبوت کے دعوؤں کے ساتھ دنیا میں کامیابی حاصل کی ہے، تو کیا ہم مہدئ آخر لزماںؑ کے نام لیوا اخلاص نیت کے ساتھ بندگی کا حق اداء کرنے کے مجاز نہیں ہیں، ہم کو تو اس بات کا حق پہنچتا ہے اور یہ ہمارا فرض منصبی ہے چاہے مسند نشین ہوں کے کاسب، تجدید واحیائے دین مہدویوں کا کردار ہے رسم رواج کو مٹا کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا طریقہ اپنانا ہمارا اپنا شعار ہے۔ سب سے پہلے مسند نشینوں اور کاسبوں کے معاشی نظام کو مضبوط واسطوار کیا جائے اور ساتھ ساتھ دینی وعملی معاملات کی اصلاح ہمارا مقصد ہونا چاہئے۔ میدان عمل میں آنا پڑتا ہے پیشہ' آبا سپہ گری کی رٹ لگانے سے بہادر نہیں کہلائے جاتے، ہمارے آبا واجداء کیا تھے سو تھے،

ہم کیا ہیں وہ ہمیں ثابت کرنا ہوگا۔ پدرم سلطان بود کہنے سے کچھ نہیں ہوتا خود کو سلطانی کے لائق بنانا ہوگا۔ دینی وایمانی سلطانی کے لائق بننا، در پردہ دنیا میں نام کمانا یا متاع دنیا مقصد نہ ہونا چاہئے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ رحمہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب آپ نے 'فتوحات مکیہ' لکھی تو سارے دمشق میں دھوم مچ گئی اہل دمشق کھنچے چلے آئے ارباب اقتدار نے نوازشوں کی بارش کر دی، شیخ کا گھر مال و دولت سے بھر گیا، گورنر حمص ہر دن سو درھم نذر کرتا اور ابن الزکی ہر روز تیس درھم حاضر کرتا، لیکن شیخ عربیؒ نے اس میں سے کچھ بھی ذخیرہ نہ کیا سب کا سب صدقہ کر دیا۔

فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کے حوالے سے تصوف کی تعریف یوں لکھی ہے'' یہ راستہ طے کرنے کے لئے وہی موزوں و مناسب ہے جو اپنے سیدھے ہاتھ میں قرآن مجید رکھتا ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفویﷺ اور ان دو چراغوں کی روشنی میں چلتا ہو، تاکہ شبہ کے غار میں نہ گرے اور بدعت کی تاریکی میں نہ بھٹکے'' آگے مزید ارشاد فرمایا: صوفی وہ ہے کہ اس کا دل حضرت ابراہیمؑ کے قلب کی طرح سلیم ہو دنیا کی دوستی سے سلامت یافتہ ہو اور خداوند تعالی کے فرمان کا بجالانے والا ہو، اس میں حضرت اسماعیلؑ جیسی تسلیم ہو اور اس کا غم حضرت داؤدؑ کے غم کے مانند ہو اس میں حضرت عیسیٰؑ جیسا فقر ہو اور اس کا صبر، صبر ایوبؑ کی طرح ہو اور حضرت موسیٰؑ جیسا شوق رکھتا ہو اور مناجات واخلاص کے وقت حضرت رسول اکرمﷺ کی مانند اس میں اخلاص ہو''

ایسی بہت سی تعریفیں تصوف کے باب میں اولیاء اللہ سے منقول ہیں، اگر تصوف میں کمال حاصل کرنے کے لئے ان شرائط پر اترنا ہے تو ولایت باری تعالی یا قربت خداوندی سے اعمال مخصوص ہیں، ولایت محمدیہ مخصوصہ ﷺ کو پانے کہ محبوب خداﷺ کے اشغال واعمال ہیں جو دیدار باریٔ تعالی کی بنیاد اور واصل بہ حق ہونے کا ذریعہ ہیں ان کے لئے کیا نہیں کرنا چاہئے اس پر عمل کے لئے غور کرنا ہوگا۔ کیونکہ کیا کرنا چاہے اس پر انسان کو اپنے ارادے پر دخل حاصل ہے، انسان ارادہ اور عمل کے ذریعہ اس پر قابو رکھتا ہے، جیسے کہ فرائض اور سنن۔ اور کیا نہیں کرنا چاہئے اس پر انسان کو دخل نہیں ہے یہ مرحلہ ضبط نفس سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لئے مہدیٔ موعود علیہ السلام نے دم اور قدم کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ شجرۃ الکون میں رقم فرماتے ہیں کہ'' گروہ ملائکہ نور سے متخلق ہیں۔ اس لئے ان سے خیر اور بھلائی ہی سرزد ہوتی ہے۔ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ (وہ اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کرتے)، شیاطین کا گروہ تاریکی سے پیدا کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ سوائے شر

کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے حضرت آدم علیہ السلام اوران کی اولاد کو تاریکی اور نور دونوں سے پیدا کیا گیا ہے، خیر وشر نفع وضر چاروں ان کے عنصر میں ودیعت کئے گئے اور انسان کو معرفت ونکرت دونوں چیزیں عنایت کی گئیں ۔نور وظلمت سے جس کا جوہر غالب آ گیا انسان اسی طرف منسوب ہوگیا ۔اگر اس کا جوہر نور، جوہر ظلمت پر غالب آ جائے، گویا اس کی روحانیت اس کی جسمانیت پر غالب آ گئی ۔ بے شک اس طرح انسان ملک وفلک سے بہتر وافضل ہوگا ۔اور اگر اس کا جوہر ظلمت ،نور پر غلبہ حاصل کر لے تو بایں صورت وہ شیطان سے بھی بڑھ جائے گا ۔(شجرۃ الکون)

اللہ تعالی فرماتا ہے: يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰ مَنُوْ لَا تتَّبِعُوْ خُطُوَا تِ الشَّيْطٰنِ اے لوگوں جو ایمان لاے ہو شیطان کے قدموں کے نیچے سے پیدا کی گئی چیز (نفس) کی پیروی نہ کرو ۔کیونکہ شیطان تو تاک لگائے بیٹھا ہے وَ لَاُ ضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَا آ مُرَ نَهُمْ میں ضرور بنی آدم کو گمراہ کروں گا اور دنیا کی امید دلاتا رہونگا اور ان کو برائی کا امر کرتا رہونگا۔

اس تمام گفتگو کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسند نشین اپنی ذمہ داری سے عہدہ براء نہیں ہو سکتے اور نہ ہی کاسبین اپنی ذمہ سے بری الذمہ ،خصوصاً کاسبین نے حقوق العباد سے فرار کی جوراہ اختیار کر رکھی ہے وہ اللہ تعالی کے حضور باعث گرفت ہے ۔اپنی کمزوریوں، ناکامیوں اور بے اعتدالیوں کا ٹھیکرا وہ کسی اور کے سر نہیں پھوڑ سکتے ۔انہیں اپنے فرائض کا بار ہر حالت میں اٹھانا ہوگا ،اگر منافقی کا لبادہ اوڑھ کر غیروں کے ہاں میں ہاں ملائیں گے تو انجام کار دین ودنیا کی رسوائی ان کا مقدر ہے ۔ہم ایک ایسے شخص کو جانتے ہیں جو ہمیں حقیر سمجھ کر غیروں کی پناہ میں گیا ۔مگر جب ایک مرتبہ ہم سے مباحثہ ہوا تو سامنے کہنے لگے کہ دیکھو یہ تمہارے اپنے ہیں جو اپنے باپ دادا کی غلطی پر تھے اب ہمارے ہاں آ کر کچھ کچھ سدھرے ہیں ۔مطلب یہ کہ جو شخص ان کا اپنا ہو گیا اسی کے سامنے اس کے باپ دادا کو ذلیل کیا گیا اور وہ بیٹھے سنتا رہا، پھر ہمیں ان سے اپنے بزرگوں کی شان میں گستاخی پر ان سے دو دو ہاتھ کرنے پڑے اور ان کی سات پشتوں کو ہمیں بے دین ثابت کرنا پڑا ۔ان منافقوں کی وجہ سے ساری ملت کو برسر پیکار ہونا پڑ رہا ہے۔

مسلمانوں کے کثیر طبقہ میں منفی سوچ زیادہ ہوتی ہے ،وہ ہر بات میں نیگیٹیو فیاکٹرس Negative Factors زیادہ تلاش کرتے ہیں اسی لئے تعلیمات مہدیؑ کو قبول کرنے میں انہیں تامل ہی نہیں انکار ہے ۔اس کا کچھ کچھ اثر مہدویوں میں یہ ہے کہ کسی چیز کی تحقیق وتعلیم اور ترقی حاصل کرنے میں ایک مایوس کن تساہلی ہے جس کے سبب تعلیم کے میدان میں ہو یا تجارت یا نوکری کی تلاش

میں وہ تحریک اور احساس نہیں ہے جو دین و دنیا کی ضرورت ہے۔ مہدئ موعود علیہ السلام نے کہا ہے کہ اہل وعیال کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جس ہستی نے تابع تام رسول اللہ ﷺ کے مقام پر اعمال ولایت کی تعلیم جیسے ترک دنیا، عزلت الخلق، تقویٰ و توکل کا درس دیا وہیں پر انسانی حوائج اور اہل خانہ کی ضرورتوں کا بھی پوری طرح خیال رکھا۔ نہ صرف اس ذمہ داری کا احساس دلایا بلکہ آپ کے فرزند عزیز حضرت سید محمود رضی اللہ تعالی عنہ کو بادشاہ کے پاس نوکری کرنے پر توقف اختیار کی، وہ تو آپؑ کی تربیت اور تعلیمات کا اثر تھا کہ بندگی میاں سید محمودؓ نے دنیا کو ٹھکرا کر حق کو پانے کا ذوق لے کر واپس آ گئے۔ آپؑ کی تعلیمات کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ آپؑ نے انسان کو انسان بنے رہنے کی تعلیم دی ہے ضروری ذمہ داریوں سے جی چرانے یا بھاگنے کی تربیت نہیں دی، آپ نے صرف طبقے قائم کئے کہ، جو خالصتاً اللہ تعالی کو پانا چاہتا ہے وہ تسلیم ورضا اور سلوک احسان کو اپنائے اور، جو ذمہ داریوں کو پورا کر کے اللہ کو پانا چاہتا ہے وہ اتنی دنیا حاصل کرے جو اسے اللہ تعالی کو پانے کی راہ مستقیم سے بھٹکا نہ دے اور وہ متاع دنیا میں اس طرح ملوث نہ ہو جائے کہ خالق حقیقی کو ہی بھول جائے۔ جنہوں نے اللہ تعالی کو پانے کی جستجو کی ان کے لئے ولایت محمدیہ کا راستہ بتایا اور جن کے حوصلے کم تھے یا اللہ تعالی کے عشق کے تقاضوں کو پورا کرنے اور نبھانے کا دم خم نہیں رکھتے تھے، ان کے لئے شریعت پر پوری ایمانداری سے عمل کا طریقہ اور راستہ بتایا۔ اس طرح عالیت اور رخصت دونوں کے ضابطے اور اصول بتائے، ان دو طبقوں کو ہم فقراء و کاسبین کے نام سے جانتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں جہاں پر آپؑ کی ہجرت ہوئی آپؑ کے بعد وہاں پر دائرے بستے چلے گئے اور جو لوگ فقر وفاقہ اور فراق حق کی تمنا رکھتے تھے وہ آپؑ کے ساتھ چلتے گئے۔ ٹھٹھہ کے واقعہ کی وہ روایت دیکھئے جس میں آپؑ کے قافلے میں بوڑھے بچے جوان اور عورتیں دھوپ سے تپتے چٹیل میدان میں آپؑ کے پیچھے چلے آرہے ہیں، کئی دن کے فاقے، پتے چبا کر باچھیں چھل گئیں تھیں، پاؤں میں آبلے اور زخم ہیں اور واصل بہ حق ہونے کا شوق ایسا کہ آپؑ سے پوچھا جاتا ہے کہ میرانجیؑ مہدی کے ماننے والوں پر وہ وقت کب آنے والا ہے جب ان پر مصیبتیں اور پریشانیاں آن پڑیں گی۔

مہدئ موعودؑ نے فرمایا: جو شخص خدا کو چاہتا ہے مال کو نہیں چاہتا، اور جو شخص مال کو چاہتا ہے خدا کو نہیں چاہتا مہدویت قانقاہیت اور رہبانیت نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو مہدوئ موعود علیہ السلام کے دائرے کے وہ فقراء جو توکلت الی اللہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر ذکر دوام میں مستغرق ہو جاتے تھے، کیا ایسے ہی فاقہ مست رہ جاتے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ محیر العقول بات ہوتی اس طرح کشف و کرامات کا دروازہ کھل

جاتا، جسے مہدیؑ موعودؑ نے اللہ تعالی سے دُعا کر کے منقطع کر دیا۔ انہیں روایتوں میں اماما علیہ السلام کے دائروں میں فتوح کا آنا بیان ہوا ہے جو سویت ہوا کرتی تھی۔ مہدیؑ موعودؑ نے فرمایا ہے کہ'' جو کچھ انسان کے اختیار کے بغیر شریعت کے مطابق پہنچ جائے وہ حلال ہے'' اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا'' جو فتوح کا انتظار کرے گا وہ متوکل نہیں'' اور یہ بھی فرمایا'' حلال طیب کیلئے حساب نہیں'' یہ قرین قیاس امر ہے کہ ان ذاکرین اور فقراء کے لواحقین جو دائرے کے حدود یا قرب و جوار میں ہوا کرتے تھے وہ اللہ دیا فتوح کیا کرتے تھے جو محنت مشقت کی کمائی یا اکل حلال ہوا کرتی تھی اسی لئے قبول کر لی جاتی۔ یعنی اللہ تعالی کے جانب سے ایک سماجی معاشیاتی مدد یا سپورٹ سسٹم تھا۔ مہدیؑ موعودؑ کے صحابہؓ نے ہجرت ترک دنیا تقوی توکل ذکر اللہ دیدار سب کیا، اسی کے ساتھ تبلیغ دین اور اصلاح امت کی ذمہ داریوں سے بھی کوتاہی نہیں برتی اور ساتھ کاسبوں کی اصلاح کے ساتھ ان کے دنیاوی مسائل اور ذمہ داریوں میں بھی راہ نمائی کی ہے

حضرت سردار دو جہاں ﷺ کے دور میں بھی ایسی کئی مثالیں ہیں جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے۔ اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالی علیہ اجمعین ہی مثال لیجیے، ان کی کفالت کا ذمہ تمام تر حضور ﷺ پر تھا، ابو ہریرہؓ سے ایک طویل روایت ہے جس میں ان کے فاقہ کی میں رسول ﷺ سے ملاقات ہوتی ہے تو آپ ﷺ انہیں گھر لے جا کر دودھ کا پیالہ پیش کرنے سے پہلے تمام اصحاب صفہ کو بلواتے ہیں اور سب کو پیٹ بھر دودھ پلانے کے بعد ابو ہریرہؓ کو بھی پلاتے ہیں اس کے اس پیالے میں دودھ جوں کا توں رہتا ہے۔ ایک حدیث مبارک یہ بھی بتاتی ہے کہ اصحاب صفہ میں کسی کا انتقال ہو گیا تو ان کے پاس ایک درہم برامد ہو گیا اس پر حضور ﷺ نے ایک ترک دنیا صحابی کے پاس متاع دنیا ہونے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ اور ان کے علاوہ رسول ﷺ کے بہت سے صحابہؓ ایسے تھے جو تجارت بھی کرتے تھے اور محنت و مشقت بھی۔ اس طرح ایک طبقہ صرف دینی امور کو اپنائے ہوئے تھا دنیا سے اسے کوئی رغبت نہ تھی اور دوسرا طبقہ دنیاوی ضرورتوں کو پورا کر کے دین کے امور بھی انجام دیا کرتا تھا۔ رسول ﷺ کے پاس جو اصل بات ہو گزری ہے اس کی مہدیؑ موعود کے پاس اتباع ضرور ہوئی ہے۔ امت کے لئے رسول ﷺ کا فرمان حرف آخر کا حکم رکھتا ہے: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، یاد رکھو تم اپنا مال جو اپنے اوپر خرچ کرتے ہو یہ صدقہ ہے، اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو وہ بھی صدقہ ہے، اپنی بیوی پر خرچ کرتے ہو وہ بھی صدقہ ہے، نیز تم اپنے اہل خانہ کو اچھی حالت میں چھوڑ جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں اس حال میں چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لئے مجبور ہو جائیں۔

ملت کے بہت سے لوگوں کا حال یہ ہے کہ سب سے پہلے محنت ومشقت سے جی چراتے ہیں، کوئی کام کرنے میں شرم اور بڑکپن حائل ہوتا ہے اور کوئی کام کرتے بھی ہیں تو ایک دم سے بڑے آدمی بننے کے لئے وہ تمام طریقے ڈھونڈتے ہیں جس میں حلال حرام کی تمیز نہیں ہوتی، اس طرح تھوڑا بہت جمع ہوجاتا ہے تو سیر سپاٹے عیش وعشرت میں ضائع ہوجاتا ہے، نہ بیوی بچوں کا خیال نہ اہل خانہ کا، بچوں کو دین ودنیا کی تعلیم کا جتن کرکے قوم کے ہونہار بنانے، دین کے ذمہ دار بنانے اور خدا کا خوف دلانے کو تیار نہیں ہے جس میں ہر کوئی مبتلاء ہے۔ایک شخص کو راہ راست پر لانا اس کے تمام کنبہ کی کفالت کرنے کے برابر ہے۔ دنیا اور دین کے ذمہ دار افراد کی یہ مجرمانہ روش ہے جسے خدا کیسے معاف کرئے گا۔ مسند حنبل کی جلد ۳ میں ۶۵۲۱ اشعیبؓ سے ایک ضعیف حدیث یوں بیان ہوئی ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبیﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جب تم میری امت کو دیکھو کہ وہ ظالم کو ظالم کہنے سے ڈر رہی ہے تو جان لو ان سے ضمیر کی زندگی اور دعاؤں کی قبولیت رخصت ہوگئی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہم یہ فرق سمجھ نہیں پاتے کہ ترک دنیا کیا ہے اور کسب کیا ہے، دو الگ حقیقتوں کو ایک دوسرے میں گڈ مڈ کرکے عقیدہ و اعمال میں کمیاں اور خرابیاں تلاش کرنے لگ جاتے ہیں۔ایک ہی ملت ایک ہی قوم کے افراد ہونے کے باوجود ہمارے بزرگان دین کے معاملات دین و دنیا الگ ہوا کرتے تھے، پچھلی صدی سے کچھ بعد اخراج وہجرت موقوف ہوگئی اور مہدویہ دائرے قیام پزیر ہوگئے، ایک ہی آبادی میں کئی کئی مسند نشینوں کے دائرے بس گئے۔ جس کی وجہ سے میرا مرشد تیرا مرشد، میرا مرید تیرا مرید، میرا طریقہ تیرا طریقہ، میں بڑا تو بڑا کی زور آزمائی اور کشمکش نے مقابلہ آرائی اور زور آزمائی کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوگیا، جس میں کیا فقراء کیا کا سب سب ملوث ہوگئے نہ دین کے احوال واعمال کی طرف توجہ دی گئی اور نہ تعلیم وتربیت کی طرف اور نہ تلاش معاش اور روٹی روزی کے ذرائع واسباب تلاش کئے گئے اس طرح نہ صرف دین کے معاملات میں جھول پیدا ہوا اور دنیا کی ضرورتوں کو حاصل کرنے میں بھی پریشانیاں بڑھنے لگیں اب معاملہ یہ ہے کہ مسند نشینوں میں دینی تعلیم اور عمل نہیں رہا، جو کچھ بزرگوں کے پاس تھا اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، اور جو حاصل کیا وہ صرف رسم ورواج کی ضرورت کے لئے تھا۔اور جو لوگ غیر مہدویہ مدرسوں سے فارغ ہوکر آئے وہ یا تو بس یوں ہی سا علم حاصل کرکے آئے یا پھر جو سیکھ کر آئے اسے ہی دین ایمان عقیدہ و مذہب سمجھ لیا۔اسکولوں کے نصابی کتابوں میں عیسایت ہندومت، بودھ دھرم، کمیونزم اور دیگر اسباق ہوتے ہیں

تو کیا تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ان سب پر عمل شروع کر دینا چاہئے، یہ سب باتیں انسان میں اچھی اور بری چیزوں کی پہچان کراتی ہیں تا کہ وہ فیصلہ کرے کہ کیا صحیح اور کیا غلط ہے، یا یہ کہ یہ سب ادیان اور طریقہ اپنا کر انسان چوں چوں کا مربہ ہی بن جائے اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ دماغی کمزوری اور احساس کمتری ہے کہ خود کی اچھائیوں اور طاقت کو نظر انداز کرنا ہے۔ اپنی اندر کی اچھائیوں اور طاقت کو پہچاننا اور انہیں بروئے کار لانا ہی انسانیت ہے۔ مولوی فاضل مفتی کامل اسد العلماء افضل العلما خطیب دوراں مجتہد اور مفسر۔ ان سب کے درمیان مہدویت کہاں گم ہو رہی ہے کسی کو خبر نہیں۔ اس کڑوی حقیقت سے کسی کو انکار نہ ہونا چاہئے، اور اس کا تدارک ہونا چاہئے۔

مہدیٔ موعود علیہ السلام نے اعمال ولایت کے ایسے بیش بہا گوہر مصدقوں کو دئے ہیں کہ ان کے بعد کسی سند و دستار کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہ ہونا چاہئے کہ حضرت سردار الانبیاء خاتم النبیین ﷺ نور مجسم تب بھی نبی و پیغمبر تھے جب آدمؑ کا خمیر مٹی اور کیچڑ میں تھا۔ لیکن آپ ﷺ کی دنیا میں پیدائش کے چالیس سال بعد منصب نبوت پر سرفراز کیا گیا۔ آپ کے تابع تام مہدیٔ موعود علیہ السلام کو چالیس سال بعد دعویٰ موکد پیش کرنے کا حکم ہوا۔ مگر کیا بات ہے! کہ نہ کوئی تعلیم نہ تجربہ نہ زندگی کا نہ دین کا۔ وہ خلفاء جن کی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگتیں مسند آرائے خلافت پر متمکن کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ تعلیمات اعمال ولایت مخصوصہ کے اعمال واشغال کی ذمہ داری اتنی عظیم تر ہے کہ ان کی ادائیگی کی ذمہ داری پر کبار اسلاف مہدویہ لرزہ براندام رہے ہیں۔ کیا ان تعلیمات کا ان خلفاء کو سہی معنوں میں علم ہے، یا دیا گیا ہے؟ یا وہ اس سے واقف ہیں، یا ان سے واقف کرایا گیا ہے' اگر جواب ہاں ہے تو پھر کیا وہ اس بارگراں کو اٹھانے کے متحمل ہیں یا کہ وہ ان تعلیمات مخصوصہ کو سمجھنے یا جذب کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ جبکہ زندگیاں گزر جاتی ہیں ان رموز واسرار کی ایک ایک صفت کو سمجھنے میں۔ ہمیں تو لگتا ہے کے معدودے چند کہنہ مشق افراد مند کے یہ تعلیم واعمال کا کسی کو درس یا تربیت حاصل ہوئی ہو۔ بس جو کچھ ہے رسم ورواج تک ہو گیا ہے، وہ بھی دنیا کی ضرورتوں کی حد تک۔ اس لئے ان نو آمد خلفاء کا ظاہری تعلیم کو سب کچھ سمجھ لینے کا رجحان آئے دن بڑھتا جا رہا ہے، اور معرفت الہٰی جو تعلیمات مہدیؑ کی اصل ہیں وہ ندارد ہیں۔

ایک طالب علم جب انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کر کے کسی برف پوش علاقے میں یا کسی صحرا میں یا کسی پہاڑی علاقے میں واپس جاتا ہے تو اس علاقہ کے حالات وہاں کی ضرورتوں مشکلوں اور

آسانیوں کو سامنے نقشہ بناتا ہے اور منصوبہ بندی کرتا ہے تو وہ کامیاب ہوتا ہے، اگر وہ یہ کہے کہ میں انجینئر بن کے آگیا ہوں انٹارٹکا کے برف پوش میدانوں میں اور صحراؤں اور پہاڑوں پر امپایر اسٹیٹ بلڈنگ، پیٹرو ناس ٹاور اور دبئی کا برج بنانے کے دعوے کریگا تو ضرور اس کی عقل پر لوگوں کو شک ہوگا۔ ایسے انجینئر کو مستند تو مان بھی لیں لیکن اس کے منصوبوں اور نقشوں پر کوئی نہ عمل کریگا اور نہ ہی اسکی دیوانگی میں ساتھ دیگا، البتہ وقت گذاری کے لئے اس کے ساتھ رہ کر اسے مذاق کا ہدف ضرور بنایا جائے گا۔ حالات کی نزاکت اور وقت کی ضرورت کو سمجھنا ہی علم حاصل کرنے کی وجہ ہونی چاہئے۔ علم کا حاصل کرنا دو طرح کا ہوتا ہے، پہلا اسباق پڑھنا یاد کرنا اور وقت ضرورت یا امتحان میں جوں کا توں پیش کر دینا، جسے رٹہ مارنا بھی کہتے ہیں، اس طریقے میں خطا لغزش اور نسیان کا پورا موقعہ ہوتا ہے ایسا علم تحقیقی یا تعمیری مزاج کے مطابق نہیں ہوتا۔ دوسرا طریقہ یہ کہ ہر سبق اور موضوع کی حقیقت کو سمجھنا اور جاننا اس کے اسباب اور علت پر غور وخوص کرنا ان سے نتائج اخذ کرنا اور اس واقعہ یا مضمون سے اپنی ایک مثبت رائے قائم کرنا اس طریقے میں تحقیق، حق گوئی اور صحیح حجت قائم کرنے میں مدد ملتی ہے جس سے سامع یا قاری کو واقعہ کی حقیقت اور مضمون نگار یا واعظ کی فکری استنباط کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے، اور دینی علوم میں تو اعمال وعقاید کا جب تک باضابطہ گہرائی سے تجزیہ نہیں ہوگا تو ایمان کے بگڑنے اور دوسروں کو بگاڑنے کا پورا پورا سامان بغیر کوشش کے مہیا ہوجاتا ہے۔ اس کو پانے کا سب سے آسان حل تابع تام رسول اللہ ﷺ نے ذکر اللہ کے ذریعہ سے حاصل کرنے کا راز بتایا ہے۔ کیونکہ جب بندہ کے ذریعہ خود کو خدا کے حوالے کر دیتا ہے تو معرفت الٰہی کے انوار اس کے دل پر منکشف ہونے لگتے ہیں۔

ہمیں کسی کی دل آزاری یا ہتک کرنا نہیں ہے۔ مگر اندیشہ ہے کہ آج جس طرح کے حالات ہیں اگر ان پر فوری توجہ نہ دی گئی تو حالات اور مخدوش ہوتے چلے جائیں گے۔ ظاہری و باطنی تعلیمات و اعمال مہدویہ سے لاعلمی آنے والی نسلوں کو مایوس اور بے راہ روی کا شکار بنادے گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر باطل عقیدہ کی طرف لوگ بے سمجھے بنا تحقیق کئے اپناتے چلے جائیں۔

مہدویہ دائرے ایمان کے مرکز ہوا کرتے تھے جہاں پر ذکر دوام اور طلب دیدار خدا میں اللہ تعالی کے حضور بندگان خدا نے اپنے نفسوں کو اپنے ایمان کے تابع کرلیا تھا، جہاں پر اللہ تعالی کی خشنودی اور رضائے الٰہی کے انوار برستے تھے۔ جبھی تو ابوالکلام آزاد نے تبع تابعین مہدویہ کے حالات جان کر سچائی کو من وعن پیش کر دیا شیخ علائی کا ذکر یوں کیا ہے کہ: شیخ علائی کا خاندان ایک عرصے سے بیانہ میں مقیم

تھا، ایک دن شیخ نیازی سے مڈبھیڑ ہوگئی، ان کا طور طریق دیکھا، تو اور ہی عالم نظر آیا اور پہلی ہی نظر میں گھائل ہو گئے۔ اپنے مریدوں سے کہا خدا پرستی کی اصل راہ ہے۔ آج تک جو کچھ ہم کر رتے رہے، وہ خدا پرستی کے نام پر نفس پروری اور بت پرستی تھی، میں تو اس فقیر بے نوا کا ساتھ دیتا ہوں جس کو اللہ کی طلب ہو وہ میرا ساتھ دے۔ اس کے بعد شیخ کی حالت ہی دوسری ہوگئی۔ آبا واجدا کے سجادۂ مشیخت ومسند علم کو مع ان کے تمام ساز وسامان غرور وپندار کے تاراج کر کے شیخ نیازی کے ساتھ ہو گئے سامان واسباب دنیاوی میں سے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی، لوگ گھر بار لٹاتے اور ان کے ساتھ آ کر شریک ہو جاتے۔ زن وفرزند، خویش ویگانہ، خانہ ووطن کسی چیز سے لگاؤ نہ تھا، کچھ لوگ دن کو نکل جاتے، محنت مزدوری کرتے، جو کچھ ملتا اس میں سے دسواں حصہ راہ خدا میں خرچ کرتے، باقی لے کر شام کو آتے، ایک گھرانے کے بھائیوں کی طرح مل جل کر کھالیتے، اور اپنے اپنے عشق (خدا) میں مست رہتے، استغناء وقناعت کا یہ حال تھا کہ کئی کئی دن گزر جاتے (فاقوں میں) اور کچھ میسر نہ آتا، لیکن دلوں کی بے فکری اور چہروں کی خوشحالی دیکھ کر گمان ہوتا کہ ابھی شکم سیر ہو کر اٹھیں ہیں۔ بھوک کا بہت زیادہ غلبہ ہو جاتا تو نماز شروع کر دیتے اور سلام پھیر کر اٹھتے تو شہنشاہوں کی بے نیازی چہروں سے ٹپکتی، ساتھ ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے جوش کا یہ حال تھا کہ معاصی ومنکرات کے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تھے، صبر وثبات کا حال یہ تھا کہ ملامتیں سنتے، گالیاں کھاتے، فاقے کرتے، زخمی ہوتے، مگر اپنے کام سے باز نہ آتے اور کہتے کہ گالیوں (کو سننے) میں ہمیں وہ مزہ ملتا ہے کہ جو تم کو دعاؤں میں نہیں ملتا۔

ابوالکام آزاد نے ہمارے بزرگوں کے یہ احوال بیان کئے ہیں۔ کیا ہم میں ان کا عُشرِ عشیر (دس میں کا دسواں حصہ) بھی موجود ہے۔ کیا ہمارے آج کے اعمال واحوال کا جائزہ لے کر ہمارا سر شرم سے نہیں جھکنا چاہئے ندامت سے ہماری گردنیں نہیں خم ہو جانا چاہئے۔ مگر افسوس نہیں! دین ومذہب کی سچائیوں اور حقیقتوں کو مکر وفریب اور افسانہ طرازی کا لبادہ اڑا کر نہیں پیش کیا جا سکتا، ان کڑوی حقیقتوں کو ان کی تلخی اور تلچھٹ کے ساتھ ہی قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور اب دائرہ اسلام میں ایسے ایسے بدبخت اعمال وافعال انجام دئے جا رہے ہیں جسے دیکھ کر ہمارے بزرگوں کی ارواح اپنی قبروں میں تھرا رہی ہیں کہ مباد کہیں ان کی اولاد جہنم کی گہرائیوں کا حصہ نہ بن جائیں۔ کل ملا کر ابھی بھی وقت ہے ہمیں اپنے دین ودنیا سدھارنے کا، قوم وملت کے وقار کو سنوارنے کا اس سے ہمارا سماج بھی سدھرے گا اور ہم پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت بھی ہوگی۔ ہمارے اپنے ایمانی قومی وسماجی جرموں کا ہمیں کو خود احتساب کرنا ہوگا، اس طرح

ہم خود اپنے لئے اور دوسروں کے لئے انصاف کر پائیں گے۔اگر ہم اللہ پر بھروسہ کر کے نیک نیتی سے آگے بڑھیں گے تو اللہ تعالی ہماری مدد ضرور کریگا،مخلصین کے لئے اللہ تعالی کا وعدہ ہے:وَ یَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُعُونَ اور اللہ تمہارے لئے ایک نور بنائے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے(الحدید)اوراس کے احکام سے ردگردانی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:اِتَّخذَ اِلٰهه‘هوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلیٰ عِلْمٍ اس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے جان بوجھ کر اسے گمراہ کر دیا۔

رسایل امام غزالیؒ میں حضرت معاویہؓ کا یہ قول درج ہے هَمُّوْا بِمُعَا لِی الْا مُوُ رْ لِیتنَا وَ کُوْهَا فَاِنّی لَمْ اَ کُنْ لِلخِلَا فَة اَهْلاً فَهَمَمْتُ بِهَا فَنِلتُهَا بڑے بڑے کاموں کا قصد کروتا کہ وہ تم کو حاصل ہوں کیونکہ میں خلافت کا اہل نہ تھا مگر میں نے اس کا پورا قصد کیا لہٰذا وہ مجھ کو حاصل ہوگئی۔

انہیں رسائل میں ہے کہ ذوالقرنین (سکندر آعظم) کا اصل نام صعب بن جبل ہے،ان کے باپ جولاہے تھے اور ماں کا نام میلانہ تھا،یمن کی قوم بنی حمیر میں یہ یتیمی کے دنؑ گذارتے تھے،ان کی ماں نے سنا کہ شہر قسطنطنیہ میں ایک کارخانہ ہے جس میں مختلف قسم کے کام لوگوں کو سکھاے جاتے ہیں ،ان کی ماں ان کو لے کر کارخانہ پہنچی سکندر(ذولقرنین) نے وہاں بادشاہ کی تصویر دیکھی (جس کے سر پہ تاج تھا)ان کی ماں نے ان سے پوچھا بیٹا کونسا کام کرنا پسند کرو گے،سکندر نے شاہی تاج پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں۔

کاغذ کی کشتیاں بھی بہت کام آئیں گی
جس دن ہمارے شہر میں سیلاب آئے گا

اہلیہ حضرت مولانا سید عبدالحئ راشد منوریؒ کا انتقال

محترمہ سیدہ امتہ الرحیم خوندمیری زوجہ حضرت مولانا ابوالاشفاق سید عبدالحئ راشد منوریؒ کا مختصر سی علالت کے بعد 7 / رجب المرجب م18 مئی کو انتقال ہوا۔تدفین 19 /مئی کو حظیرہ حضرت بندگی میاں شاہ قاسم مجتہد گروہؒ مشیر آباد میں ہوئی۔محترمہ کو نعتیہ شاعری سے دلچپسی تھی اور تخلص ساقی تھا۔حضرت سید نور محمد پرواز اکیلوی کی دختر تھیں۔مرحومہ نے اپنے فرزند حضرت مولانا سید محمود بدرالدجیٰ منوری الازہری کی تعلیم وتربیت میں گراں قدر رہنمائی اور قربانی دی۔ادارہ دعا گو ہے کہ مرحومہ کو اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے(آمین)

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور) (پہلی قسط)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

لَوْ لَا یَنْھٰا ھُمُ الرَّبّٰا نِیُوْ نَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھُمُ الْاِثْمَ وَ الْلِھِمْ السُّحت لَبِئْسَ مَا کَانُوْ ا یَصْنَعُوْ نَ ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے واقعی ان کی یہ عادت بری ہے۔(جز ٦) حضورﷺ نے ارشاد فرمایا : **مامن قوم عملوا بالمعاصی و فیھم من یقدر ان ینکر علیھم فلم یفعل الا یوشک ان یعمھم بعذاب عندہ** (سنن اربعہ) جوقوم معصیتوں کا ارتکاب کرتی ہے اور ان میں کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو انہیں منع کرنے پر قادر ہو اور وہ منع نہ کرے تو عجب نہیں کہ ان سب پر عذاب خداوندی نازل ہو۔ابو ثعلبہ خشنیؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالمﷺ سے آیت کریمہ ''لَا یَضُرُّ کُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَااھْتَدَیْتُمْ '، کی تفسیر پوچھی تو آپؐ نے فرمایا۔اچھی بات کا حکم کر اور بری بات سے منع کر پھر جب تو یہ دیکھے کے بخل کی اطاعت اور خواہش نفس کی اتباع کی جارہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جانے لگی ہے اور ہر ذی رائے اپنی رائے پر مغرور ہے تو اپنی فکر کر اور لوگوں کو چھوڑ دے تمہارے پیچھے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہونے لگیں ہیں جو شخص ان فتنوں کے درمیان اپنے دین کو لازم پکڑے رہے گا جس پر تم ہو تو اسے تم میں سے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا....

حضرتہ عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہﷺ نے فرمایا: ایک بستی کے لوگ عذاب دئے گئے ان میں اٹھارہ ہزار افراد ایسے تھے جن کے اعمال انبیاء کے اعمال جیسے تھے،صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ پھر انہیں عذاب کس لئے دیا گیا؟ فرمایا: اس لئے کے وہ لوگ نہ اللہ کے لئے ناراض ہوتے تھے، نہ اچھائی کا حکم دیتے تھے اور نہ برائی سے روکتے تھے۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ''اِنَّا لَا نُضِیعُ اَجْرَمَنْ اَحْسَنَ عَمَلاً (پارہ ١٥،آیت ٣٠) ہم ایسے شخص کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھے کام کرے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا۔جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلاء ہو گئے تو انکے علماء نے انہیں روکا،لیکن جب وہ باز نہ آئے،اس کے باوجود بھی ان کے علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہے،ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے،نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے دلوں کو ایک

دوسرے کے ساتھ ملا دیا اوران پر حضرت داؤدؑ وعیسیٰؑ کے زبانی لعنت فرمائی، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمانی میں حد سے آگے بڑھ چکے تھے۔ (مسند حنبل ۳۱۴۳۷، جلد ا، ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ) جس وقت نبیﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی آپؐ تکیہ سے ٹیک لگا کے بیٹھے تھے، اس کے بعد آپؐ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، جب تک تم لوگوں کو حق کی طرف نہیں موڑ دیتے اس وقت تک ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا تمہیں ان ہی کے زمرے میں شامل کر دیگا۔

جو لوگ توحید باریٔ تعالیٰ کا دم بھرتے ہیں ان کے پاس توحید کا عقیدہ صرف جنت میں داخلے کی ضرورت کے لئے ہے۔ جبکہ بزرگان سلف قوم مہدویہ کا عقیدۂ توحید بڑے وسیع معنوں میں مستعمل ہے۔ وہ یوں کے اللہ تعالیٰ کو ہر زماں ومکاں میں حاضر وناظر جاننا۔ مہدویوں کے ہاں توحید باریٔ تعالیٰ کا عقیدہ رسول اللہﷺ کی ختم نبوت ورسالت کے ساتھ آپﷺ کی ختم ولایت کے خاتم امام مہدیٔ موعود آخرالزماں کا یقین جاننا اس لئے ضروری ہے کہ تعلیم احسان کے ذریعہ رویت باریٔ تعالیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اوراس کے خلائق عالم کا خالق کل ہونا ایک امر یقینی ہوجاتا ہے، اس کے بعد کسی ردوکد کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، اور انسان خلائق عالم میں اشرف المخلوقات کے اعزاز پر فایض ہونے کے بعد زندگی موت، جنت دوزخ، عالم اجسام عالم ارواح، موجود غیر موجود اور عالم غیب کے ان اسرار و رموز کو سمجھنے لگ جاتا ہے جس کے بعد جنت اور دوزخ کا معاملہ فیصلے کے دن کے مالک کی مرضی اور ارادے پر منحصر ہے۔ اس کے بعد طلب جنت اور دوزخ سے رہائی خدائی مرضی کے تابع ہوجاتی ہے۔ اور ہمارے یہاں ولایت بہ معنی وہ نہیں ہے کہ جو عام فہم معنوں میں مستعمل ہے، جیسے صرف اللہ تعالیٰ کا دوست ہوجانا، کرامات کا اظہار ہونا، اور عوام کی پریشانی کا وسیلہ بن جانا وغیرہ۔ مہدویوں کے ہاں ولایت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی کبریائی، عظمت اور خالق کل ہونے کا اقرار، اسکے ہر حال میں موجود حاضر و ناظر ہونے میں ہے، اسی یقین و ایمان کی تعلیم اور تربیت کو احسان کہا گیا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عظمت وسعت اور لامحدود ہونے کے اعتراف میں خودسپردگی جسے تسلیم و رضاء کہا گیا ہے اس راہ پر گامزن ہوکر اس کی وسعتوں اور کبریائی کے مشاہدے کی سعی وکوشش میں آگے بڑھے اور اس طرح اس کی توحید اور عظمت کا اعتراف کرے، نہ کہ صرف جنت، حور وغلماں کے طلب میں اور دوزخ کے خوف سے اس کی خدائی کا مشاہدہ کرے۔ بلکہ اس کے لا الٰہ، سوائے اس کے کوئی معبود نہیں۔ عالم الغیب، تمام پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا، مہربان رحم کرنے والا، ہر عیب سے پاک امن دینے والا، سلامتی والا، نگہبان،

غالب حکمت والا، بڑائی والا خالق کاینات اور اس میں رنگ بھرنے والا یعنی انہیں صحیح صحیح حالت میں پیدا کرنے والا اور آسمان وزمین میں غالب رہنے والا، تصور کریں۔ جب ایسے معبود کا احساس انسان کو ہر لحمہ رہیگا تو وہ بندہ بن کر اعمال بندگی بجالاتا رہیگا۔ بندے کو بندہ بنے رہنے کا احساس دلاتے رہنے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے رہنے کا نام مہدویت ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ خوش ہو اور ملائیکہ کی شرمندگی اور پشیمانی پر جوانہوں نے تخلیق آدم کے وقت تجسس کے طور پر ظاہر کی تھی، اس پر تبسم فرماتا رہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں ایک ایسی قوم کو جانتا ہوں جو میری منزل ہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ایسا کیونکر ہوسکے گا جب کہ آپؐ خاتم النبین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ انبیاء تو نہیں ہیں لیکن اللہ سے ان کے قرب اور مقام کی وجہ سے انبیاء ان سے رشک کریں گے اور وہ سب اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ہونگے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲)

مہدیٔ موعود علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ: طالب پر کونسی چیز فرض ہے کہ اس کے ذریعہ خدا کو پہنچ سکے؟ آپؑ نے فرمایا: عشق (خدا سے) ہے اور پوچھا گیا کہ عشق کیسے حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا کہ: دل کی توجہ ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی طرف رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ (نقلیات بندگی میاں عبدالرشیدؓ ۱۲۹)

میاں ابوسعید سید محمودؒ، اعمال با اخلاص اور مہدویت میں لکھتے ہیں کہ: حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تعلیمات میں عشق الٰہی کو بنیادی بلکہ کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ امامنا علیہ السلام نے طریقت اور معرفت کی تعلیم اس نہج پر کی کہ کسی حال اور کسی مقام میں بھی شرک نہ ہونے پائے اور آداب شریعت محمدیہ کی پابندی کو لازم قرار دے کر دھوکے اور فریب کے تمام راستے بند کردئے۔

روایت ہے کہ حضرت مہدیٔ علیہ السلام عشق (خدا) کا بیان فرمارہے تھے۔ مولانا درویش محمد نے جامہ چاک کرکے نعرہ لگایا کہ ہم عشق کہاں سے لائیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ بندہ عشق کسبی بیان کررہا ہے۔ کام کروتا کہ عشق حاصل ہوسکے۔ عشق عطائی تو پیغمبروں کے لئے مخصوص ہے۔ (نقلیات میاں عبدالرشیدؓ ۱۴۲) یعنی مہدیٔ موعود علیہ السلام کا فرمانا یہ ہے کہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا عشق پہلے سے ہی عطا کی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اسی کے لطف وکرم سے ہدایت پر ہوتے ہیں۔ مگر امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق پانا ہے تو محنت اور ریاضت کرنی ہوگی۔ یوں آسانی سے یہ دولت نہیں حاصل ہوتی۔ اور حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے اس کوشش کو بڑے آسان طریقے سے سمجھایا ہے۔ اولیائے سابقین کے تعلق سے فرمایا ''بھائیوں نے نزدیک کا راستہ چھوڑ کر چکر کے راستے سے چلے اور مقصود کو حاصل کیا

کیونکہ وہ طلب میں سچے تھے اور مقصود خدا تھا'' صحابہؓ نے عرض کیا'' میرانجیؓ نزدیک کا راستہ کونسا تھا اور گردش کا راستہ کونسا؟'' آپؑ نے فرمایا: راہ خدا میں بے اختیار کیوں نہ ہوئے کہ شریعت محمدی ﷺ کے مطابق یہی راستہ نزدیک تر تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے تمام عمر کے روزے کیوں رکھے؟ مباح اور حلال چیزوں کو کیوں چھوڑا، سالہا سال کنوں میں سرنگوں کیوں لٹکے؟ اور بارہ سال کی قید لگا کر روزے کیوں رکھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نہیں فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ: وَ مَنْ يَتَوَ كَّلُ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُه' (جز ۳ ـ ۶۵) جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ تمام عمر توکل کا روزہ کیوں نہیں رکھا؟ ان کو چاہیے تھا کہ بے اختیار ہو جاتے۔ (شواہد الاولایت)

صوفیہ الوہیّت کو سنت کے آگے کھڑا کرنے سے اس لئے گھبراتے تھے کہ اس میں خطرات بہت تھے اور عام لوگوں کے لئے تو اس میں بہت خطرہ تھا۔ لیکن خلیفۃ اللہ مہدیٔ موعود علیہ السلام نے سنت کو الوہیّت سے احسان کے ذریعے اس طرح وابستہ کر دیا کہ وہ خطرہ خود بخود ٹل گیا۔ خواص وعوام دونوں اس سے مستفیض ہوئے۔ روایت ہے کہ حرم محترم امامنّا بی بی الہدادی رضی اللہ فرماتی ہیں کہ میراں جیؑ کے صدقے سے بندی کا حال یہ ہے کہ جب تک رکعت نہیں باندھتی تب تک اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہو جائے۔ (نقل) مہدیٔ موعود علیہ السلام نے علماء وصوفیاء کی کشمکش اور رنجش کا بڑا ہی آسان حل پیش فرمایا۔ کیونکہ اسلام کی پہلی صدی ہجری کے بعد وسعت اسلام کو ان عقائد اور نظریوں کا سامنا ہوا جن سے عرب معاشرہ متعارف نہیں تھا۔ یہاں سے عربی وعجمی کا وہ احساس پھر سے عود کر آ گیا جو طلوع اسلام سے پہلے ذہنوں کی تعمیر کا حصہ بن گیا تھا جو اونچ نیچ کی حد سے متجاوز کر گیا تھا، جس کا حضور سرور کائنات ﷺ نے نہ صرف قلع قمع کر دیا تھا بلکہ وہ اسلامی مساوات کا حصہ بن گیا۔ لیکن بعد میں عباسی واموی دور خلافت کی طبقاتی کشمکش نے اسے پھر سے منظر عام پر لا کھڑا کیا اور اس کے بعد یہی نظریات ایمان وعقیدہ اصلاح وتبلیغ تحریر وتقریر اعمال وعقاید میں کام کرتے چلے گئے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے۔

محاسبیؒ کہتے ہیں: خدا ایک ناقابل تقسیم وجود ہے وہ ایک ابدی چیز ہے جو کبھی مجسم نہیں بن سکتی اور نہ مظاہر کے ساتھ متحد یا مخلوط ہو سکتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ انسان کا ذہن صرف خدائے عزوجل کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ ان کے نزدیک تصوف کا راز قران کے گہرے اور عمیق علم میں تھا، محمد ﷺ نے خدائے تعالیٰ تک رسائی کا راستہ بتلا دیا تھا اور ان کی سنت نے ان ہدایات کو اور زیادہ واضح اور قطعی شکل دے دی تھی۔ اس کے مقابل حضرت جنید بغدادیؒ علم الکلام کی بندشوں میں جکڑے ہوئے ایک مجرّد دینی تصور کی

حیثیت میں نہیں بلکہ ایک شخصی و لاشخصی اُلوہیّت کی حیثیت میں اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ محاسبی تو ہمیں آسمانی ہدایت کے پر پیچ راستے پر قدم بہ قدم چلاتے ہوئے منطقی طریقے پر ذات باری کے ایک علمی طور پر صحیح صوفیانہ تصور کی طرف لے جاتے ہیں۔لیکن جنیدؒ کو ابتداء سے ہی ایک دوسرا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ وہ سری سقطیؒ بسطامیؒ اور ذالنون مصریؒ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خدا کو فی الواقع ایک روحانی سوز و کرب اور اشک آلودہ آنکھوں کے ساتھ تلاش کرتے ہیں۔اور نہیں چاہتے کہ اس جستجو میں عقل روح کی رہنمائی کرے۔کیا فکر و نظر کے اس اختلاف میں ہم یہ نہیں دیکھتے کے محاسبی عربی نسل میں ان کی تعلیم ہوئی تھی اور حضرت جنیدؒ کی تلاش وجود مطلق میں ایرانی فکر و نظر وایرانی جنسیت کا عکس موجود نہیں۔

ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر جامع از ہر مصری ہیں انہوں نے حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں یہ سطور تحریر کئے ہیں اور کتنے غیر محسوس طریقے سے ابن تیمیہ کے افکار کو پیش کیا ہے۔اور عجمیوں کے تعلق سے پوشیدہ عربی ذہن کارفرما ہے انہیں بنیادوں پر ولایت محمدیہﷺ کا انکار کیا جا تا رہا ہے۔اور دوسری طرف علماء و متکلمین عرب قرآن و شریعت و حدیث کی تعلیمات و اعمال کے بیان میں کبھی حد سے زیادہ تجاوز کر جاتے ہیں اور کبھی بہت زیادہ محتاط۔ابو حاتم رازی اپنی کتاب ''الجرح و تعدیل'' (جو محدثین کے حسن و تصیح کے باب میں ہے) امام شافعیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: وہ ایک ایسے شخص تھے جن کے استنباط کا دارومدار حدیث سے زیادہ نظریہ پر تھا، چنانچہ وہ کبھی حق بجانب ہوتے اور کسی وقت غلط۔ان کا مقام کہنہ مشق محدثین کے اندر نہیں تھا۔

متکلمین زہد و توکل، تسلیم و رضا، عزلت الخلق کو تصوف میں شمار کرتے ہیں۔حالانکہ یہ اعمال ولایت محمدیہﷺ سے مخصوص ہیں جو آپؐ کے اعمال مخصوصہ ہی تھے، یہ سنت رسولﷺ کا وہ حصہ ہے جو عام طور پر روبہ عمل نہ تھا، سوائے مخصوص صحابہ رضوان اللہ تک محدود تھا، بعد میں یہ مختلف سلسلوں اور طریقوں میں جاری و ساری ہوا۔لیکن رسوم و بدعات کی آمزش نے اسے متکلمین و ناقدین کی نظروں میں اور زیادہ مشکوک کر دیا کیونکہ ان اعمال میں کوئی طے شدہ طریقہ کار اور متعین تعلیم نہیں تھی۔دوسری طرف علماء یا متکلمین نے بھی اپنی تحریروں اور منصبوں کا جائز اور ناجائز دونوں کا استعمال کیا اور مباحث کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا جو آج تک جاری ہے۔

ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ ایک دن حضرت جنیدؒ چند متکلمین کے ایک گروہ کے پاس سے گذرے جو اپنے افکار و خیالات کا اظہار بڑے فصیح و بلیغ انداز میں کر رہے تھے۔آپؒ نے دریافت کیا یہ

کون لوگ ہیں، جواب ملا یہ وہ لوگ ہیں جو اس امر کا ثبوت پیش کرتے ہیں کے خدائے تعالیٰ کے اندر مخلوقات کی صفات میں سے کوئی صفت نہیں ہے۔اور نہ اس کے اندر عیب و نقص کا کوئی شائبہ ہے۔جنیدؒ نے کہا: ایک ایسے نقص کے ردّ و انکار میں سر کھپانا جس کا کوئی مقام ہی نہیں ہے بذات خود نقص عقل کے دلیل ہے۔(جنید بغدادی ۳۷)

علماء و صوفیہ حضورﷺ کی صرف ایک ایک جہت پر زور دیتے ہیں، جبکہ مہدویہ تعلیمات کی بنیاد رسول اللہﷺ کی دونوں جہات کی تعلیمات و عمل پر مبنی ہیں، نبوت آخر الزاں کا اقرار ہے تو ولایت آخر الزماں کا اقرار بھی۔اس طرح دین کی تکمیل ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”و ما محمد الا رسول الله قد خلت من قبله رسول اور محمدؐ رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی رسول گذر چکے ہیں(ال عمران ۱۴) یعنی محمدﷺ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں مگر ان میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ، یہ خاتم الانبیاء بھی ہیں اور انبیاء کی جو ولایت ذات باریٔ تعالیٰ سے مخصوص اور مخفی ہوا کرتی تھی اس کے مظہر بھی ہیں۔اسی لئے سوائے خاتم الانبیاﷺ کے کسی نبی وہ رسول کو معراج جیسی عظمت کی خلعت عطا نہیں ہوئی اور آپﷺ کی ولایت کے خاتم کے ذریعہ آپؐ کی ولایت مخصوصہ کو عام کر دیا گیا۔وہ اس طرح کہ اب علم و عمل کی گتھیوں میں سر کھپانا چھوڑ و اور تسلیم و رضا و خود سپردگی میں الٹے لٹک کر نمازیں پڑھنے، بارہ برس کے روزے رکھنے اور مباح و حلال چیزوں کو چھوڑنے اور مجرد زندگی گزارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔شریعت پر پابندی سے عمل کرو اور اپنے نفس کے وسوسوں کو نکال کر حجابات چاک کرو اور واصل بحق ہو جاؤ۔اور دین داری اور بندگی کا انتہائی کمال وہ ہے جو ولایت محمدیہﷺ کے مخفی اور مخصوص ہونے میں پوشیدہ تھا اور یہی اتمام نعمت بھی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ” اَلْیو مَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی وَ رَضِیْتُ لَکُمْ الْاِ سْلَامَ دِیْنًا ط آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا (المائدہ۔ ۳) اور اسی لئے کہا گیا تھا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، یعنی خاتم نبوتؐ اور خاتم ولایتؑ کی تمام جزیات و حسیات کے ساتھ۔رسول اللہﷺ فرماتے ہیں: یَقُو مُ بِا لدّینِ فِی آخرالزمان کَما قُمْتُ بِہٖ فِی اَوَّ لِالاِسْلَام یعنی (مہدیٔ موعود) دین اسلام کو آخر زمانے میں اسی طرح قائم کریں گے جیسا کہ میں نے اول اسلام قایم کیا تھا۔ یآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰ مَنُوا ادخفلُوْ افِی السِّلْم کَآ فَۃً (البقرہ ع ۲۵) اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ نبوت اور ولایت کے خاتمین کے ساتھؐ اسلام کو اپنانا پورا اسلام ہوا۔ (جاری)

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور) (دوسری قسط)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

فی زمانہ ملت میں اصلاح وتبلیغ کی کوششیں نہیں کے برابر ہوگئی ہیں۔ جو کچھ بھی کیا جارہا ہے وہ غیر منظّم بے ربط طریقے سے ہورہا ہے۔ مگر پھر بھی یہ کوششیں قابل تحسین ہیں، چاہے وہ مجلسوں، واعظ و بیان کے ذریعہ ہوں یا دائرہ مہدویہ کے شب وروز کے اعمال وکیفیات کے اظہار کے طور پر ہوں یا تحریر و تشہیر کے ذریعہ ہوں۔ لیکن ایک بہت ہی موثر اور دوررس نتائج پیدا کرنے والے طریقہ کار کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ وہ ہے مسند نشیں و خانوادوں کا اپنے حلقوں میں ذاتی تعلق اور رابطہ کے ذریعہ یہ کوشش کرنا۔ اگر ایک ایک مسند نشیں اپنے حلقے کے کسی شرابی، کسی مرتد اور نفاق میں مبتلاء شخص سے ذاتی طور پر ہر دن یا بہ سلسلہ وار تعلق پیدا کر کے اس کی اصلاح کی کوشش کریں گے تو ایک بار نہ سہی دوسری یا تیسری بار یا کبھی نہ کبھی اس شخص کی اصلاح ہوسکتی ہے اس طرح ایک ایک دائرے میں سو لوگ بھی اسلام وایمان، اخلاق حمیدہ واوصاف نیک سے جڑتے جائیں گے تو یہ ایک بہت بڑا کام ہوجائے گا۔ اس طرح مسجدیں بھی آباد ہوجائیں گی اور لوگ تعلیمات اسلام وعقائد سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کا فائدہ نہ صرف قوم وملت کو پہنچے گا بلکہ اس کے صلے میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخ رو بھی ہونگے۔ اس کام میں شرمندگی یا امامت اور خود پرستی وخود نمائی دامن گیر نہ ہونی چاہئے۔ اس کام میں مہدیؑ کے عمل سے زیادہ اور رہنمائی نہیں مل سکتی، مہدیؑ موعود علیہ السلام کے پاس لوگ چل کر نہیں آئے، بلکہ خود آپؑ لوگوں کے پاس چل کر گئے۔ گلی گلی، گاؤں گاؤں، شہر شہر ملکوں سرحدوں کو آپ علیہ السلام نے پیدل چل کر طے کیا اور رسوم وبدعات کا قلعہ قمع کرنے ایمان واسلام کو از سر نو تازہ کرنے کے ہر سعی وجدوجہد کی۔ خود حجرے میں بیٹھ کر واعظ و بیان نہیں فرمایا۔ لوگوں کو دعوت عام دی خطوط لکھے مناظرہ کیا اخراج و ہجرت کی صعوبتیں اٹھائی۔ برہنہ پا درباروں میں جانا پڑا فوجی ہرکاروں کی بدتمیزی اور بد اخلاقی کو گوارا کیا، فاقہ کیا، پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ مگر دین کو از سر نو تازہ کرنے کے لئے رسوم وبدعات کو ختم کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کیا۔ کیا ان کے نام لیواؤں کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ان کے اعمال کو پھر سے تازہ کریں۔

یہی نہیں مہدیؑ موعود کے صحابہؓ نے بھی اس عمل کو جاری رکھا۔ جب دائروں کے حدود پھیل جاتے تو اپنے خلفاء کے دائرے دوسری جگہوں پر بساتے تاکہ زیادہ سے زیادہ امت مسلمہ کو اسلام و ایمان کی تعلیمات اور عقائد سے روشناس کرائیں اور ایمان کو جلاء بخشیں۔ انہوں نے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کو سچا کر دکھایا۔ انہوں نے اس بات کا انتظار نہ کیا کہ پیاسا کنویں کو جاکر پیاس بجھائے بلکہ خود پیاسے کا ہاتھ پکڑ کر کنویں تک لے بھی گئے اور ڈول سے پانی نکال کر خود اپنے ہاتھوں سے پلایا۔ اس طرح انہوں نے رسوم و بدعات کا نہ صرف خاتمہ کرایا بلکہ کئی اللہ کے باغیوں اور گناہ گاروں کو واصل بہ حق کرایا۔ اللہ کے ایسے جانثاروں اور محبوبوں کے نام لیوا اگر خود نمائی اور خود پرستی کے شکار ہو جائیں گے تو پھر بروز قیامت اللہ کی بارگاہ میں جوابدہ بھی ہونگے۔

ہمارے بزرگان دین سلف صالحین نے دلائل و ثبوت مہدیؑ ، عقاید و ایمان، تعلیمات و تربیت مصدقان کے باب میں اپنی بے مائیگی اور کسمپرسی کے باوجود ایسے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں کہ، دوسری کتابوں پر علمی دسترس نہ ہوتے ہوئے بھی اگر صرف ان کا مطالعہ کریں تو ہمیں یقین ہے کہ نہ صرف ایمان و عقیدہ پختہ ہوگا بلکہ نفاق و ارتداد اس دور دینی طوائف الملوکی میں ان کے قریب بھی نہ پھٹکے گا، مگر! دینی تساہلی ایسا ہونے نہیں دیتی، یہ ایک المیہ ہے۔ ہم نے خود ان صاف شفاف دینی و ایمانی جھرنوں سے اور عقیدہ و مذہب کے سوتوں سے اپنے ایمان و عقیدہ کی آبیاری کی ہے۔ کوئی بھی پیدائشی قابل نہیں ہوتا، قابلیت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے کی قابلیت پر خود کو کمتر جان کر احساس کمتری میں مبتلاء ہو جانا مایوس ذہن اور کور باطنی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر قابلیت اور کمال کا کوئی نہ کوئی عنصر اور جوہر پوشیدہ رکھا ہے۔ ہمیں خود کے اندر اس جوہر کی تلاش کرنا پڑیگا۔ کیونکہ کنارے پر کھڑے تماشائی کو سمندر میں ڈبکی لگانے والے غوطہ باز کو ملنے والے موتی دکھائی نہیں پڑتے، وہ تو اس کے کمال غوطہ بازی اور تجربہ و مشاہدہ اور محنت کا صلہ ہے جو اسے ملتا ہے۔

کوئی وقت تھا معتقدین کا تعلق اہل مسند سے دینی، ایمانی و روحانی ہوا کرتا تھا، مگر اب عبوری وضرورتاً رہ گیا، کیا وجہ ہے اس کی؟ اس سوال کا جواب دونوں فریق کو خلوص نیت سے تلاشنا ہوگا، اور اس تعلق کو دوبارہ روحانی بنیادوں پر قائم کرنے کے ذرائع ڈھونڈنے ہونگے اور اس روحانی کڑی کو استوار

کرنے کا التزام کرنا ہوگا، ورنہ معتقد کا اس کڑی کے ٹوٹنے سے عاقبت میں زوال ہے تو مسند نشیں کا اس کڑی کو قائم نہ کرنے کا اس پر وبال ہے اسی میں دونوں کی راہ نجات ہے، یہ کوئی مفروضہ نہیں ایک کڑوی حقیقت اس لئے ہے کہ ایک واصل بہ حق نہ ہونے سے آخرت میں درجات ومقامات کی بلندیوں سے گرادیا جائے گا، دوسرا فرض منصبی کا ذمہ اٹھانے کے بعد اس کا حق نہ ادا کرنے کے ارتکاب میں معتوب ہوگا۔ درجات کا کم ہوجانا ایک دلخراش حقیقت ہے، مگر معتوب ہونا قہر وغضب کا موجب ہے۔ اس حقیقت کو جتنی جلدی سمجھ لیا جائے گا اتنا اچھا ہے۔ اس سلسلے میں فریقین کو ایک دوسرے کے ادب ولحاظ کو ملحوظ خاطر رکھنا ہے۔ اہل کسب یا معتقدین کا ادب یہ کہ روحانیت کی حقیقت کو سمجھے اور اس کی کڑی کے مسند نشینی کا احترام کرے اور خدا سے واصل ہونے کے ذریعہ کی طلب کرے۔ اور مسند نشینوں کا ادب یہ کہ اپنی دینی وروحانی ورثے کو حق تعالیٰ کی قربت سے مزین کر کے بندگان خدا کو واصل بحق کرنے کے راستہ بتائے۔ کیا یہ طریقہ ہمارے بزرگوں کا نہیں تھا؟ تو پھر ہم نے اس کو کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ کیا یہ ہماری ناعاقبت اندیشی ہے، یا حقیقت کی اندیکھی ہے، یا ہمارا کبر وغرور ہے، یا ہمارے نفس کا قوی ہوجانا ہے۔ ہم دنیا کی ترقی اور اسکی جاذبیت اور کشش کا رونا روکر اپنی ذمہ داری اور فرض سے پلہ نہیں جھاڑ سکتے۔ روز ازل سے دنیا ترقی ہی کرتی آئی ہے، اگر مادی ترقی ہوئی ہے تو روحانی ترقی میں بھی انسان نے کمال پیدا کیا ہے، پہلے کی امتوں میں گنتی کے افراد خدا کے برگزیدہ ہوا کرتے تھے، امت مسلمہ میں نہ صرف صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین، بلکہ تابعین تبع تابعین، علمائے امت، اولیائے کاملین نے روحانیت کو کمال پر پہنچایا اور خاتم ولایت محمدیہ ﷺ کی قوم تو وہ ہے جس میں پیدا ہونے کی انبیاء اور صحابہؓ نے خواہش کی اور تو اور خود سردار الانبیا ﷺ نے اس قوم کے اعمال واشغال اور اللہ سے ان کی محبت کے تقاضوں کے خاطر اللہ تعالیٰ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرانے کی دعا فرمائی۔ اس قوم کے افراد کے اعمال کو یاد کر کے اشک بار ہوگئے۔ کیا ہم اسی قوم موعود کے افراد ہیں؟ جن پر چل کر ہمارے اجدا رسول خدا ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب بنے تھے۔ تاریخ اسلام کا پورا باب گواہ ہے ایسی قوم صرف اور صرف مہدئ موعود اور ان کے صحابہؓ تھے۔ ہم تو صرف ان کے نام لیوا ہیں اگر ہم اپنے اعمال ہی کی اصلاح کرلیں تو شائد ان کے وسیلے سے ہماری بخشش ہوجائے چہ جا یکہ درجات کی بلندی! کیا ہم کیا

ہماری اوقات، چہ پدی چہ پدی داشوربہ۔

'امر بالمعروف و نھی عن المنکر ' یعنی اچھائی کے طرف بلانااور برائیوں سے روکنا۔مہدویت کاطُرہ ٔامتیاز ہے یہ کام ہمارے بزرگوں نے صدیوں تک کیا ہے،مگرافسوس اسے فراموش کردیا گیا ہے۔ہم تو کہتے ہیں لوگوں کو اپنے مردے خودنہلانے اور گاڑنے دیجئے۔آپ امت کے دین و ایمان کی نگرانی اور رہبری پر کمر بستہ ہوجائیں ،اوران افعال واعمال پر کار بند ہوجائیں آپ کی تقوی و وروع کا اتنا تواثر ہونا چاہئے کے کوئی دنیادار آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ دیکھ سکے۔یہ کوئی حاتم طائی کی داستان یا افسانہ نویسی نہیں ہے،ان افراد کے دلوں کی آواز ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول ﷺ ومہدیٔ موعود کے ہرحکم اورفرمان پر دل و جان سے آمنا وصدقنا کہنے اور کرنے کو تیار ہیں۔خلوص دل اور نیک نیتی سے آواز دے کرتو دیکھئے۔تاریخ عالم کا ایسا کونسا دور ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی محبت میں دیوانوں نے لبیک نہ کہا ہو۔بزرگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہماری تو عمر گذر گئی اب کیا کریں، جوان اس انتظار میں کہ ہم کیا کریں ہمارے سرپرستوں کے آگے ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ایک دوسر پر تکیہ لگا کر خواب غفلت میں پڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے (عمران ۱۴۶)

حضور ﷺ نے عنفوان شباب میں غارحرا کی تنہائی میں خالق کائنات کی جستجو کی ،جب عمر ڈھلنے لگی تو شرک وکفر سے مقابلہ کیا بڑھاپا آیا تو سردار دو عالم ﷺ ہونے کے باوجود دن میں پیغمبری کی عظیم ذمہ داری کو نبھایا اور رات میں اپنے والی اللہ تعالیٰ کی ولایت کے حقوق کی ادائیگی میں رات بھرقیام کیا۔اورمہدیٔ موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی تو پھر وطن عزیز کی طرف پلٹ کربھی نہ دیکھا۔راہ کی صعوبتیں ،اخراج،فقر و فاقہ سب کچھ سہہ لیا مگر اللہ کی رضاجوئی سے منہ نہ موڑا۔تمام روایتیں نقل واقعات حکایتیں اس بات کو بتانے سے قاصر ہیں کے کبھی بھی آپ نے اپنے وطن کا نام لیا ہو یا چھوٹ جانے کا شکوہ یا گلہ کیا ہو۔بلکہ تبلیغ واصلاح دین میں بڑھتے گئے بڑھتے گئے رکے نہیں۔کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔کیا بڑلی،کیا جیسلمیر،کیا ڈابول بندر،کیا ٹھٹھہ،کیا خراساں

کی راہ اور کیا فرح سب پیروں کے نیچے، مقصد اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اور صرف اللہ باقی کچھ نہیں۔ کونسی ہستی ہے تاریخ اسلام کی جس نے اپنی ہستی مٹادی سوائے رسالت مآب ﷺ کے۔ کسی نے منصب قضاء پر قناعت کرلی، کسی نے خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار کرلی، کسی نے مخلوق کی اصلاح میں سکونت اختیار کرلی۔ آپؑ نے پا بہ پیدل شہروں جنگلوں، بیابانوں کو پاٹ دیا صرف اس لئے کے سنت رسول ﷺ کو زندہ کیا جائے اور بندگان خدا کو اطاعت و بندگی پر راضی کیا جائے اور ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے انہیں مقامات بلند کا مژدہ سنایا جائے۔ فیض ولایت محمدیہ ﷺ کے دریا کو سارے قطعہ میں جاری و ساری کردیا۔ ہزاروں لاکھوں اللہ کے دیوانوں کا قافلہ تیار کردیا جو دنیا کے فانی رشتوں کو چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکل پڑے۔ صرف اور صرف آپؑ کے نام لیواؤں نے اس مقصد کو آگے بڑھایا تھا۔ اعمال مہدویہ کی دیکھا دیکھی ایسی اصلاح و تبلیغ کی بہت ساری تحریکیں وجود میں آئیں۔ لیکن ان کا مطمع نظر خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی نہ تھا، کسی نے اپنی علمی نفس وغرور کا طائفہ بنالیا کسی نے مشرکانہ اور کفریانہ خیالات کو جاری کرنے کے لئے مدرسے بنائے کسی نے اپنے تبلیغ کے دعوؤں کو ثابت کرنے کے لئے ہجوم اکھٹا کیا۔ چونکہ حضرت مہدیؑ موعود خلیفہ اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ تھے آپ نے اپنی ذات کو کبھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے زیادہ اہمیت کے قابل نہ سمجھا۔ اس لئے جنگلوں بیابانوں میں ذکر اللہ کی محفلیں سجائیں۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں، کوئی بھی تحریک علمی اور عملی طور پر حضور ﷺ کے بعد اسلام میں نہیں ملتی جو کلی طور پر وطن، مال و دولت گھر بار رشتے ناطے عیش و آرام کو تج کر صرف اور صرف خدا کو پانے کے لئے صعبتوں مصیبتوں فاقوں کو اپنایا ہو۔ اولیائے کاملین کے حلقے اور مجلسیں خاص مقامات اور اپنے علاقے تک محدود تھیں۔ ہزاروں میل کا لمبا سفر کرتے ہوئے دین کا غلغلہ بلند کرنے والی ایمانی تحریک دین اسلام میں صرف ایک ہے وہ ہے اللہ کے خلیفہ مہدیؑ موعود کی تحریک۔ باقی سب ان کی نقل ہے جس طرح اسلامی مساوات اور مشاورت حکومت کو آج یہود و نصاریٰ نے سوشیلزم اور ڈیموکریسی کا نام دے رکھا ہے۔ اسی طرح یوروپ جہالت اور عیاشی میں مبتلاء تھا اس وقت مسلمانوں نے علمی تحقیقات اور سائنس اور ترقی کی بنیاد ڈالی۔ مگر اہل مغرب نے مسلمانوں کے کارناموں کو اپنے نام سے منسوب کردیا۔ تہذیب و اخلاق دنیا کے انسانوں کو اسلام نے سکھائے اور آج مغالطہ دیا جارہا ہے کہ مغرب تہذیب و اخلاق کا گہوارہ ہے۔ مگر بے حیائی دنیا کی ہوس اور ان کے جنگجویانہ اعمال نے ان کی پول کھولدی ہے اسی طرح مہدویہ اعمال و

تعلیمات کو ہائی جیک کر کے آج جو لوگ مبلغ دین اور مصلح بنے ہیں ان کے کفریانہ ومشرکانہ خفیہ منصوبوں کی اب آہستہ آہستہ پول کھل رہی ہے۔ اب بھی وقت ہے ہمیں خود اور اپنی اولاد کے دین وایمان کی حفاظت اور آبیاری کا ورنہ انجام برا ہمارا ہے۔ اب جبکہ مہدویہ تعلیمات واعمال کو بگاڑ کر جب دوسرے طایفہ اس پر اپنا ملمع چڑھا کر پیش کر رہے ہیں تو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے لیکن حق کی کتنی ہی پردہ پوشی کی جائے نہ وہ چھپتا ہے نہ دبتا ہے بلکہ برابر وہ اپنا کام کرتا چلا جاتا ہے۔ پیر پیر ہی ہوتا ہے اور مرید مرید ہی۔

جنید بغدادیؒ بیان کرتے ہیں کہ شروع میں ان کا خیال تھا کہ جب تک سری سقطیؒ (جنیدؒ کے مرشد) زندہ ہیں وہ وعظ اور ارشاد کے مسند پر نہیں بیٹھیں گے۔ لیکن ایک رات انہیں خواب میں حضرت رسول خداﷺ کی زیارت ہوئی تو آنحضورﷺ نے فرمایا: اے جنید لوگوں کو کچھ بتاؤ تمہاری زبان کو ایک خلق کی نجات کا ذریعہ بنایا ہے، جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے دل میں یہ خیال گذرا کہ شائد ان کا مرتبہ ان کے ماموں کے مرتبہ سے بلند ہے جبھی رسول اللہﷺ نے انہیں واعظ اور ارشاد کی نصیحت کی ہے۔ جب دن چڑھا تو سریؒ نے قاصد کے ذریعہ ایک پیغام بھیجا کہ: تم سے جب تمہارے مریدوں نے وعظ و نصیحت کرنے کی پرزور التجا کی تو تم اس وقت نہ مانے، پھر بغداد کے شیوخ کی سفارش بھی تم نے قبول نہ کی اور نہ میری ذاتی درخواست کو خاطر میں لائے۔ لیکن اب جبکہ تمہیں رسول خداﷺ نے اس کا حکم دیا ہے تو خبردار اس سے روگردانی نہ کرنا۔ بلکہ اس کی تعمیل کرنا۔ جنید کہتے ہیں یہ سن کر میرے دل میں اپنے اور سریؒ کے مرتبہ کے متعلق جو خیال آیا تھا وہ کافور ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ سریؒ کو تمام حالات میں میرے باطنی امور کا علم رہتا ہے۔ لیکن مجھے ان کے باطنی امور سے آگاہی نہیں ہوتی۔ جنیدؒ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ان کے گھر گیا اور ان سے دریافت کیا کہ انہیں میرے اس خواب کا علم کیسے ہو گیا جس میں پیغمبر خداﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہنے لگے میں نے خواب میں خدائے تعالیٰ کو دیکھا فرماتے تھے کہ میں نے اپنے پیغمبر کو بھیجا ہے کہ جنید سے وعظ وارشاد کے بابت کہے۔

کیوں ڈراتا ہے یہ طوفان حوادث ہم کو   اپنی تقدیر میں ساحل نہ سہی منجدھار سہی

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور) (قسط اوّل)
Cell No. 09242653492

خدا کی تلاش میں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی ماں نے نمرود کے خوف سے تہہ خانہ میں جنم دیا تھا، اور وہیں تھے۔ جب باہر آئے تو ان کے باپ کو بھی پتہ چل گیا، آپؑ نے آسمان پر ستارہ دیکھا تو سمجھے معبود ہے، تھوڑی دیر میں وہ غائب ہو گیا، چاند نکل آیا تو سمجھے یہ معبود ہے، وہ بھی ڈوب گیا، صبح ہوئی سورج نکل آیا آپؑ سمجھے یہ معبود ہے جب وہ شام کو ڈوب گیا تو آپؑ کہا'' اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (جزء ۷ رکوع ۱۴) میں نے اپنا منہ سب سے یکسو ہو کر اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمان و زمین بنائے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (ابن خلدون نے بڑے تفصیل سے واقعہ لکھا ہے ہم نے طبری کا مواد درج کر دیا ہے)

اس طرح تاریخ عالم میں خالق کائنات یا خدا کو تلاش کرنے والے دستاویزی طور پر پہلے انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ دوسرا شخص جس نے ابراہیمؑ کے معبود کو تلاش کرنے کی قسم کھائی وہ تھا نمرود۔ چنانچہ اس نے چار بڑے پرندے منگوائے انہیں گوشت اور شراب سے پالا جب وہ خوب موٹے ہو گئے تو انکے بیچ ایک تابوت باندھا اور خود بھی اس تابوت میں بیٹھ گیا اور ابراہیمؑ کے خدا کو دیکھنے آسمانوں پر گیا، نمرود بیت المقدس کے پاس سے اڑا اور جبل دخانہ پر اترا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ اس طرح کامیاب نہ ہوا تو ایک بہت بڑا محل تعمیر کروایا، اس کا خیال تھا کہ اس پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کے خدا کو دیکھوں گا مگر وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے محل کے ستون اور چھت گر پڑی۔ سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ نمرود نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ وہ ایک تابوت تیار کرے، جب تابوت تیار ہوا تو اس نے اس میں تیز رفتار گھوڑے باندھ کر وزیر کو لے کر پہاڑ پر چڑھا، مگر اسے خدا نظر نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انہوں نے اپنی ساری چالیں چل کر دیکھ لیں، مگر انکی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا اگرچہ ان کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ پہاڑ ان سے ٹل جائیں (سورۂ ابراہیم آیت ۴۶) روایتوں کے مطابق تمام روئے زمین پر حکمرانی کرنے والے چار بادشاہ گزرے ہیں

دو مومن، پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور دوسرے ذوالقرنین (سکندر اعظم) دو کافر پہلا نمرود دوسرا بخت نصر۔ اور فرعون نے خدا کی تلاش کی تھی۔ تیسرا شخص فرعون تھا، اس نے کہا اے اہل دربار مجھے تو اپنے سوا تمہارا کوئی معبود معلوم نہیں ہوتا۔ اے ہامان تم میرے لئے مٹی کو آگ میں پکوا دو اور اینٹیں تیار کرو اور پھر ان سے میرے لئے محل تعمیر کرواؤ تا کہ میں موسیٰ کے خدا کو بھی تو دیکھوں، جب فرعون کا محل تیار ہو گیا تو فرعون اس پر چڑھا اور اوپر کی طرف تیر پھینکنے کا حکم دیا، اور جب وہ تیر واپس آیا تو خون آلود تھا، یہ دیکھ کر فرعون نے کہا میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو قتل کر دیا۔

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ضد کی کہ ہم اس وقت تک آپؑ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم اللہ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰؑ قوم کے ستر افراد کو لے کر طور پر گئے مگر اللہ نے ان پر بجلی کی کڑک کا عذاب نازل کیا۔

آنحضرتﷺ پیغمبر مبعوث کئے جانے سے پہلے، مکہ معظّمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہیں۔ وہاں مہینوں جا کر قیام فرماتے تھے، اور مراقبہ کرتے تھے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے وہ ختم ہو جاتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہو جاتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ غار حرا میں تحنّث یعنی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری میں ہے ''قیل کان صفة تعبّده اجیب بان ذالک کان بلتفکر والاعتبار'' آپؐ سے سوال کیا گیا کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر و عبرت پذیری۔

نبوت سے پہلے آپﷺ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے۔ جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔ ایک دن حسب معمول آپؐ غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے فرشتہ غیب نظر آیا آپؐ سے کہہ رہا ہے ''پڑھ اس خدا کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ تیرا خدا کریم ہے وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں'' آپ گھبرائے ہوئے گھر آئے تو حضرت خدیجہؓ کو سارا ماجرا کہہ سنایا حضرتہ خدیجہ نے تسلی دی آپؐ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑیگا۔ پھر وہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، انہوں نے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔

حضورﷺ کو رحمت اللعالمین کہا جاتا ہے، رحمٰن و رحیم اللہ تعالٰی کی صفات مخصوصہ ہیں، رحمٰن

اس کا ذاتی وصف ہے جو اس کی ربوبیت اور قدرت کا مظہر ہے، تو رحیمی اور شفقت بندوں کی طرف الطاف وکرم کا مظہر۔ دنیا میں انبیاء آئے کسی کو صفی اللہ (برگزیدہ) کہا گیا کسی کو نجی اللہ (ہمراز) کہا گیا کسی کو خلیل اللہ (دوست) کسی کو ذبیح اللہ (قربان ہونے والا) کسی کو روح اللہ، اور داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ اللہ (قائم مقام) کہا مگر رحمت اللعالمین محمد رسول اللہؐ کو کہا گیا، یعنی جو صفت مخصوص بندوں کی طرف لطف وکرم کی تھی اس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو موصوف کیا جب کہ دیگر انبیاء کو اللہ تعالیٰ کی جو عام صفات تھی ان سے منسوب کیا۔ اور لطف وکرم دیکھیئے سبھی انبیاء خدا کو تلاش کرتے تھے۔ مگر!! خاتم الانبیاءﷺ کو خدا تلاش کرتا تھا، اسی لئے تو! اتنا اہتمام کر کے معراج مقدس میں آپﷺ کو لانے کے لئے ملائکہ مقرب جبرئیل کو آپ کے پاس بھیجا، اور اپنے خلایق کی سیر کروائی اور عرش پر آپﷺ سے روبرو ہوا۔ جب بھی کسی نے خدا کو تلاش کیا تو کسی کو خدا کے صفات ملے، اور کسی کو خدا کے مظاہر ملے جس کسی کو مظاہر قدرت کا سامنا ہوا وہ 'میں یا انا' میں گم ہو گیا۔ لیکن فخر کائناتﷺ نے خدا کو تلاش کیا تو عرش پر باریابی عطا کی گئی اور ثُمَّ دَنٰی فَتَدَ لّیٰ فَکَانَ قَابَ قَوْ سَیْنِ اَوْ اَدْ نیٰ پھر وہ قریب ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ (سورہ نجم)

اللہ تعالیٰ نے کہا کُنْتُ کَنزًا مَخْفیًا لَاْ ا عُرِف کہ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا جسے کوئی پہچاننے والا نہ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نور پر نظر کی تو ''تو ہی تو'' کہنے والی ہستی نظر آئی، اس لئے رحمت عالمﷺ کو پیدا کر کے تمام مخلوق کو دعوت دی کے مجھے پہچانو میں تمہارا رب ہوں، کسی نے کفر کیا کسی نے شرک کیا کسی نے غرور کیا اور کوئی نفس کی اطاعت پر راغب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ کیا میری پیدا کی ہوئی مخلوقات میں گم ہو گئے ہو اور مجھے بھلا دیا، لیکن نہیں اگر تم ایسا کرو گے تو میں ایک قوم کو لاؤنگا جو میں نہیں 'تو ہی تو' کہے گی۔ یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ ا مَنْ یَّرْ تَدَّ مِنْکُم عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْ نَہ' لا اَ ذِلَّۃٍ عَلَی الْمُوءْ مِنِیْنَ اَ عِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ز یُجَاھِدُونَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلاَ یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ط ذٰلِکَ فَضْلُ اَللّٰہِ یُوءْ تِیْہِ مَّنْ یَّشَآ ءُ ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْم (سورہ المایدہ ۵۴) اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم کو لائے گا جن کو وہ دوست رکھے گا، اور وہ اللہ کو دوست رکھیں گے۔ جو مومنوں پر نرمی کرنے والے ہونگے اور کافروں پر سختی کرنے والے ہونگے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی

ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا ہے سب کچھ جاننے والا۔

ابوداؤد نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ: **قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ان من عباد الله لا نا ساماه بانبیاء ولا شهداء یغبطهم الانبیاء والشهدا ء یوم القیامة الیٰ الاخره** فرمایا رسول ﷺ نے تحقیق کہ بندگان خدا میں ایسے لوگ بھی ہیں نہ نبی ہیں نہ شہید رشک کریں گے ان پر انبیاء اور شہداء قیامت کے دن (اشعت اللمعات جلد۴ صفہ۱۳۵)

نیز معلوم باد که حضرت میراں علیه السلام که پس از من تا قیامت مہدی شوندچنانچه از مصطفیٰ ﷺ و یاران مصطفیٰؓ بعضے اولیا ء الله شدند چنانچه بایزیدبسطامیؒ و سلطان ابراہیم (ادهم)ؒ شیخ شبلیؒ مثل ایشان چند کساں بغیر صحبت یاراں مصطفیٰ ﷺ کامل شدند ' ہمچناں بعد از مہدی و بعد از یاراں ہمچناںاولیاء شوند(انصاف نامه) نیز معلوم ہو کہ حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرے بعد قیامت تک ہدایت یافتہ ہونگے، چنانچہ مصطفیٰ ﷺ اور اصحاب مصطفیٰ ﷺ کے بعد بعض اولیاء اللہ ہوئے جیسے کے بایزید بسطامیؒ سلطان ابراہیم (ادھم)ؒ شیخ شبلیؒ اوران جیسے چندلوگ رسول اللہ ﷺ کے چنداصحاب کی صحبت کے بغیر کامل ہوئے اسی طرح مہدئی اوراصحاب مہدی کے بعد اولیاء ہونگے۔

ایک عالم اپنے علم اور تحقیق کی 'انا' کا جو ہالہ اپنے اطراف واکناف میں بنالیتا ہے تو پھر اسی کے جال میں وہ خود محصور ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ حق کو قبول کرنے میں قال وقیل، ٹال مٹول دلائل ومباحث کا ایک لمبا گہرا احصارا اپنے گرداگرد قائم کرلیتا ہے۔ پھر وہ باوجود کوشش کے اس سے باہر نہیں آسکتا۔ ہم نے مئی۲۰۱۲ کے نورولایت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تعلق سے کسی مضمون میں اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، اب اسی بات کو ابوالکلام آزاد کے تعلق سے یہاں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کیوں کہ ابوالکلام آزاد کو مہدویہ کتب اور حوالوں میں ایک خاص مقام اس لئے حاصل ہے کہ انہوں نے مہدویہ تابعین و تبہ تابعین کے حالات 'تذکرہ' میں رقم کرتے ہوئے کئی سچایوں اور حقیقتوں کا اعتراف کیا ہے، اور مہدویوں کی تعلیمات واعمال اور ایمانی کیفیتوں کو بیان کرتے ہوئے

رطب السان ہیں ،لیکن؟ مہدوی یا کوی غیر ’تذکرہ‘ کا مطالعہ کرنے کے بعد ذہنی خلجان میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ آخرانہوں نے حقیقت کے اتنے قریب ہونے کے باوجود حق کو قبول کیوں نہیں کیا؟ اس طرح انہوں نے ایک مبہم اور مشکوک سوالیہ نشان ایمان وعقاید کے باب میں چھوڑ دیا ہے ۔مگر جب ’تذکرہ‘ کے علاوہ ان کی دوسری تصانیف وتحریرات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ وہی عالمانہ غرورحق بات کے قبول کرنے میں ہمیشہ مانع رہا ہے جو ان کے جیسے پیش روعلماء کی وجہ مخالفت رہا تھا۔لیکن! ابو الکلام تعلیمات ودعوت مہدی موعود کی حقانیت تھی جسکے اظہار میں وہ اپنے خیالات واحساسات وعقاید کو اخذ وجذب کر چکے تھے اس کا اظہار انہوں نے کئی موقعوں پر کردیا،جیسا کہ ہم بار بار کہتے آئے ہیں کہ آج مسلمانوں میں کئی گروہ اور طایفے ایسے ہیں جو مہدی موعود کے منکر تو ہیں لیکن تعلیمات مہدویہ کو توڑ مروڑ کر اپنے عقاید ونظریات پھیلانے میں کوشاں ہیں جنہیں ہم خلیفۃ اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ کے نقال کے نام سے یاد کرتے ہیں۔نقل وعمل کی ایسی کوششیں انفرادی واجتماعی طور پر نویں صدی ہجری کے بعد کی گئی ہیں جو بعثت مہدیؑ موعود علیہ السلام کے بعد کا دور ہے۔وہ مہدیؑ موعود علیہ السلام اور ان کی تعلیمات کی مخالفت میں دن رات مصروف اس لئے ہیں کہ،تعلیمات مہدویہ سے نقل کی گئی ان کی اپنی تحریک کے،نظریات وعقاید کا کہیں بھانڈا نہ پھوٹ جائے ،اس طرح ان کی قلعی کھل جائے گی اور ہم مہدویوں کے اندر بیٹھے منافقین ان کی چالبازی میں ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

یوں تو ہم بھی ابوالکلام آزاد کی عالمانہ کاوشوں تحقیق،تحریر اور ان کے قلم کی سحر انگیزی کے مداح ہیں۔لیکن حق کے اتنا قریب پہنچ کر انہوں نے حق کی پہل سے اجتناب کیوں کیا ہے؟ اس غلط فہمی کو قاری کے دل سے دور کرنے کی ہم نے سعی کی ہے۔

ابوالکلام آزاد نے ’’ام الکتاب‘‘ میں مذاہب عالم،ادیان وعقاید کا ایک مختصر جائزہ لیا ہے،اس کا تجزیہ ضروری ہے تا کہ ان کی ذہنی کیفیت کا کچھ اندازہ ہوجائے۔انہوں نے بدھ مت کے ’’اشٹانگ مارگ‘‘ کے آٹھ بنیادی باتوں کا خاکہ کچھ اس طرح پیش کیا ہے،علم وعمل کا تزکیہ وطہارت،علم حق رحم و شفقت،قربانی ہوا و ہوس سے آزادی خودی کو مٹانا وغیرہ۔اور لکھا ہے کہ گوتم بدھ بھی نفی ذات کا منکر نہ تھا، بلکہ نفی صفات کا منکر تھا........ بدھ مذہب کی نسبت یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ خدا کی ہستی کے تصور سے خالی ہے۔لیکن پیروان بدھ نے خود گوتم بدھ کو خدا کی جگہ دے دی ہے۔اس کی پرستش کا عالم گیر نظریہ قایم

کر دیا........گوتم بدھ کی وفات پر زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ اس کے پیرو اس کی شخصیت کو عام انسانی سطح سے بالاتر دیکھنے لگے۔اس کی تبرکات کی پرستش کا میلان بڑھنے لگا۔اس کے شاگرد خاص آنند نے اس کے آخری وصایا (وصیت) بیان کئے (اس کی پرستش نہ کی جائے) تو لوگ اس کی روایت پر مطمئن نہ ہوئے اور اس کے مخالف ہوگئے........اس طرح بدھ کی شخصیت کے اندر تین وجودوں کی نمود ہوگئی (۱) اس کی تعلیم کی شخصیت (۲) اس کے دنیاوی وجود کی شخصیت (۳) اس کے حقیقی وجود کی شخصیت جو لوک (بہشت) میں رہتی ہے۔اس طرح دنیا میں جب کسی بدھ کا ظہور (لامہ کی شخصیت میں) ہوتا ہے تو یہ اس کے حقیقی وجود کا ایک پرتو ہے۔نجات پانے کے معنی یہ ہوئے کہ آدمی حقیقی وجود کا ایک پرتو ہوتا ہے۔اور اسی حقیقی وجود کے عالم مسکن میں وہ نروان کے ذریعہ پہنچ جائے (جیسے کہ دلائی لامہ پنچم لامہ وغیرہ)

تورات اور قرآن مجید کے جو مقامات مشترک ہیں دقت نظر کے ساتھ ان کا مطالعہ کریں، تورات میں جہاں کہیں خدا کے براہ راست نمود کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن وہاں خدا کی تجلی کا ذکر کرتا ہے، تورات میں جہاں کہیں پاؤ گے کہ خدا متشکل ہوکر اترا قرآن اس موقعہ اس کی یوں تعبیر کرے گا کہ خدا کا فرشتہ متشکل ہوکر نمودار ہوا، بطور مثال کے صرف ایک مقام پر نظر ڈالی جائے تورات میں ہے کہ: خداوند نے کہا کہ اے موسیٰ دیکھ یہ جگہ میرے پاس ہے تو اس چٹان پر کھڑا رہ اور یوں ہوگا کہ جب میرے جلال کا گزر ہوگا تو میں تجھے اس چٹان کی دراڑ میں رکھ لوں گا، اور جب تک نہ گزر لوں گا تجھے اپنی ہتھیلی سے ڈھانپے رہوں گا، پھر ایسا ہوگا کہ میں ہتھیلی اٹھا لوں گا اور تو میرا پیچھا دیکھ لیگا، لیکن تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔(۲۲:۲۰ خروج) تب خداوند بجلی کے ستونوں میں ہوکر اترا اور خیمے کے دروازے پر کھڑا رہا اور اس نے کہا میرا بندہ موسیٰ اپنے خداوند کی شبیہ دیکھے گا۔(گنتی ۵:۱۲)

اس معاملے کی تعبیر قرآن نے یوں کی ہے کہ: قَالَ رَبِّ اَرْنِیْ اَنْظُرْ اِلَیکَ قَا لَ لَنْ تَرانِیْ وَ لَکِنْ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ (۷: ۱۴۳) موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا، تاکہ میں تیری طرف نگاہ کرسکوں فرمایا نہیں، تو مجھے نہیں دیکھے گا، لیکن ہاں! اس پہاڑ کی طرف دیکھ۔

خدا کی ہستی کا اعتقاد انسانی فطرت کے اندرونی تقاضوں کا جواب ہے، اسے حیوانی سطح سے بلند ہونے اور انسانیت کے اعلیٰ درجے تک پہنچنے کے لئے بلندی کے ایک نصب العین کی ضرورت ہے، اس نصب العین کی طلب بغیر کسی ایسے تصور کے پوری نہیں ہوسکتی، جو کسی نہ کسی شکل میں اس کے سامنے

آئے ،لیکن مشکل یہ ہے کہ مطلق کا تصور سامنے آنہیں سکتا ،وہ تبھی آئیگا کہ جب ایجابی صفتوں کی تشخص کا کوئی نہ کوئی نقاب چہرے پر ڈالے ، چنانچہ ہمیشہ اس نقاب ہی کے ذریعہ جمال حقیقت کو دیکھنا پڑا ، یہ کبھی بھاری ہوا کبھی ہلکا کبھی پرخوف رہا اور کبھی دلآویز مگر اترا کبھی نہیں ۔

جمال حقیقت بے نقاب ہے مگر ہماری نگاہوں میں یارائے دید نہیں ،ہم اپنی نگاہوں پر نقاب ڈالکر اسے دیکھنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے چہرے پر نقاب پڑ گیا ہے۔دیکھا آپ نے ! مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تعلیم دیدار باری پر کیسا اشارۃً کنایۃً تبصرہ ہے ،مگر صاف طور پر اقرار کرنے کا نہ حوصلہ ہے نہ ہمت ، کس طرح ان کی تبحر علمی مانع ہوگئی اگر تصدیق کر لیتے تو عالم و محقق کا لباس اتارنا پڑتا اور فقر و فاقہ کے منازل کو اپنانا پڑتا ، ان سے یہ کیسے ممکن ہوتا ؟ اگر ایسا کر لیتے تو آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کیسے بن جاتے یا ان کے ہمنوا اتنی آسانی سے ان کی گلوخلاصی کیسے ہونے دیتے ۔اقرار حق کی راہ میں متاع دنیا کی طلب کی یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ انسان چاہتے ہوئے بھی حق کا اقرار نہیں کرسکتا ، ہائے صد افسوس !!

ایسا ہوا ہے ایسا ہونا ممکن ہے ، کیا ابو طالب اپنے بھتیجےؐ کی حق پرستی کے قائل نہ تھے؟ مگر رسول اکرم ﷺ کے اسرار پر ان کا کیا جواب تھا۔سیرت النبی میں ہے کہ ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے ، ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے ، آپؐ نے فرمایا ’لا الٰہ الا اللہ‘ کہہ دیجیے کہ میں خدا کے ہاں آپ کی شہادت دوں ، ابوجہل اور امیہ نے کہا ابو طالب کیا تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے ۔ بالآخر ابو طالب نے کہا میں عبدالمطب کے دین پر مرتا ہوں ،آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے کہا۔ میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔

ہمارے آج کے مضمون نگار ،قلم کار مہدیٔ موعود کی بعثت کے اسباب ، کیفیت و علت یا یوں کہئے کہ آپ علیہ السلام کے آنے کا مقصد اور اسباب کیا تھے ان پر قلم اٹھاتے ہوئے ان کے ہاتھ کیوں کانپتے ہیں ، یہ علم اور تعلیم کی کمزوری تو ہے ہی ۔مگر میں اسے ایمانی و اعتقادی کمزوری زیادہ مانتا ہوں ۔ مہدویوں کا ایمان و اعتقاد کمزور ہونے کی اصل وجہ قرآن و حدیث رسول ﷺ ، اور تعلیمات مہدیٔ موعود علیہ السلام پر بے عملی اور بدعملی کہئے ! اگر کچھ بھی نہیں ہے آپ کے پاس وسائل رسائل یا اسباب تعلیم یا علم حاصل کرنے کے ذرائع پھر بھی اتنا بھی احساس کمتری میں مبتلاء ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ، اور نہ ہی کسی بدعمل بداعتقاد بے دین کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی ۔اس کے بجائے فرائض ولایت محمدیہ

ﷺ، یا کم از کم ذکر اللہ ہی کا سہارا لے لیں تو ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں علم وعمل کے انوار سوختہ اور پراگندہ دلوں پر نور کی بارش کی طرح برسیں گے، مگر شرط یہ ہے کہ طریقہ ذکر رسول اللہ ﷺ اور ان کے تابع تام مہدی مراد اللہ خلیفۃ اللہ کا بتایا ہوا ہونا چاہئے ''تو ھی تو ھے میں نھیں ھوں'' خودی کی نفی خدا کا اثبات صرف زبانی نہیں دل سے، خلوص سے، دل جمعی سے! بَلْ یَدیٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (۵، ۶۴) خدا کے ہاتھ تنگ نہیں ہیں۔ وَجَعَلَ للكُمْ السَّمْعَ وَ الابْصَارَوَ الْاَ فْئِدَةَ لا لَعَللكُم تَشْكُرُوْنَ (۹، ۳۳) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے سننے اور دیکھنے کے لئے حواس پیدا کردئے، اور سوچنے کے لئے دل (یعنی عقل) تاکہ تم شکرگزار ہو (یعنی خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک طور پر کام میں لاؤ)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا سَئلَکَ عِبَادِیْ عَنّی فَاِنّی قَرِیْبٌ ط اُ جِیْبُ دَعوَةَ الدَّاعِ اذا دَعَانِ جب میرا بندہ تجھ سے میری نسبت سوال کرتا ہے تو اس سے کہدے کہ میں اس سے دور کب ہوں؟ میں تو بالکل اس کے پاس ہوں۔

مسند نشینی اور پیر و مرشد کا جو تصور اس وقت ہمارے یہاں ہے وہ مہدئ موعود کی تعلیمات اور عقیدہ مہدویت کے بالکل برعکس ہے، مسند نشیں یا رہبر صرف ایک رہبر، معلم اور استاد کا درجہ رکھتا ہے، جو سالک کو راہ حق میں رہبری کرے، ہمارے یہاں فقراء و کاسبین کے جو طبقے ہیں اس میں اس بات کی گنجائش ہے کہ، کاسب کسی بھی وقت واصل بحق ہونے کے لئے اپنی راہ کا تعین کرسکتا ہے، لیکن فقراء دوبارہ واپس کاروبار دنیا میں ملوث نہیں ہوسکتے، یہ گناہ ہے۔ تربیت اور ذکر اللہ میں مشاہدہ مرشد چاہے وہ کامل ہو یا ناقص بھی اس لئے ہے کہ سالک کو ہمیشہ دوئ کا احساس بہرحال رہے، اور وہ مقامات معرفت الٰہی یا منازل احسان میں احدیت کی حدود کو پھلانگے نہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر خاص وعام صرف بندے ہیں البتہ اعمال نیک اور معرفت الٰہی کا ذریعہ دونوں کے لئے ایک ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہم ابوالکلام آزاد ہی کے ان سطور کو پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم سے پہلے علوم وفنون کی طرح مذہبی عقاید میں بھی خاص وعام کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصور تو حقیقی ہے اور وہ، خواص کے لئے ہے، ایک تصور مجازی ہے اور وہ عوام کے لئے ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں خدا شناسی کے تین درجے قرار دئے گئے۔ عوام کے لئے دیوتاؤں کی پرستش، خواص کیلئے براہ راست خدا کی پرستش، اور اخص الخواص کے لئے وحدۃ الوجود کا مشاہدہ۔ یہی حال فلسفہ

یونان کا تھا، وہ خیال کرتے تھے کے ایک غیر مرئی اور غیر مجسم خدا کا تصور صرف اہل علم و اہل حکمت ہی کر سکتے ہیں، عوام کے لئے اس میں امن ہے کہ دیوتاؤں کی پرستاری میں مشغول رہیں۔

قرآن نے تصور الٰہی کی بنیاد انسان کے عالم گیر وجدانی احساس پر رکھی ہے، یہ نہیں کیا کہ اسے فکر ونظر کی کاوشوں کا ایک ایسا معمہ بنا دیا ہو کہ جسے کسی خاص طبقہ کا ذہن ہی حاصل کر لے، انفرادی و ذاتی تجربہ و احوال کا معاملہ ہے اس لئے وہ اس کا بوجھ جماعت کے افکار پر نہیں ڈالتا۔ اسے اصحاب جہد و طلب کے لئے چھوڑ دیتا ہے

.......اسلام نے بالکل ایک دوسری شکل ونوعیت میں عوام وخواص کا لحاظ رکھا ہے اسلام نے تصور اور عقیدے کے اعتبار سے کوئی امتیاز جائز نہیں رکھا، وہ حقیقت کا ایک ہی عقیدہ ہر انسانی دل و دماغ کے آگے پیش کرتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ طلب و جہد کے لحاظ سے سب کے مراتب یکساں نہیں ہو سکتے!۔ اور یہاں ایک ہی درجے کی پیاس لے کر ہر طالب نہیں آتا۔ عامۃ الناس بحیثیت جماعت کے اپنا ایک مزاج اور اپنی خاص احتیاج رکھتے ہیں، خاص افراد بحیثیت فرد کے اپنی طلب و استعداد کا الگ الگ درجہ و مقام رکھتے ہیں، پس اسلام نے جس پہلی صورت میں اس کا انکار کر دیا تھا، اس دوسری صورت میں انکار نہیں کیا، اور مختلف مدارج طلب کئے عرفان ویقین کی مختلف راہیں کھلی چھوڑ دیں۔

صحیح مسلم و بخاری کی ایک متفق علیہ روایت میں جو حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے، نہایت جامع اور مانع لفظوں میں یہ فرق و مراتب واضح کر دیا گیا۔ یہ حدیث تین مرتبوں کا ذکر کرتی ہے، اسلام ایمان اور احسان۔ اسلام یہ کہ اسلامی عقیدے کا اصرار کرنا اور عمل کے چاروں رکن نماز روزہ، حج، زکواۃ انجام دینا۔ ایمان یہ کہ اقرار کے مرتبے سے آگے بڑھنا اور اسلام کے بنیادی عقائد کے حق الیقین کا مرتبہ حاصل کرنا۔ احسان یہ کہ **ان تعبد اللّٰہ کانت تریه وان کان لم تکن تریه فانه یریٰک** (صحیحین) تو اللہ تعالٰی کی اس طرح عبادت کر گویا اسے اپنے سامنے دیکھ رہا ہے، اگر نہیں تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پس گویا عرفان حقیقت کے لحاظ سے تین مرتبے ہوئے پہلا اسلامی دائرے کے عام اعتقاد و عمل یعنی جس نے اسلامی عقیدے کا اقرار کر لیا اور اس کے اعمال زندگی اختیار کر لی وہ اس دائرے میں آ گیا۔ لیکن! دائرے میں آ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ علم و یقیں کے جو مقامات ہیں وہ بھی ہر وارد، و داخل کو حاصل ہو گئے۔ پس اب دوسرا مرتبہ نمایاں ہوا سے ایمان سے تعبیر کیا ہے، اسلام

ظاہر کا اقرار و عمل تھا ایمان دل و دماغ کا یقین و اذعان ہے، یہ مرتبہ جس نے حاصل کرلیا وہ عوام سے نکل کر خواص کے زمرے میں داخل ہو گیا۔لیکن معاملہ اتنے پر ہی ختم نہیں ہو جاتا۔ عرفان حقیقت اور عین الیقین ایقان کا ایک اور مرتبہ بھی باقی رہ جاتا ہے، اسے احسان سے تعبیر کیا گیا،لیکن! یہ مقام محض اعتقاد و یقین پیدا کر لینے کا نہیں، جو ایک گروہ کو بحیثیت گروہ حاصل ہو جاسکتا ہے۔ یہ ذاتی تجربہ کا مقام ہے۔ جو یہاں تک پہنچا ہے وہ اپنے ذاتی تجربہ و کشف سے یہ مرتبہ حاصل کر لیتا ہے، تعلیمی و احکامی عقائد کو اس میں دخل نہیں، بحث و نظر کی اس میں گنجایش نہیں، یہ خود کرنے اور پانے کا معاملہ ہے، بتلانے اور سمجھانے کا معاملہ نہیں، جو یہاں تک پہنچ گیا وہ اگر کچھ بتلائے گا بھی تو یہی بتلائے گا کہ میری طرح بن جاؤ پھر جو دکھائی دیتا ہے دیکھ لو۔(مہدیؑ نے فرمایا جو خدا ہو سو خدا کو دیکھے)

ہمیں احسان کی ایسی تشریح کہیں کم ہی دیکھنے کو ملی۔ابوالکلام آزاد یہاں پوری طرح تعلیمات میراں سید محمد مہدیؑ موعود علیہ السلام میں گم یا غرق نظر آتے ہیں۔ یہ بات ہم اتنے یقین سے اس لئے کہہ رہے ہیں، کیونکہ جس عالم کو تابعین مہدویہ کے اعمال و مشاغل نے اتنا متاثر کیا ہو کہ وہ بے ساختہ لکھ دے کہ''اس کو (مہدویہ کے حالات کو) پڑھ کر قلب پر ایک عجیب عالم وجد و محویت طاری ہو جاتی ہے،اور بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ساری باتوں کو چھوڑ کر صرف انہیں پاکان حق کا ذکر صدیاں گزر گئیں۔عشاق کے ذکر میں آج یہ تاثیر ہے،نہیں معلوم، ان کی پاک صورتوں اور پاک صحبتوں کی گیرائیوں اور دلربائیوں کا کیا عالم تھا۔(تذکرہ)

ہم کہتے ہیں کیا یہ سطور لکھنے سے پہلے ابوالکلام آزاد نے مہدیؑ موعود علیہ السلام اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ نہ کیا ہوگا؟ جب کے ان کے قلم نے بدھ مت، ہندومت، مجوسی افکار اور یہود و نصاریٰ اور دیگر ادیان و مذاہب و اعتقادات کا اتنا وسیع مطالعہ و احاطہ کیا ہو، اُس عالم نے مہدویہ تعلیم کو درکنار کر دیا ہو؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے تعلیمات مہدی میں سرشار ان کے الفاظ کو: حقیقت کے کشف و عرفان کا وہ مقام جو عرفائے طریق کو پیش آتا ہے تو وہ کسی بھی طرح قرآن کے تصور الٰہی کے عقیدے کے خلاف نہیں ہے۔ اس کا تصور ایک جامع تصور ہے، اور ہر توحیدی تصور کی اس میں گنجائش موجود ہے۔ جو افراد خاصہ مقام احسان تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں وہ حقیقت کو اس کے پس پردہ جلوہ طرازیوں میں بھی دیکھ لیتے ہیں

اورعرفان کا وہ منتہٰی مرتبہ فکر، جو انسانی دسترس میں ہے انہیں حاصل ہو جاتا ہے **ومن یدق لم یدر۔**

اندازہ ہوگیا؟ تلاش حق یا خدا کی تلاش میں منزل پر کیسے پہنچا جاسکتا ہے، یا بھٹکنے کے اسباب کیا ہیں ۔انسانی اذہان نے جیسے ہی ارتقاء کی طرف قدم بڑھائے ،خدا کی تلاش کی نئی نئی جہتیں وضع کرلیں، جب کہ یہ راستہ آسان اس لئے تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء مرسلین اور اللہ کے خلیفوں کے توسط سے صاف طور پر بتا دیا گیا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کو کوئی مینار پر چڑھ کر دیکھنا چاہتا تھا، کوئی پنکھ لگا کر اڑ کر دیکھنا چاہتا تھا، کوئی سیارچہ بنا کر اسے دیکھنے جارہا ہے، کوئی سیاروں پر کالونیاں بنا کر بسنے بسانے چھپنے چھپانے کے بہانے تلاش کر رہا ہے، اور اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ، گاڈ پارٹکلس (ذرات نور) کو قابو میں کرنے کے لئے جینیوا اور فرانس کے درمیان میلوں لمبی سرنگ لگا کر 'ہیڈرون کولیڈر' بنایا گیا ہے۔ (جیسے ہاتھی کو پکڑنے جنگل میں کھڈا کھودا جاتا ہے) تا کہ قدرت کو قابو میں کریں۔ یہ تو ایسا ہے جیسے گلی کی نکڑ پر ٹماٹر آسانی سے مل رہے ہیں اور کوئی بضد ہے کہ میں کھیت میں بوائی کرونگا پیڑ اگا کر ٹماٹر کھاؤں گا۔

پچھلی قوموں کو انبیاء و مرسلین معجزات اور اولیاء کرامات پیش کرتے تھے، اس طرح کارخانۂ عالم اور عجائبات قدرت کی نشانیاں دکھائی جاتیں تا کہ خالق کے وجود کو ثابت کریں۔ اب خاتم الانبیاء کے بعد معجزات اور خاتم الاولیاء کے بعد کرامات کا سلسلہ بند ہوگیا۔لیکن اب خود اللہ تعالیٰ نے مظاہر قدرت کے تمام کارہائے نماں ہر دن بندوں کے سامنے پیش فرمارہا ہے۔ سابقہ امتیں، قومیں اور انسان جو چیزیں ہزراوں سالوں میں سنتے یا دیکھتے تھے آج کا انسان وہ ہر دن دیکھ رہا یا سن رہا ہے۔ عالم تو عالم ایک ان پڑھ اور جاہل بھی ایسی باتوں کا مشاہدہ کر رہا کہ صدیوں میں ہوشمندوں نے نہ دیکھے نہ سنے۔ ہر طرف صنائے قدرت کا جلوہ ہی جلوہ ہے۔ کیا اب بھی جمال حقیقت سے نقاب اٹھانے کی ضرورت ہے۔

ہم دوسروں کی بات کیوں کریں خود ہم مہدویوں کے بالا خانے میں بہترین اناج اور سبزیاں موجود ہیں ہماری کاہلی اور تساہلی کا یہ عالم ہے کہ تھوڑی محنت و مشقت کر کے گھر پر گرم و تازہ کھانہ کھانے کے بجائے، گلی کی نکڑ کی ہوٹل پر کثافت و ملاوٹ بھرا (اڈلٹریڈ) کھانہ کھا کر دینی طور پر بیمار ہو رہے ہیں اور اس چھوت (اپیڈیمک) سے دوسروں کو بھی بیمار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو لوگ ظاہر پرست ہوتے ہیں وہ ظاہری اعمال کو پسند کرتے ہیں، معرفت الٰہی کی تعلیم یا اشغال ان کی سطحی سوچ اور عقل میں سمجھ نہیں آتے اس لئے آسان اور سستے طریقے تلاش کر لیتے ہیں۔ (جاری)

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)
Cell No. 09242653492

(آخری قسط)

خدا کی تلاش میں!

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ رات کی تاریکی میں بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، ایک لڑکی اللہ تعالیٰ کی محبت میں اشعار پڑھ رہی تھی، آپ نے اس سے کہا تو اللہ سے نہیں ڈرتی ایسے اشعار گاتی ہے۔ اس نے کہا اللہ کی محبت میں یہ اشعار گاتی ہوں، اس لڑکی نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا کہ بتاؤ تم بیت اللہ کا طواف کرتے ہو یا رب بیت اللہ کا، حضرت جنیدؒ نے کہا میں تو بیت اللہ کا طواف کرتا ہوں، یہ سن کر وہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولی سبحان اللہ آپ کی بھی کیا شان ہے! مخلوق جو خود مثل پتھر کے ہے وہ پتھروں کا ہی طواف کرتی ہے۔ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں بے ہوش ہو گیا۔

امام احمد بن حنبلؒ اپنے وقت کے ولیٔ کامل حضرت بشر حافیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے، ایک دن طلباء نے پوچھا کہ حضرت! آپ اتنے بڑے عالم ہو کر ایسے شخص کے پاس جاتے ہیں جو عالم نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا 'میں عالم بہ کتاب ہوں بشر حافیؒ عالم باللہ ہیں، اور عالم باللہ کو عالم بہ کتاب اللہ پر فضیلت نصیب ہے۔

جنہیں صحیح معنوں میں خدا کی تلاش ہوتی ہے وہ دنیا سے نہ مطمین ہوتے ہیں نہ اس میں آرام تلاش کرتے ہیں، کیمیائے سعادت میں ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پتھر سر کے نیچے رکھ کر سو گئے۔ ابلیس آپؑ کے پاس آیا، اور بولا کہ آپؑ نے تو دنیا ترک کر دی تھی، اب آپؑ اس سے باز کیوں آ گئے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ میں نے کیا کیا؟ ابلیس نے کہا کہ آپؑ پتھر سر کے نیچے رکھ کر آرام جو کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عیسیٰؑ نے اس پتھر کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ مجھے اتنی دنیا داری سے بھی سروکار نہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو بلند مقام و مرتبہ علم الکلام یا علم الفقہ کی وجہ سے نہیں بلکہ آخرت اور طریقہ آخرت پر چلنے کی وجہ سے حاصل ہوا۔ حضرت صدیق اکبرؓ تمام لوگوں پر نہ تو صوم و

صلواہ کی وجہ سے یا کثرت روایات کی وجہ سے اور نہ ہی فتویٰ دینے کی وجہ سے یا علم الکلام کی وجہ سے بلکہ اس چیز سے افضل ہیں جو ان کے سینے میں راسخ تھی جس کی شہادت حضورﷺ نے دی۔ اور فرماتے ہیں کہ جب حضرت سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کا وصال ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: 'علم کے دس حصوں میں سے نو حصے اٹھ گئے' کسی نے عرض کیا یہ آپؓ کیا فرما رہے ہیں، ہمارے درمیان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ موجود ہیں؟ تو آپؓ نے فرمایا میں فتویٰ اور احکام کے علم کی بات نہیں کر رہا ہوں، بلکہ میری مراد معرفت الٰہی سے ہے۔

کیا خود کی تلاش بھی خدا کی تلاش نہیں ہے؟ جب انسان اپنی ہستی پر نظر کرتا ہے اور اس میں غور وفکر کرتا ہے تو اسے کئی سچائیوں اور کڑوی حقیقتوں سے اس کو روبرو ہونا پڑتا ہے، اس طرح وہ تلاش حق میں سرگرداں ہوسکتا ہے۔ جب بات نکلی ہی ہے، تو قوم وملت کی تلاش میں بھی خدا کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔

پچھلے کچھ عرصے سے 'نور ولایت' کے صفحات پر کچھ جانے انجانے نام اور ان کی مخلص کوشش دکھائی دے رہی ہیں، یہ ایک خوش آئند اور قابل ستائش بات ہے۔ مگر اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ مہدویہ تعلیمات وعقاید اور اس کے معاشی اخلاقی تاریخی وعقایدی حقائق پر کام کیا جانا چاہئے جو وقت کی اہم ضرورت ہے، قوم کی فکر اور سوچ کا انداز بدلنا ہوگا، تبھی عملی طور پر کسی تحریک کی ہم امید کر سکتے ہیں۔ رٹی رٹائی پٹی پٹائی تحریر ہو یا وعظ و بیان اس سے بیزارگی، اور سوچ وفکر میں تعطل پیدا ہوتا ہے۔ ہماری ملت کا نادر و نایاب مشہور جملہ کہ'' پیاسے کو کنویں کے پاس آنا چاہئے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا' ایسے جملوں کی حقیقت کو بدلنا ہوگا۔ کیوں کہ آج زمانہ چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں پانی مہیا کرنے کا ہے۔ جس سے پیاس بھی بجھے گی اور ضرورت بھی پوری ہوگی۔ اب کنویں بس انہیں لوگوں کے پاس رہ گئے جنہیں نہ پینا آتا ہے نہ پلانا۔ ہمارا یہ ماننا ہے قوم وملت میں ایسے کئی گوہر و جوہر نایاب دبے پڑے ہیں جنہیں صاف اور پالش کر کے نکھارنے اور حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا بہادر یار جنگ ہی ایک، ملت کے سقا تھے جن کے جام علم وتحریک و رہبری سے قوم مست و بے ہوش ہی ہوگئی، ان کے نام ایک کمیونٹی ہال بنوا کر ان کے تئیں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے۔ ہندوستان میں گاندھی کے بعد اندرا گاندھی راجیو گاندھی اور ان کی درآمد سونیا گاندھی اور راہول گاندھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ کوئی اور تحریک یا بہادر یار جنگ جیسا کیوں نہیں پیدا ہوا؟

ہمارے کچھ احباب ہم سے کہتے ہیں کہ ہم اپنی تحریروں میں مسئلہ کی بنیاد اور اس کے رخ پر ٹکے نہیں رہتے مختلف و انواع قسم کے مسائل کو پیش کر دیتے ہیں۔ہم ٹکے رہکر کریں کیا؟ ہمیں کونسا Thesis یا تحقیقی مقالہ قوم وملت کو پیش کر کے سند حاصل کرنی ہے، زندگی بھر رٹی رٹائی پٹی پٹائی تحریریں اور تقریریں سنتے رہے، بندگیمیاں نے یہ کہا بندگیمیاں نے وہ کہا۔ کیوں کہا کس لئے کہا ان کے کہنے کی وجہ کیا تھی اسباب کیا تھے ان کے کہنے کا آج ہماری زندگیوں پر کیا اثر ہوا اور ہمارے معاشرے اور اخلاق پر کتنا اثر ہوا، ہمارے ایمان وعقیدہ سے اس کا واسطہ کیا ہے۔کوئی بتانے کو تیار نہیں اس لے مجبورًا ہم جیسوں کو قلم اٹھا کر کیڈ بری جیمس کی ہری پیلی لال نیلی گولیاں دینی پڑ رہی ہیں۔فی زمانہ ہم مہدویوں کا حال اس شیر جیسا ہے جو جنگل میں بکریوں کے ساتھ رہتے رہتے میاؤں میاؤں کرنے لگا تھا۔ایک دن کسی ببر شیر نے اسے دیکھا اور پکڑ کر جنگل لے گیا، اور سمجھایا کہ تو گھاس چرنے کے لئے نہیں، راج کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔کوئی وقت تھا دین و ایمان کے مہدویہ ببر شیر گوڑھ بنگال سے افغان خراسان بخارا سمرقند ایران وعرب تک انسانوں کے دلوں میں ایمان کا راج کرتے تھے۔انہیں آتا دیکھ کر اہل بدعت و ہوا و ہوس ورسم ورواج اور بے دین لوگ دُم دبا کر سرپٹ بھاگ جاتے تھے، لیکن اب! گلی کے دیوانے کتے کو دیکھ کر ہم اسے دین وایمان کا کالا ہاتھی بنا لینے آمادہ ہیں مگر یاد رہے ہاتھی صرف بار برداری کے کام آسکتا ہے یا سرکس میں کرتب دکھانے کے۔رہبری یا ہوش مندی نام جیسی شے اس میں نہیں ہوتی، اور جب وہ اڑیل اور بے مہار ہو جاتا ہے تو فوجوں کو روند دیتا ہے چاہے وہ فوج دین وایمان کی ہی کیوں نہ ہو، ایسے جانور پر سوار ہونے جا رہے ہیں جو گرے تو زخمی کرے گرائے تو زخمی کرے۔

ہم نے خود کو احساس کمتری میں اتنا گرا لیا ہے کہ کہ خدا کی تلاش کی تمام راہیں مسدود کر لی ہیں۔ہمارے بزرگوں نے وسائل کی کمی کے باوجود علم اور تحریر کے ایسے جواہر پارے چھوڑے ہیں، اگر صرف ان کا مطالع کر لیں اور سمجھ لیں تو ہمیں کسی علم یا معلم کی ضرورت نہیں ہے۔بلکہ خدا کی تلاش کی تمام راہیں ہمارے لئے آسان ہوتی چلی جائیں گی۔حضرت میاں ابوسعید سید محمود نے ''المہدیٔ الموعود'' کے مولف حضرت علامہ سید حسینؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''جب امام (مہدیٔ موعود) علیہ السلام اپنی نِسبت قبر، کفن وغیرہ الفاظ استعمال کرنے لگے تو حضرت شاہ نعمتؓ سے ضبط گریہ نہ ہو سکا، رونے کی آواز نکل گئی۔امام علیہ السلام نے پوچھا کون روتا ہے؟ حضرت شاہ نعمتؓ نے عرض کیا بندہ نعمت، امام علیہ

السلام نے فرمایا کہ میاں نعمت رونے کا یہ وقت نہیں ہے، ابھی تو بندہ تم میں ہے اور جب تک تم بندہ کی روش پر چلو گے' بندہ کے مدّعا و مقصود کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندے کے سنائے ہوئے احکام اِلٰہی پر عمل کرو گے' سمجھو کہ بندہ تم میں ہے اور رونے کا وقت وہ ہے جب بندہ تم میں نہیں رہیگا۔ بندہ کی جدائی کے آثار یہ ہیں کہ خدانخواستہ خدا کی یاد اور اس کی طلب تمہارے دلوں سے نکل جائے گی، اغنیا و اہل دولت و دنیا کا میلان تمہاری طرف ہو جائے' اہل دنیا تم سے نفرت کرنا چھوڑ دیں اور طلب دیدار خدا جو بندہ کی دعوت کا اصل اُصول ہے وہ تم سے جاتا رہے تو یقین کر لو کہ بندہ تم میں نہیں ہے۔ اس وقت روؤ جتنا رونا ہے۔ مگر انشاءاللہ مہدی اور مہدویاں قیامت تک رہین گے۔ (اعمال بہ اخلاص)

اس نقل میں مہدیؑ موعود نے جو خاص بات فرمائی ہے وہ یہ کہ ''طلب دیدار خدا، جو بندہ کی دعوت کا اصل اُصول ہے''، یعنی مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت کا اصل مقصد ہی ''دعوت طلب دیدار خدا''، یعنی ''خدا کی تلاش'' یا 'تلاش حق' یا تلاش خالق کائنات' ہے۔ ظاہری بات ہے کہ جس کو تلاش کیا جاتا ہے اس سے ملاقات ضروری ہے اور جس سے ملاقات کی جاتی ہے، وہ موجود سے کی جاتی ہے غیر موجود سے نہیں، اور موجود سے حجاب میں نہیں ملاقات کی جاتی۔

اس تحریر کی ابتداء میں ہم نے ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پیش کیا انہوں نے مخلوقات کے مظاہر یا موجود ہونے ہی میں خالق کی تلاش کی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے بھی پیڑ اور اس سے نکلتی آگ یا مظاہر قدرت میں ہی خدا کی تلاش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں نے بھی مظاہر میں اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن مہدیؑ موعود علیہ السلام نے اس سے ملاقات یا 'دیدار' کے لئے جو تعلیم یا طریقہ یا شرائط اللہ تعالیٰ کے حکم سے بتائے وہ ہیں، ترک علایق، صحبت صادقاں، ذکر دوام، ترک دنیا، عزلت خلق اور ہجرت باطنی۔ اگر کوئی مومن ان شرائط کو پورا کر لیتا ہے تو اسے خالق کی ملاقات یا دیدار کا پروانہ مل سکتا ہے۔ اس طرح اس کی تلاش حق، یا خدا کی تلاش پوری ہوگی۔

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

کارواں اجالوں کے

اذاں کی آواز آرہی تھی اور مجھے تھوڑا سا ہوش آ گیا۔ میں نے تمام حواس مجتمع کر کے تیمّم کیا، اُٹھ کر بیٹھنے کی سکت نہ تھی اس لئے لیٹے ہوئے ہی نماز ادا کی ۔ نماز سے فارغ ہوکر آہستہ سے آنکھیں کھولیں، کانوں میں آوازیں بجتی سنائی دے رہی تھیں، سامنے میرے مرشد مرحوم کے خلیفہ مجھے آواز دے رہے تھے ۔ ننھے میراں، ننھے میراں ۔ یہ نام میرے مرحوم مرشد کا دیا ہوا تھا جس نے مجھے ایک شناخت اور پہچان دی تھی ۔ خلیفہ مرشد کے ساتھ دو چار فقراء بھی تھے جو مجھ سے کہنے لگے اٹھو میاں نقاہت کی وجہ سے بیہوش ہو کچھ کھالو، جلدی سے اُٹھو جلسے کا بہت کام باقی پڑا ہے، انتظام کرنے ہیں، لوگ آنے لگیں گے، دس بارہ مرشد کی تقاریر ہیں، پوری رات کی پریشانی ہے، صبح نمازیوں کے لئے پانی کی موٹر لگانا ہے، پچھلے جلسے میں رات جگا ہوا اور فجر کی نماز فوت ہوگئی۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا یہ نقاہت نہیں یہ راہ عدم کی تیاری کا مرحلہ ہے۔

آہ ! میں مالک حقیقی سے ملنے کا مشتاق ہوں۔ اسی دن کے لئے تو میں نے زندگی کی تمام آسائیشوں کو ٹھکرا کر ہجرت کر کے دائرے کی زندگی کو اپنایا تھا۔ بس اب سانس کی ایک ڈور تھی جو ٹوٹے نہیں ٹوٹتی تھی ۔ ابھی بھی یہ نامراد دنیا اپنے دامن سے مجھے باندھے رکھنا چاہتی ہے ۔ مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ غلام بندوں کا کام آقا کے حکم کی بجا آوری اور تکمیل تک باقی رہتا ہے، یہ آقا پر منحصر ہے کہ وہ کتنی مزدوری دیتا ہے اور کب رخصت کرتا ہے، عمل دنیا میں کسی نے کتنی ذمہ داری نبھائی اور کس نے نہیں، یہ فیصلہ باقی رہ جاتا ہے، اس میں مزدوری طے ہے نہ مدت، بساط عمل بچھی ہوئی ہے، کس نے کیا کمایا وہ زادہ راہ آخرت میں کھلے گا، جس کا توشہ آخرت خالی ہوگا اس کا پیٹ جہنم کی آگ سے بھرا جائے گا اور جس نے اپنے آخرت کے اثاثے کی جمع پونجی میں عبادت، ذکراللہ، تقویٰ، توکل، تسلیم رضاء کی مشقتیں جمع کر لی ہوں اس کے لئے فرحت بخش سکون اور حیات جاوداں کا جام بدست قدرت عطا ہوگا۔

میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر آنے لگے جب میں نے بچپن سے لڑکپن میں قدم رکھا تھا۔ اندھیرا ایسا چھایا ہوا تھا کہ یوں لگتا تھا جیسے آسمان پر اندھیرے کی نہ ختم ہونے والی چادر تان دی گئی ہو

اور تہہ در تہہ لہریں بن کر اندھیرا آسمان سے اُتر رہا ہو، مانو تاریکیاں آسمان سے بیک وقت بہہ رہی ہوں اور اس پر تیز و تند ہوا کی سایں سایں، نیم پختہ مکانوں کی چھتیں لرزاں و ترساں تھیں کہ کہیں ہوا کے تیز جھونکے انہیں اُڑا کر نہ لے جائیں، گھر کے آنگن میں بندھے جانوروں کے ریوڑوں کی بے چین گھبرائی، ڈری، سہمی آوازیں ان کی بے چینی اور خوف کا اظہار کر رہی تھیں، طاقوں پر رکھے دیے اور شمعیں پھڑ پھڑا رہی تھیں کہ اب بجھے گی کہ تب۔ کچھ دیر کے لئے جب آوازیں تھمتیں تو ایک خوفناک سناٹا چھا جاتا۔ اس درمیان دور جنگل کی طرف سے لوگوں کی بھنبھناہٹ اور بچوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ ایک عجیب احساس تھا، ایسا کیونکر ممکن ہے، شائد کانوں کو دھوکہ ہوا تھا، اسی تگ و دو میں نیند آ گئی۔

صبح منہ اندھیرے اٹھ کر دیکھا رات میں ہلکی بارش بھی ہوئی تھی۔ میں نے آنگن میں بکھرے ہوئے سامان اور ہوا کے ذریعہ آئے پتوں اور کچرے کے ڈھیر کو صاف اور اکٹھا کر کے ایک کونے میں کر دیا، شائد رات کو بھیانک طوفان آتے آتے تھم گیا تھا۔ نوید صبح کی آمد آمد تھی دور مشرق سے خورشید کی کرنوں سے روشنی پھوٹنے لگی، اتنی طوفانی اور بھیانک رات کے باوجود موسم خوشگوار تھا۔ فضاؤں میں روح کو گرما دینے والی فرحت بخش خوشبو پھیلی ہوئی تھی، یوں لگتا تھا رات گئے فرشتوں کے غول اُتر آئے تھے اور ان کے دامنوں کی مہک سے سارا قصبہ معطر محسوس ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سا پر سکوں احساس ہونے لگا۔ میں نے روز مرہ کے گھریلو کاموں سے فراغت کے بعد دیکھا گھر کے دوسرے افراد جاگ چکے تھے اور اپنی مصروفیتوں میں لگے تھے۔

میں نے اپنا بستہ اٹھایا اور مدرسے کو چل دیا جو ہمارے قصبے سے کافی دور آبادی میں تھا۔ راستے میں میں سرکنڈوں اور جھاڑیوں کا میدان تھا جو جنگل سے لگا ہوا تھا۔ خلاف معمول میں نے دیکھا، لوگوں کی ایک بڑی تعداد وہاں پر ڈیرہ ڈالے ہے، پہلے مجھے اچنبا ہوا پھر مجھے رات والی لوگوں کی بھنبھناہٹ اور بچوں کے رونے کی آوازیں یاد آئیں۔ میرا ذوق تجسس بڑھ گیا، یہ اتنے لوگ اس جنگل کے کنارے کیوں جمع ہیں۔ قریب سے دیکھنے پر پتہ چلا وہ کوئی قافلہ سا تھا، لگتا تو نہیں تھا کہ کوئی تاجر یا زائرین تھے، بس مفلوک الحال، بے بس خانماں برباد لوگ سے تھے جن کے بدن پر ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں تھے۔ عورتیں گدڑی نما چادروں میں لپٹی تھیں۔ زادِ راہ کے طور پر ایسا کچھ نہیں تھا جو ان سے لوٹ لیا جاتا، سواری کے نام پر اکا دکا جانور تھے لیکن ایک بات غور طلب ضرور تھی نہ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے اور نہ

پریشانی کا سایہ، نہ خوف و بے بسی عیاں تھی بلکہ ان کے چہروں پر بشاشت اور ایسی شان استغناء تھی کے شہنشاہوں کو اپنی امارت کے باوجود احساس کمتری اور بے بضاعتی کا احساس دلادے۔

اپنی چھوٹی اور نادان عمر کے باوجود میں اس وقت ان احساسات کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا، ایک گونہ تمانیت اور کشش تھی جو مجھے ان کی طرف کھینچتی محسوس ہوئی۔ان کے کچھ لوگوں نے میری طرف ایک اچٹی سی نگاہ ڈالی اور اپنے کام میں مشغول ہوگئے جیسا کہ کہہ چکا ہوں اس وقت میں کمسنی اور بچپن کی دہلیز سے قدم باہر نکال کرلڑکپن کو دستک دے چکا تھا لیکن اتنے زیادہ لوگوں کے اچانک یوں وارد قصبہ ہونے سے میں تھوڑا بے چین اور پریشان سا ہوگیا۔کیونکہ ہمارے لئے یہ ایک غیر معمولی اور انہونی بات تھی اور میں شش و پنج میں پڑ گیا کہ واپس گاؤں جا کرلوگوں کو مطلع کروں یا مدرسہ چلا جاؤں۔کہیں یہ راستہ بھولے ہوئے تو نہیں یا کہیں کسی فوج کے خوف سے تو یہاں جنگل کے کنارے پناہ لینے نہیں آ:ے یا کوئی اور ہی مخلوق ہے مگر ان کے چہروں پر پاکیزگی کی ایک گونہ پرسکون وقار وشفقت ایسا تھا کہ میں ایک طرح سے مطمئن ہوکر مدرسہ چلا گیا لیکن میں ذرا مضطرب تھا اس لئے سوچ رہا تھا کہ عالی جاہ سلطان کے کارندوں کو اس کی اطلاع دے دوں مگر میں خاموش رہا۔ہم جس قصبے میں رہتے تھے وہ چند نفوس پر مشتمل تھا۔ ہمارے بزرگوں نے عالی جاہ سلطان کے بزرگوں کی خدمت کی تھی، اس کے صلہ میں یہ قطعہ اراضی کو معاوضہ کے طور پر دیا گیا تھا۔چند پشتوں سے ہم یہاں کھیتی کرتے آئے تھے۔ابھی بھی ہمارے خاندان کے بہت لوگ فوج میں ملازم تھے۔یہاں پر عالی جاہ سلطان کی پشتینی حکومت تھی مگر کچھ عرصہ سے ولایت سے آئے فرنگیوں نے سلطان کو اپنا اطاعت گزار کرلیا تھا۔ایک طرح سے وہ فرنگی اب یہاں کے حاکم تھے، اسی لئے وقتاً فوقتاً بغاوتیں اور شورشیں ہوا کرتی تھیں۔باغیوں کے گروہ بھی اِدھر اُدھر گھومتے رہتے تھے جن سے فرنگیوں کی مڈبھیڑ ہوجاتی۔

واپسی میں میں نے لوگوں کی آنکھوں میں تجسس اور بے چینی دیکھی اور گھر پر بھی خاموش ہلچل تھی۔ میں نے والد سے ان نوآمد لوگوں کے بارے میں بتایا، انہوں نے کہا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کوئی اللہ والوں کا گروہ ہے، ہم نے تحقیق کی ہے۔کچھ دن تو یوں ہی گزرے، وہاں سے اذان کی آواز سنائی دیتی، قصبے کے لوگ اپنے کام میں مصروف رہتے پھر وہاں سے کچھ لوگ آنے لگے، نہ کوئی ضرورت بتاتے نہ کچھ طلب کرتے، ہاں نمازوں اور دوسرے فرائض تکمیل کی تاکید کرتے اور دنیا کے بے ثباتی اور

آخرت کی تیاری کرنے کو کہتے ۔وہاں جنگل میں انہوں نے کنارے پر ایک چھوٹی سی آبادی قائم کر رکھی تھی ۔جس کے اطراف سرکنڈوں جھاڑیوں اور کانٹوں سے باڑھ باندھ لی تھی ۔اس کے اندر گھاس پھوس کے جھونپڑے تھے ۔اس آبادی کو وہ دائرہ کہتے اور درمیاں میں ایک وسیع سائبان والا جھونپڑا تھا جسے جماعت خانہ کہا جاتا ۔اسی میں نماز، روزہ، عبادت، ذکر، بیان قرآن وغیرہ ادا ہوتے ۔ایک دن میں نے گھر والوں کو باتیں کرتے سنا چچا ابّا کہہ رہے تھے ''مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہ گئی اس لئے بوری اناج کی دینے گیا تھا، مگر انہوں نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا ۔ان کے مرشد صاحب کہنے لگے **الحمد اعلی کل حال** ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور جس حال میں وہ ہم کو دیکھنا چاہتا ہے ہم اسی میں خوش ہیں ۔ ایسی عشرت اور فاقہ کشی کے باوجود ایسی شان استغنا ضرور کوئی بات ہے جو دل کو چھوتی ہے کیونکہ ان کی عبادتوں میں سستی و کاہلی ہے اور نہ ذکر میں کوئی خلل اور ذکر میں ایسے مشغول اور محو رہتے ہیں جیسے اسی لئے پیدا ہوئے ہوں ۔نہ بھوک کا احساس نہ تنگی کا گلہ نہ پریشانیوں کا شکوہ بلکہ ہر شخص ہشاش بشاش نظر آتا ہے ۔تھوڑی دیر ان کے درمیاں رہنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ کاش ایسا سکوں ہمیں بھی نصیب ہوتا، میرے ابّا سے چچا کہنے لگے بھائی جان میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں بھی ان کی صحبت اختیار کروں ۔

کچھ دنوں بعد ہمارے قصبے میں خلاف معمولی یکا یک لوگ صبح سویرے جاگ پڑے اور ان کے ساتھ رہنے لگے اور آہستہ آہستہ آس پاس کی آبادیاں ان سے جڑنے لگ گئیں ۔پھر رفتہ رفتہ لوگ دن رات وہیں کے ہو گئے ۔ میں بھی والد صاحب کے ساتھ ایک رات چلا گیا ۔لوگ جماعت خانہ میں کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے ۔ جہاں روشنی کے نام پر دو دیے جل رہے تھے ۔ان کی ملگجی روشنی میں حاضرین کے چہرے جیسے دمک رہے تھے ۔نماز عشاء کے بعد لوگ سکون سے بیٹھ گئے، نہ کوئی آہٹ نہ کوئی ہرکت صرف سانسوں کی آواز آ رہی تھی اور کبھی آہستہ کبھی خاموشی سے اللہ کا ذکر ہوتا رہا ۔کچھ وقت کے لئے لگا کے یہاں موجود لوگوں کے جسموں میں جان ہی نہیں ہے صرف ان کے ہونٹوں کی حرکت ان کی زندہ ہونے کا احساس دلاتی تھی ۔کافی رات گئے خاموشی کا سینہ چیرتی ایک مدھم سی آواز گونجی **لا الہ الا اللہ** پھر جیسے مجمع میں زندگی لوٹ آئی ۔سبھی حاضرین نے ملکر زور سے دوہرایا **محمد رسول اللہ**۔انمیں کے کچھ لوگ اٹھ کر چلدئے کچھ وہیں رہے اور کچھ اور آ کر شامل ہو گئے ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اور ذکر کرنے والوں کے کے گروہ بدلتے رہے اور تسبیحات اعلان بھی بدلتی رہیں ۔ جیسے دوسرے دور میں **اللہ الھنا**

محمد نبینا اور تیسرے دور میں **القرآن والمھدی امامنا آمنا و صدقنا** ۔اسی دوران نماز تہجد ادا کی گئی پھر بعد فجر یہ سلسلہ جاری رہا۔ کچھ دیر بیان قرآن ہوا، پھر نماز اشراق ادا ہوئی، نماز چاشت ادا ہوئی۔غرض یہ ان لوگوں کے صبح وشام کے معمولات تھے۔ یہاں پر احکام قرآن کی پوری پابندی ہوتی، سنت رسول اللہ ﷺ میں تھوڑی سی لغزش گوارہ نہ تھی۔تقویٰ وتوکل جیسے ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ایسے انسانی نامساعد حالات اور مشکلوں میں بھی عورتوں کے ماتھے پر شکن یا لبوں پر شکوہ نہ تھا۔اس حقیقت کو انہوں نے بھی بہ خوشی قبول کرلیا تھا۔ایسا تبھی ممکن ہے جب انسان کے اعتقاد میں پختگی، ارادوں میں مضبوطی اور روحوں میں ایمان کا نور شامل ہوجائے۔

اور ایک دن اچانک عالی جاہ سلطان کی فوج کی ایک ٹکڑی آئی اور ان اللہ کے راہ کے مسافروں کو اس جائے قیام سے اخراج کا حکم سنایا۔ان لوگوں کے پاس تھا ہی کیا جو سفر کی تیاری کرتے بس آناً فاناً اللہ کی راہ کے مسافروں کا یہ کارواں کہیں اور نور کے اُجالے بکھیرنے کو چل پڑا۔

بعد میں پتہ چلا کہ آبادی کی واعظ ومباحث کی مجلسوں اور مدرسوں سے لوگ غائب ہوگئے تھے اور دائرہ کی زندگی میں اللہ کی پناہ پکڑ لی ہے۔اب انسانوں کو کیسے گوارہ تھا کہ کوئی ان کی مشیخیت اور علمی قابلیت کی ان دیکھی کرے اور ان کی گروہ بندی کے باہر قدم نکالے اور خود بخود اللہ سے واسطہ جوڑ لے اس کے لئے تو ان کی اجازت اور فتویٰ ضروری ہے۔اللہ کے دربار میں حاضری کا پروانہ تو انہیں سے مل سکتا تھا مغرور متکبر عالموں جاہلا ور بےعمل پیرزادوں اور نام نہاد مشائخوں کا یہ طریقہ رہا ہے وہ حق کے قبول کرنے والوں کی مخالفت میں سب سے آگے رہتے ہیں۔اپنے ناقص علم اور بےعمل اعتقاد کے شکنجے میں جکڑے رکھنا چاہتے ہیں۔یہی معاملہ یہاں تھا، شہری اور درباری علماء کی ٹولی نے عالی جاہ سلطان سے شکایت کی اور مفتیوں نے فوراً اخراج کا فتویٰ صادر کردیا۔ان کی دنیا داری کی تجارت پھیکی پڑ چکی تھی۔ ان کی عقل کے ساکھ خطرے میں تھی، لوگ سیدھی سادھی طرح اللہ کی بندگی کرنا چاہتے تھے۔ یہ ان لوگوں کے اخراج کا حکم تھا جو دینداری کی نمائش کے طوفان میں ایمان کی کشتی چلانا جانتے تھے اور اس کشتی کے ملاحوں کی ایک فوج اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔زمانے کی گردشیں اور نفس پرستی کا کوئی بھی طوفان اس کشتی کے رخ کو نہ موڑ سکا ہے نہ روک سکے گا، چاہے اس کے اپنے ملاح اور کشتی بان نفس پرستی دنیا طلبی، بےعملی، اعتقاد کے کسی بھی بددیانتی کا شکار کیوں نہ ہوں اللہ کا وعدہ ہے ''اے ایمان والو تم اپنے

دین سے مرتد (پلٹنا) ہونا چاہو تو ہو جاؤ اللہ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جس سے اللہ کو محبت ہو گی اور وہ اللہ سے محبت کریں گے'' ان کے چلے جانے کے بعد میں نے والد صاحب سے ان کے اچانک چلے جانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا اللہ والوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ میں نے ان لوگوں کے بارے میں جاننا چاہا، والد صاحب بتانے لگے، دیکھو جواب تک ہمارے درمیان رہ رہے تھے وہ مہدوی تھے جنہیں دائرے والے کہا جاتا ہے۔ وہ اللہ کی وحدانیت کے ساتھ رسول ﷺ کی ختم نبوت کا اعتقاد رکھتے ہوئے یہ مانتے ہیں کہ مخبر صادق ﷺ نے اصلاح امت کے لئے جس ہستی مہدیٔ موعود کا وعدہ فرمایا تھا وہ ذات سید محمد جونپوری ہیں چونکہ وہ خلیفتہ اللہ، معمور من اللہ اور تابع تام رسول اللہ ﷺ ہیں ان کا طریقہ اور تعلیم وہی ہے جو رسول ﷺ کا تھی۔ جیسا کہ ہر زمانہ میں عالموں کو اپنے علم کا غرور ہوتا ہے وہ اللہ کے رسول نبی پیغمبر اور خلیفتہ اللہ کی بات کو اپنے علم کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ اب ہوا ہے اس لئے تم اسے اچھی طرح جان لو ہم نے اب اسی طریقہ کو اپنا لیا ہے۔

میں بجائے عمر میں چھوٹا ہونے کے حیراں و ششدر رہ گیا، میں جانتا تھا کہ میرے والد ماضی میں فوجی تھے، اب زراعت پیشہ، ان کو بھیڑ بکریوں اور کھیت کھلیان سے مطلب، اچانک دینی شعور ان کے اندر کیسے آ گیا۔ ضرور یہ اس گروہ پاک اور ان کی صحبت کا اثر تھا، جو مٹی کو مشک میں بدل گیا۔ میں نے والد صاحب سے اجازت طلب کی کہ میں بھی ان طالب خدا اور صادقوں کی صحبت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی۔ میں اور زیادہ حیراں ہوا اس لئے جو باپ شفقت پدری کی وجہ سے مجھے اندھیرا ہونے پر آبادی سے آگے جانے کی اجازت نہ دیتے تھے مجھے خوشی سے اجازت مرحمت فرما رہیں کہ میں اس گروہ کے ساتھ چلا جاؤں، ضرور کوئی بات تھی، میرا یقین مزید پختہ ہو گیا، میں ان لوگوں کی تلاش میں گھر سے نکل پڑا، آخر تلاش بسیار مدتوں تلاش کے بعد ایک ویرانے میں ان کی صحبت فیض کی محفل میں باریابی حاصل ہوئی۔

آج میں صغر سنی لڑکپن اور جوانی کے حدوں سے دور بڑھاپے اور ضعیفی کے آخری پڑاؤ پر ہوں۔ آج جو دولت مجھے حاصل ہے وہ شاہان وقت کے خزانوں میں بھی نہیں ملے گی۔ گو کہ میرے پاس تہہ بند کے نام پر پھٹا ہوا کپڑا ہے، سر پر پتوں سے گوندی ٹوپی اور ایک پرانی گدڑی اور کئی دنوں سے فاقوں سے ناتواں رہنے کے باوجود قدرت والے طاقت والے ہمیشہ قائم رہنے والے اور ہمیشہ زندہ رہنے والے اور بے انتہا نور کے نظاروں میں مجھے محو و حیراں کر دینے والے اللہ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔ مجھے

یقین ہے وہ مجھے اپنی دامن رحمت میں ضرور پناہ دے گا۔

لیکن وقت معروضے نہیں قبول کرتا، ایمان اور عقیدے کو زمانے کے مطابق نہیں بلکہ زمانہ اور حالات کی کیفیتوں کو ایمان اور عقیدے کے مطابق ضرور ڈھالا جاسکتا ہے۔ اسی میں انسان کا کمال ہے۔ جیسے ندی اپنا رخ خود طے کرتی ہے، اسی لئے وہ زندگی اور حیات کی ضرورت کا حصہ سمجھی جاتی ہے، جس کے کناروں پر کئی زندگیاں پروان چڑھتی ہیں، جس کے کناروں پر سبزہ زار اور کھیتیاں لہلہاتی ہیں جبکہ بارش اور سیلاب کا پانی اپنے بہاؤ اور نکاس کا راستہ تلاشنے کے لئے اپنے سامنے آنی والی ہر شئے کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتا ہے اور تباہی و بربادی کے مناظر چھوڑ جاتا ہے۔

انسان پیدا کیا گیا اللہ رب العزت کی ہمیشہ حمد وثناء کے لئے تا کہ اللہ جل وشانہ کی تمام مخلوقات میں اس کی ربوبیت اور کبریائی کا اظہار ہوا کرے۔ اسی لئے زندگی عطا کی گئی اور اس زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اسے غذا مہیا کی۔ اب انسان صرف غذا ہی کھاتا رہے اور جانوروں کی طرح لید کرتا رہے گا اور شہوت میں اپنی زندگی گزاردے گا تو اس میں اور جانوروں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

افسوس! اب دائروں کی زندگی بدل دی گئی ہے۔ اب نہ وہ عبادتیں، وہ ذکر کی مجلسیں، نہ وہ ریاضتیں، نہ وہ تقویٰ، نہ توکل، اب پھٹے پرانے کرتے کی جگہ بے داغ شیروانی نے لے لی ہے۔ اور سر پرسلیقہ سے تہہ کی ہوئی گنبد نما پگڑی جو امارت وحکومت کی نشانی ہے، چاہے وہ دینی حکومت ہی کیوں نہ ہو، سہارے کے لئے منقش چھڑی، چال میں شان اور استقلال تو ہے مگر ایمان کی ڈگر پر قدموں کی لڑکھڑاہٹ صاف دکھائی دیتی ہے۔ متاع وشہرت دنیا مقصد زندگی بن گئے ہیں، تربیت اور محاسبہ فقراء کے بجائے وعظ وتقریر اور مقابلہ آرائی اعمال دین تسلیم کرلئے گئے ہیں جو روح مہدویت کے منافی ہے۔ ذکر کثیر کے بجائے گروہ بندی، عزلت الخلق کے بجائے محفل آرائی، طلب رزق حلال اب قصہ پارینہ ہے بلکہ ذخیرہ اندوزی اولاد کے مستقبل کے استحکام کے لئے زر وزیور اور زمین کا جتن وقت کی اہم ضرورت مانی جارہی ہے۔ طلب دیدار خدا جو عقائد مہدویہ کی بنیاد اور معراج ہے ویکسر معدوم ہے اور اس کا ذکر ندارد ہے۔ اب حقیر وفقیر کہنا معیوب ہے، عالم علامہ اور مفتی کہلوانا علامت دین و بزرگی و برتری ہے چاہے اس کے اہل ہوں کے نہ ہوں

بے شک یہ دنیا اپنی تمام آرائیشوں اور شعلہ سامانیوں اور فتنوں کے ساتھ اللہ والوں کو رجھا ہی لیتی ہے اور اپنے طرف راغب کر کے ہی چھوڑتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے دنیا مردار اس کے چاہے والے

کتے۔ کارگاہ ہستی کی ضرورتیں مقصد حیات پر غالب آ گئی ہیں۔

تیرے دیدار کی طلب بھی ہے آنکھ غرق حجاب ہے یارب
چھایا چاروں طرف اندھیرا ہے گہن برآفتاب ہے یارب

اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے، رحیموں سے تیرے عتاب وقہر کی ایسی نگاہ مجھ پر ڈال کہ میں ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جاؤں اور تیرے وسیع وبیکراں رحمت کے سمندر میں تحلیل ہو جاؤں تو ہی تو ں میں نہیں

ارے! دیکھو نھنے میراں کی آنکھیں پتھراسی گئی ہیں اور حرکت بھی نہیں کرتیں۔ لوگ جمع ہو گئے، خلیفہ مرشد بھی آ گئے، نبض دیکھی، روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ کہا اٹھا کر پلنگ میں لٹادو، ابھی مرنا تھا ان کو آج تو جلسہ ہے! کل صبح ان کی تدفین کریں گے۔

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

بوٹا مہندی کا

حیرت ہو رہی ہے نا ...... ! میرے طرز تکلم پر ......! ہونی ہی چاہیئے ! کیونکہ پیڑ بات نہیں کرتے۔ مگر میں مجبور ہوں میرے احساسات کے اظہار کے لئے، کیونکہ ہم پیڑوں کی دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ کوئی تنکا تنکا ذرہ ذرہ کر کے فناء ہو جائے اور کوئی جذبہ کوئی احساس نہیں ہوتا بس مرجھا گئے اور سوکھ گئے لیکن انسانوں کی دنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے؟ دیکھا نہیں تھا، شائد اسی لئے ہم پیڑوں کی دنیا انسانوں سے الگ ہے۔

ترنم ...... ہاں! یہی نام تھا اس کا جو اس کے امی ابا نے رکھا تھا، مگر شہر بانو اصل نام تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ تھی شہر بانو شاہ ایران یزدگرد کی دختر تھیں، اسلامی فوج کے ہاتھوں پسپاء ہونے کے بعد ایرانی فوجوں کو شکست فاش ہوئی تو مال غنیمت میں شہر بانو بھی تھیں ۔ اسلامی سپہ سالار نے شاہ زادی کے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے مدینہ منورہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا اور عمرؓ نے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دیا اور حضرت علیؓ نے آزاد کر کے سید الشہدا امام حسین سے آپ کا نکاح کر دیا۔ اس طرح آپ ام السعادات ہوئیں۔ احترام وعقیدت کے خاطر یہ نام نہ پکار کر اس کے ماں باپ ترنم پکار لیتے اور اب یہی اس کا نام ہو کر رہ گیا تھا۔ اس الہڑ، شوخ، معصوم اور چنچل وجود کا جو تمام آنگن میں مچلتی اٹھکیلیاں کرتی رہتی تھیں۔

میں اس آنگن میں کیسے آیا یہ میرے بزرگ پیڑ مجھے بتاتے تھے کہ ایک دن اس ننھی چنچل، شوخ ترنم کو اس کی امی مہندی لگا رہی تھیں کہ اس کو پیار سے کہہ دیا کہ میں اپنی گڑیا کے لئے ایک مہندی کا پیڑ لگاؤں گی تا کہ وہ ہر دن اس کے ننھے ہاتھوں میں حناء کی لالی دیکھے، بس پھر کیا تھا ترنم ضد کر بیٹھی کہ ابھی مہدی کا بوٹا لا دو اور اس کی امی کو ناچار بوٹا منگوا کر اس کے ننھے ہاتھوں سے پودا لگانا پڑا تب جا کے اسے چین آیا۔ اس دن کے بعد سے میری دیکھ بھال اور ہر ضرورت کا خیال ترنم ہی کیا کرتی۔

ترنم کے ابا علی میاں کا اچھا بھلا کاروبار تھا۔ ان کی چین سے گذر بسر ہوتی، ان کی لے دے

کر زندگی کی جمع پونجی یہی تھی۔ اس لئے اس کی ہر خواہش ہر ضرورت کا پورا خیال رکھا جاتا اور میں بھی اس کے ساتھ پھلتا پھولتا رہا، ہم دونوں ایک ہی کیاری کے دو الگ الگ پودے تھے، جس طرح وہ میرا خیال رکھتی میں سوچتا کے میں بھی بڑا ہو کر اس کے ہاتھوں کو مہندی کے رنگ سے بھر دوں گا۔ دن گذرتے رہے، ہم دونوں پر جوانی کی بہار جلوے لٹانے لگی۔

علی میاں ترنم اور اس کی امی کا بہت خیال رکھتے۔ گھر پر نوکر چاکروں کی کمی نہ تھی۔ ان میں ترنم کی چہیتی تھی گھر کی خانساماں جس کے ذمہ گھر کے افراد کا کھانا بنانا تھا اور جو کبھی بی منیرہ ہوا کرتی تھی۔ آج محض بی من کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ ترنم کو اچھی اچھی کہانیاں اور بزرگوں کے واقعات سنا کر اسے محظوظ کرنا بی من کا محبوب مشغلہ تھا اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، اس کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھا اور وہ پھر سے شادی کرنے کی عمر سے آگے گذر چکی تھی اس لئے ترنم کو معصومیت میں اسے زندگی کے گذار لئے جانے کا مقصد مل گیا۔

وقت کا کارواں روکے نہیں رکتا ہمیں ستانے کے لئے بھی وقت کے ساتھ متحرک رہ کر قدم سے قدم ملا کر چلنا پڑتا ہے، چاہے کتنی ہی مشکل اور پریشانی کیوں نہ ہو جس نے سستی دکھائی اسے وقت گمنامی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ کر روندتے ہوئے آگے نکل جاتا ہے۔

گاؤں میں کوئی ڈھنگ کا اسکول نہیں تھا اور گھر پر فراغی و آسائش نے ترنم کو اسکول بھیجنے پر کسی نے توجہ نہ دی، حالانکہ اس کی امی نے کوشش ضرور کی تھی، چار پانچ جماعت کے بعد سلسلہ رک گیا۔ میری ڈال کی پتیوں میں اب رنگ بھرنے لگے تھے اور ترنم کے بچپن پر جوانی کا خمار چھانے لگا تھا اس کے امی ابا کسی اچھے سے رشتے کی تلاش میں تھے مگر خاندان کے لوگ چاہتے تھے کہ ترنم کو کس طرح اپنے یہاں بیاہ لیں، کیوں کہ اس سے اچھی لڑکی دولت کے ساتھ انہیں ملنے والی نہیں تھی، یہاں سبھی بے کار بے علم اور ناکارہ قسم کے لڑکوں کی فوج تھی۔

آخر کار وہ ہوا جس کی کسی کو امید نہیں تھی، ترنم کی امی کو بخار کیا آیا اپنے ساتھ فرشتہ اجل کو ساتھ لے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ترنم اور اس کے ابا کو روتا بلکتا چھوڑ گئی۔ اس کے ابا نے کچھ دن خود کو سنبھالے رکھا، آہستہ آہستہ وہ ٹوٹ کر بکھرنے لگے۔ اس کی امی کے مر جانے کے بعد کوشش یہی کی کہ کسی طرح اس کے ہاتھ پیلے کر دیں لیکن اچھے لڑکوں کا جیسیا کال پڑا تھا، جو بھی تھوڑی تعلیم حاصل کر لیتا

یا کمائی کرلیتا وہ اوراس کے ماں باپ پڑھی لکھی اور کماؤ دلہن کی تلاش میں نکل جاتے اور یہ سب کچھ ایمان وعقیدہ کو طاق پر رکھ کر سودے بازی ہوتی۔ ظاہر ہے اس کا انجام سماج کا بکھراؤ اور عقیدے میں جھول کے طور پر ظاہر ہورہا تھا۔ اب ایسے میں کون خوب صورت خوش اخلاق اور پاکیزہ سیرت لڑکیوں کے درد کا درماں کرے۔

علی میاں ایک شریف النفس انسان تھے، وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی پوری کوشش کرتے مگر سماج کے اس بے حس مزاج کے آگے لاچار تھے،قوم وملت کی بے رخی ہوس اور دنیا کی دولت کی طلب کا شکار کئی معصوم لڑکیاں ہورہی تھیں۔اب تو حالت یہ ہوچکی ہے کہ اپنے ناکارہ لڑکوں کو پالنے کے لئے کماؤ لڑکیاں ڈھونڈی جارہی ہیں۔اپنی ذلت بھری سوچ پر پردہ ڈالنے کے لئے ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ہونے کا ڈھونگ رچایا جارہا ہے۔ جب انسان بے حیائی اور ذلت کی پستیوں میں اوندھے منہ لڑھکنے لگتا ہے تو اسے ترقی پسندی کا نام دے کر شرافت کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔لیکن اس کا مافی الضمیر اسے کچوکے لگاتا رہتا ہے، پھر بھی بے شرمی اور ڈھٹائی سے خود کو روشن خیال ثابت کرنے کی سعی وجستجو میں اپنے بھونڈے پن اور پوھڑپن کی کرتوتوں سے باز نہیں آتا۔ یہ محض ایک فرد واحد یا گروہ کا معاملہ نہیں ہے، ایسی بے حیاء ترقی اور شائستگی قوموں اور ملکوں سے بھی سرزد ہوتی ہے۔ دختران قوم کو کبھی عرب کے ریگزاروں میں زندہ درگور کیا گیا، کبھی مصر کے بازاروں میں نیلام کیا گیا اور آج ترقی اور خوبصورتی کے اظہار کے نام پر برسرعام برہنہ کیا جارہا ہے۔ پہلے مرد اس ذلت میں مبتلاء تھے، آج خود عورت دولت وشہرت کی چاہ میں اپنے ناموس کا مول طے کرتی ہے، کردار بدل گئے منظر وہی ہے۔

آدمی سے اچھے تو ہم پیڑوں کی دنیا ہے۔ ہمیں اپنے کپڑے اتار کر شہرت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور نہ کسی دوسرے پیڑ کے سہارے اپنے وجود کو برقرار رکھنا پڑتا ہے۔ کسی نے دیکھا ہے کہ آم کے پیڑ پر تربوز اُگ آئے ہوں، نیم کے پیڑ پر مہدی کا پیڑ، مگر جب بھی ایسا ہو، آم، آم نہیں رہ جاتا، تربوز تربوز نہیں اور نہ مہندی مہندی رہتی ہے اور نیم وہ کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے۔ جب اصلیت اپنی شناخت کھودیتی ہے تو وہ بدنما حقیقت بن جاتی ہے۔

ایک مجبور باپ اور حساس شوہر کا دل جب رو نہیں پاتا اپنے غم کا اظہار نہیں کر پاتا تو وہ عاریضہ قلب کا شکار ہوجاتا ہے۔ زندگی کے تازیانے سہتے سہتے علی میاں بھی دنیا سے چل بسے اور ترنم کو

بے یار و مددگار دنیا میں اکیلا چھوڑ گئے اور اس کے اب دو ہی سہارے تھے ''بی من'' اور ''میں'' بے بس اور بے زبان مہندی کا پیڑ۔

جب کبھی ترنم اداس ہو جاتی مجھ سے اپنے تمام دکھ درد سناتی اور ایسا کرتے دیکھ بی من کے ہوش اڑ جاتے، ہائے! میری بچی کہیں حواس تو نہیں کھو بیٹھی۔ اے اللہ اتنے دکھ دینے تھے تو میں جنم جلی کس کام کی مجھے اس کے حصے کے دکھ بھی دے دیتا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو حشر کے دن میں بانو بی بی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ بی من ترنم کی ماں کو یہی نام سے پکارتی تھی۔ ایک دن میرے صبر کا باندھ بھی ٹوٹ گیا جب وہ اپنے رشتہ داروں کے طعنے سن کر روتی بلکتی میرے پاس آ بیٹھی اور پھوٹ کر رونے لگی اور اپنی بدقسمتی کا گلہ کرنے لگی۔

''نہ غمگین ہونا میری اچھی بہن! اباء میاں اور امی کی روحیں تڑپ اٹھیں گی، کیا گزرے گی ان پر بہادر بیٹیاں رویا نہیں کرتی'' وہ اچانک جیسے ہوش میں آ گئی، حیران و ششدر چاروں طرف دیکھنے لگی، یہ کون مجھے بہن پکار رہا ہے۔ اس ایک لفظ کو سننے کے لئے میں تڑپتی رہی مگر مجھ پر کسی کو ترس نہ آیا اور آج کون میرے درد کا مرہم لے آیا ہے۔ آس پاس کسی کو نہ پا کر دل میں سوچنے لگی شائد اسے گمان ہوا ہے۔ میں نے پھر سے ہمت جٹا کر کہا ''یہ میں ہوں مہندی کا پیڑ......! جس کو تو نے اتنے برسوں پالا پوسا بڑا کیا، میں تیرا دکھ بانٹوں گا میری بہن'' وہ ایک ٹک میری طرف دیکھنے لگی اور گھبرا کر دوڑتی ہوئی گھر کے اندر چلی گئی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ دو حیران آنکھیں کھڑکی کے اندر سے مجھے جھانک رہی ہیں۔ اب وہ میرے قریب آنے سے ڈرنے لگی۔ کترا کے نکل جاتی اور میرا دامن اس کے درد سے بوجھل ہونے لگا۔ یہ میں نے کیا کر دیا پھر ایک دن اچانک وہ میرے قریب آ کر مجھے غور سے دیکھنے لگی ایسے جائزہ لے رہی تھی جیسے یقین کرنا چاہتی ہو کہ یہ وہی مہندی کا بوٹا ہے جسے اس نے اپنے ہاتھوں بڑا کیا تھا اور آج میں یہ موقع یوں جانے دینا نہیں چاہتا تھا اور میں بول پڑا۔

''حیران نہ ہونا بہن......! نہ مجھ سے خوف کھانا، تم ٹھیک سوچ رہی ہو میں وہی بوٹا مہدی کا ہوں جو اب پیڑ بن گیا ہوں۔ لیکن تمہاری یہ پریشانی بجا ہے کہ میں تمہاری بولی بول رہا ہوں۔ جس طرح تم نے مجھے پال پوس کر بڑا کیا اسی طرح تم نے مجھے انجانے میں اپنی بولی بھی سکھائی۔ یاد نہیں تم کو گھنٹوں مجھ سے باتیں کیا کرتی تھیں۔ میں نے چپکے چپکے تمہاری بولی سیکھی۔ اتنے دنوں خاموش رہا کہ مجھے

انسانوں کی دنیا اور بولی سے کیا کام لیکن تمہاری پریشانی، رنج و غم نے مجھے بولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں اپنی بہن کے دکھ درد کو بانٹنا چاہتا تھا اس لئے اپنی فطرت اور حقیقت کو بھلا کر تم سے مخاطب ہو بیٹھا، میری اس بے تکی حرکت پر حیران و پریشان نہ ہونا تم مجھ سے اپنے غم بانٹ سکتی ہو ہم دونوں ان مصیبتوں کا مقابلہ مل جل کر کریں گے۔ کیوں کہ امی ابا کے بھی بڑے احسان ہیں مجھ پر، انہوں نے اس غریب کو اپنے آنگن میں جگہ دی تھی، ورنہ میں کسی باغ کے ویرانے میں پڑا ہوتا''

ترنم کو میری اس گفتگو پر بڑی مشکل سے یقین آیا کہ بھلا کوئی پیڑ بھی ہماری طرح باتیں کر سکتا ہے۔ اس دن کے بعد وہ مجھ سے گھنٹوں اپنے دل کا حال سناتی اور میں اسے تسلی دیتا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو وہ کوئی نہ کوئی سبیل نکال لے گا۔

ایک دن بی من دوڑی دوڑی گھر آئی، پتہ نہیں ترنم سے کیا گفتگو ہوئی، واپسی میں ترنم سے کہہ رہی تھی اے...... ہے......شہرا بی بی......! وہ ترنم کو اسی نام سے پکارتی۔ تیری مت ماری گئی ہے ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔ یہ کہاں کی لگا رکھی ہے۔ جن کے باپ دادا کو اپنے خاندان اور اشراف ہونے پر ناز تھا دیکھتی نہیں ان کی اولاد آج ہر گلی چلتی لڑکی کو گھر اٹھا لائے ہیں، نہ اس کے خاندان کا پتہ نہ ذات کا نہ اس کی اوقات کا۔ بس پیسے کما کر لانے والی ہونا چاہیئے، انہیں بدصورت چلے گی، کالی کلوٹی چلے گی، بداخلاق چلے گی اور بدعقیدہ چلے گی اگر اس کی مرضی ہو تو گھر میں کوئی بت ہی بٹھا لے، کوئی معترض نہیں اور تم ہو کہ خاندان عقیدہ اور ایمان کے حوالے ہو بیٹھی ہو۔ اگر یوں ہی رشتہ ٹھکراؤ گی تو زندگی بھر کنواری رہ کر مرو گی، دیکھ لینا، یہ کہتی ہوئی بی من ترنم سے ناراض ہو کر بڑبڑاتی چلی گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد ترنم میرے پاس آئی، میرے پوچھنے پر بتایا کہ بی من کوئی امیر زادے کا رشتہ لے کر آئی تھی جو میرے عقیدے کا نہیں۔ لڑکا پڑھا لکھا، خوبصورت اور امیر تھا، میرے انکار کرنے پر ناراض ہوگئی۔ بھائی مہندی تم ہی بتاؤ کیا میں اپنے ایمان اور عقیدہ کو طاق پر رکھ کر یہ رشتہ قبول کروں۔ میں اپنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مہدی موعودؑ کو کیا منہ دکھاؤں گی اور کیا میرے امی ابا اور خاندانی مرحومین کے اس ایثار و قربانی کو جنہوں نے اپنے ایمان و عقیدہ کی راہ میں نبھایا یکلخت مٹی میں ملا دوں؟ بھائی تم ہی سوچو اگر کوئی اولاد اپنی ماں باپ اور خاندان کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور ان کی شرمندگی اور سبکی کا سبب بنتا ہے تو کتنی تکلیف اور خواری ہوتی ہے۔ بھائی کچھ بھی ہو میں مرتے جاؤں

گی ، ذلت کا کوئی ایسا کام نہیں کروں گی جس کی وجہ سے قیامت میں مجھے اور امی ابا کو خدا کے حضور شرمندہ ہونا پڑے۔

پھولوں کا ہار گوندنے بیٹھی تھی زندگی دامن میں گل نہ تھے تو کانٹے پرولئے

بہن ......ترنم ......! بی بی شہر بانو نے اپنی شہزادگی کو سید الشہداء امام حسینؑ کی بیوی ہونے پر ترجیح دی اور کربلہ کے دلدوز اور حوصلہ شکن حادثے کو سہہ لیا اور ام السعادات کہلائیں۔ آج پھر تم نے اس نام اور جذبے کو زندہ کرلیا۔ آفریں تم پرائے بہن بروز قیامت ایمان وعقیدے کے یہ سوداگر خدا کے سامنے شرمسار اور سرنگوں کھڑے ہونگے اور تم اس وقت اللہ کا شکر ادا کررہی ہوگی۔

بات ہوتی ہے بات کو سمجھنے کی امام ہمام مہدی علیہ السلام نے ہم پیڑوں کو بھی عزت بخشی تھی۔ جب بندگی میاں شاہ نظامؓ نے آپؑ سے پوچھا، میرانجی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب مہدی آئیں گے تو سوکھے پیڑ ہرے بھرے ہوجائیں گے۔ اس کا کیا مطلب ہے، میراں علیہ السلام اس وقت مسواک فرمارہے تھے اس کو زمین میں بودیا اللہ کی قدرت سے وہ مسواک ہری بھری ہوگئی اور اس میں پتیاں نکل آئیں۔ آپؑ نے فرمایا بھائی نظامؓ یہ کام تو جادوگروں اور شعبدہ گروں کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کہنا ہے کہ مہدیؑ کے آنے سے جو دل ایمان سے خالی ہوکر سوکھ کر مرجھا گئے ہوں وہ تروتازہ اور زندہ ہوجائیں گے۔

اب جو دل ایمان عقیدہ اور انسانی جذبات کو دولت ، عزت اور شہرت کے ترازو میں تولنا چاہتے ہیں وہ انسانی جذبات اور عزت وناموس کے نرخ لگانے والے جادوگر اور سوداگر ہیں ان کے پاس زندگی کا ہر ایک معاملہ جیسے نماز ، روزہ ، حج ، زکواۃ ، صدقہ سب تجارت ہے ، انہیں ان چیزوں سے فوری نتیجہ اور فائدہ ہوجانا چاہیئے ورنہ ان کی کوئی اہمیت ان کے پاس نہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ میری پتیوں کا حنائی رنگ ، رنگوں کی سوغات بن کر میری بہن اور اس کے جذبہ پر برس پڑے اور اسے سرخ رو کردے اور ان روسیاہ اور خودغرض آدمیوں کے درمیان سورج کی طرح ہمیشہ چمکتی رہے۔

کتنا گراں ہے نرخ تبسم کا اے نسیم ہنسنے کی آرزو پہ رلائے گئے ہیں ہم

☆☆☆